کانچ کے
گھروندے
نگہت عبداللہ

عرض ناشر

ساگر پبلشرز کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ آپ تک ایسی معیاری، اچھوتی اور نئی قلمی تخلیق اور ادبی کاوش پہنچائی جائے جو زندگی آمیز بھی ہو اور زندگی آموز بھی۔ جو قلب وذہن کی تسکین کا سامان کرے، جس سے آپ میں عمل وحرکت کا کوئی داعیہ پیدا ہو اور جس سے آپ کے ذوق مطالعہ کی تشنگی کا مداوا ہو۔ اس سلسلہ میں ہمارے ادارہ کے کئی ایک خوبصورت ناول زیور طباعت سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچے اور داد تحسین وصول کی۔ آپ نے انہیں خوب سراہا اور بڑی پذیرائی بخشی۔ یہ آپ کی پسندیدگی کا نتیجہ ہے کہ ہم آپ کے لئے نئی نئی تخلیقات کا اہتمام کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اپنی اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اب ہم ملک کی ایک معروف خاتون ناول نگار محترمہ نگہت عبداللہ کے سات ناولوں کا ایک دلکش اور مہکتا گلدستہ آپ کی نذر کر رہے ہیں۔ ان میں ایک حسین ناول ''کانچ کے گھروندے'' اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

محترمہ نگہت عبداللہ محتاج تعارف نہیں۔ ناول کی دنیا کا جانا پہچانا نام ہے۔ محترمہ لکھنے میں اپنا خاص اسلوب رکھتی ہیں۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتی ہیں اس کا حق ادا کر دیتی ہیں۔ یہ ناول بھی آپ کی دلفریب اور نظر افروز تخلیقی کاوش ہے۔ امید ہے ہماری یہ تازہ کاوش بھی پہلے کی طرح جسے ہم دیدہ زیب ٹائٹل اور عمدہ گیٹ اپ کے ساتھ آپ کے خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کو پسند آئے گی اور آپ اسے پذیرائی بخشیں گے۔ اپنی قیمتی آراء سے ضرور مطلع فرمائیں۔

منیجر

ساگر پبلشرز، لاہور

کانچ کے گھروندے

''آسیہ اے آسیہ! سوگئی ہو کیا!''

اماں عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر اندر آئیں تو اس کے پلنگ کے قریب کھڑی ہو کر پوچھنے لگیں اور وہ جو آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی' نیچے کر کے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''بیٹا! اگر سو نہیں رہیں تو میری بات سن لو۔'' وہ کچھ دیر تک چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی۔ شاید قیاس کر رہی تھی کہ اماں کیا کہنا چاہتی ہیں۔ پھر کنارے کھسک کر ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی اور خود بھی تکیے کے سہارے ذرا سی اونچی ہو گئی۔ اماں آرام سے بیٹھ گئیں تو کہنے لگیں۔

''بیٹا! تمہاری خالہ اماں آج پھر آئی تھیں' جواد کے بارے میں بتا رہی تھیں۔ اس کی ترقی ہو گئی ہے اور میں تو کہتی ہوں بیٹا! گھر کا لڑکا ہے۔ آنکھوں کے سامنے پلا بڑھا۔''

''اماں......!'' اس نے انہیں ٹوک دیا۔ ''میں مانتی ہوں جواد بہت اچھا لڑکا ہے لیکن مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔''

''آپا!'' ارم جو الماری میں سر دیے کچھ تلاش کرنے میں مصروف تھی لیکن لگتا تھا جیسے اس کے کان اِدھر ہی لگے ہیں جبھی تو فوراً الماری بند کر کے اس سے کہنے لگی۔

''خالہ اماں اتنا چاہتی ہیں تمہیں اور پھر جواد بھائی کی بھی یہی مرضی ہے۔''

''تم چُپ رہو!'' اس نے ارم کو ڈانٹ دیا تو وہ بُرا سا منہ بناتی ہوئی چکر کاٹ کر اپنے پلنگ پر آ بیٹھی لیکن ساری توجہ پھر بھی اِدھر ہی تھی۔

''پھر تم کیا چاہتی ہو؟'' اماں کے پوچھنے پر اس نے فوراً جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے اپنے ناخن کھرچنے لگی۔ پھر اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولی۔

''میں نے آپ کو ثاقب حسن کے بارے میں بتایا تو تھا۔''

''ہاں! بتایا تو تھا لیکن اس بات کو بھی دو مہینے ہو گئے ہیں اور ان کی طرف سے کوئی آیا بھی نہیں جبھی تو میں پھر سے جواد کے بارے میں سوچنے لگی ہوں۔''

''اماں......!'' وہ پلکیں اُٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''اگر ثاقب کی طرف سے ابھی تک کوئی نہیں آیا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ مایوس ہو جائیں۔ کوئی مجبوری ہو گی۔ اور اگر آپ کو اتنی ہی جلدی ہے تو میں ثاقب سے بات کروں گی۔'' آخری بات کہتے ہوئے اس نے پھر نظریں جھکا لیں۔

''بیٹا! یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن پتہ نہیں کیوں میرا دل ڈرتا ہے۔'' قدرے توقف کے بعد کہنے لگیں۔

''تمہارے سر پر نہ باپ ہے نہ کوئی بھائی' جو ثاقب کے بارے میں کچھ معلوم کر سکے۔''

''اماں! کیا معلوم کرنا ہے آپ کو ثاقب کے بارے میں؟ اتنی بڑی فرم کا مالک ہے اور میں گزشتہ دو سالوں سے اس فرم میں جاب کر رہی ہوں۔ میں نے کبھی اس کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سُنی۔''

''ظاہر ہے' وہ مالک ہے۔ کون اس کی بُرائی کرنے کی جُرأت کر سکتا ہے۔'' ارم بولنے سے باز نہ رہ سکی۔ اس نے گردن موڑ کر بہن کی طرف دیکھا۔ پھر اماں سے کہنے لگی۔

''ارم غلط نہیں کہہ رہی لیکن اماں جو بڑا آدمی ہوتا ہے وہ خواہ مالک ہو یا نوکر' اس کے بارے میں سرگوشیاں ضرور ہوتی ہیں اور یقین کریں میں نے کبھی سرگوشیوں میں بھی کچھ نہیں سُنا۔ میں نے ہر ایک کو اس کی تعریف کرتے ہی سُنا ہے۔ آپ اس سے مل کر تو دیکھیں۔''

''اماں کیا دفتر میں جا کر ملیں گی؟'' ارم کی زبان میں پھر کھجلی ہونے لگی۔

''تم چُپ رہو!'' اس نے سنجیدگی سے ڈانٹا۔

''میں نے اسے دیکھنے یا ملنے پر کب اعتراض کیا ہے' وہ آئے تب ناں!''

''اصل میں اماں! بڑے آدمیوں کی مصروفیات بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ وہ روز ہی آنے کو کہتا ہے اور روز ہی کوئی نہ کوئی کام نکل آتا ہے۔ بہرحال......'' وہ بیڈ کی پٹی سے سر ٹکاتے ہوئے بولی۔

''کل میں اسے مجبور کروں گی کہ وہ کچھ دیر کے لیے ہی سہی آ کر آپ سے مل لے۔ شام میں چائے پر کچھ انتظام کر لیجئے گا۔ میں آفس سے واپسی پر اس کے ساتھ ہی آؤں گی۔''

''اماں! جواد بھائی کو بھی بلوا لیں گے۔'' ارم کا مشورہ اسے بالکل پسند نہیں آیا۔ اس لئے فوراً ٹوک دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے جواد کو بلوانے کی۔''

''کیوں......؟ اس میں حرج ہی کیا ہے۔'' اماں نے کہا تو وہ انہیں سمجھانے لگی۔

''اماں! ابھی بات گھر سے باہر نہیں نکلنی چاہیے' جب تک کہ طے نہ ہو جائے۔ میں اس لیے کہہ رہی ہوں اماں کہ ہمارے سر پر باپ ہے اور نہ بھائی۔ اور ایسی صورت میں لوگ باتیں بڑی آسانی سے بنایا کرتے ہیں۔''

''جواد بھائی 'لوگ' نہیں ہیں۔'' ارم بُرا مانتے ہوئے بولی۔

''میں جواد کی بات نہیں کر رہی لیکن جواد کے ذریعے دوسرے لوگوں تک تو بات پہنچ سکتی ہے۔ پھر اس طرح کی باتیں ہوں گی کہ آسیہ جس فرم میں کام کرتی تھی اس کے مالک سے بیاہ رچانے چلی ہے۔ لوگوں کو خوشی کم' تشویش زیادہ ہوگی۔'' اس کی بات سُن کر اماں چُپ ہو رہیں اور انہوں نے ارم کو بھی اشارہ کیا کہ مزید اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرے۔

''اچھا! میں تو اب سوؤں گی۔'' اماں اُٹھتے ہوئے بولیں تو وہ ارم کی طرف دیکھنے لگی۔ منتظر تھی کہ وہ بھی سونے کی بات کرے گی لیکن وہ چھلانگ لگا کر اس کے بیڈ پر آ گئی اور اماں کے جاتے ہی اس کے برابر لیٹتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپا! ثاقب حسن کیسا ہے؟''

''کل آئے گا تو خود ہی دیکھ لینا۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''کیا جواد بھائی سے زیادہ اچھا ہے؟''

''جواد اس کا کیا مقابلہ کرے گا۔''

''کیوں......! اتنے ہینڈسم تو ہیں جواد بھائی۔''

''ہاں! لیکن' خیر چھوڑو۔ تم کیا ہر بات میں جواد کی تسبیح پڑھنے لگتی ہو۔''

''آپا! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جواد بھائی تمہیں پسند کرتے ہیں۔''

''معلوم ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''صرف جواد ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ مجھے پسند کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے میں نہ ہی سب کی پذیرائی کر سکتی ہوں اور نہ ہی شادی۔ شادی میں اُس سے کروں گی جو مجھے پسند ہو۔ اور میرا خیال ہے ثاقب حسن ہر لحاظ سے مجھے پسند ہے۔''

''پتہ ہے ارم......!'' کچھ دیر بعد وہ چھت پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

''وہ بہت نفیس ہے۔ جب بولتا ہے تو دل چاہتا ہے وہ کبھی خاموش نہ ہو اور اس کی آنکھوں پر ساگر کا گمان ہوتا ہے......کبھی پُرسکون اور کبھی شور مچاتی ہوئی۔ میں سمجھتی ہوں ارم کہ یہ

میری خوش نصیبی ہے کہ اس نے نہ صرف مجھے پسند کیا بلکہ شادی کا پیغام بھی دے ڈالا۔ ورنہ میں تو اپنے آپ کو کسی طرح بھی اس کے قابل نہیں سمجھتی۔''

''کوئی نہیں آپا! اتنی اچھی تو ہو تم......''

''صرف اچھی ناں جبکہ اس کے حلقے میں تو بہت اچھی اچھی لڑکیاں ہوں گی۔''

''یہ بتاؤ! کل وہ آ تو جائے گا ناں!''

''ہاں! کیوں نہیں۔ وہ تو آنے کے لیے تیار ہے۔ میں ہی کچھ ٹال مٹول سے کام لیتی رہی۔ کل اصرار سے کہوں گی تو ضرور آئے گا۔'' پھر تکیہ نیچے کرتی ہوئی بولی۔

''اب جاؤ اپنی جگہ پر' مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''آپا! مجھے تو جواد بھائی کا خیال آ رہا ہے۔'' ارم جب اپنی جگہ پر لیٹ گئی تب بولی تھی۔

اس نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کروٹ بدل لی۔

☆☆☆

اسے یقین تھا کہ وہ اصرار کرے گی اور ثاقب حسن انکار نہیں کرے گا۔ اور پھر اتفاق تھا کہ کوئی اضافی مصروفیت بھی آڑے نہیں آئی۔ اس لیے جیسے ہی اس نے چلنے کے لیے کہا وہ تیار ہو گیا۔ تمام راستہ وہ اسے اپنے گھر کے بارے میں بتاتی رہی۔ گو کہ وقتاً فوقتاً وہ اس کی زبانی بہت کچھ جان چکا تھا' پھر بھی اس وقت پوری توجہ سے اس کی باتیں سُنتا رہا۔ گھر کے سامنے گاڑی رُکوا کر وہ اسے رُکنے کا کہہ کر خود اندر چلی گئی۔ پہلی نظر میں ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ آج صفائی کرنے میں ارم نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر ڈالی ہوں گی۔ ہر شے چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ اماں کو اطلاع دینے کے لیے تیز قدموں سے اندر آئی تو گُڑیا اور پپو کو دیکھ کر دروازے ہی میں ٹھٹھک کر رُک گئی۔

''سعدیہ آپا آئی ہیں؟'' وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی اور متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟'' اماں کی آواز پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی اور دھیمی آواز میں بولی۔

''ثاقب میرے ساتھ آئے ہیں۔ انہیں اندر بلا لوں؟''

''ہاں ہاں!'' اماں کی اجازت ملتے ہی وہ وہیں سے پلٹ گئی۔ جاتے جاتے کچن میں جھانک کر دیکھا۔ سعدیہ آپا ارم کے ساتھ مصروف تھیں۔ اس نے بہت عجلت میں ثاقب کی آمد کا بتایا اور اسے لینے باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی اندر آرہی تھی۔ پھر اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر پہلے اماں کو بلایا' پھر ان کے ساتھ ہی آکر بیٹھی تھی۔ اس کی شخصیت جاذب نظر تھی اور انداز سے امارت ضرور جھلک رہی تھی لیکن وقار کے ساتھ چھچھورا پن اور تکبر نہیں تھا۔ اماں شاید بہت مرعوب ہوگئی تھیں۔ اس لیے چند رسمی باتوں کے بعد کچھ کہہ ہی نہ سکیں۔ وہ سمجھی شاید اس کی وجہ سے خاموش ہیں' اس لیے چائے کے بہانے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''سعدیہ کو بھیج دینا'' اماں نے کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ سعدیہ آپا کو اندر بھیج کر ارم کا ہاتھ بٹاتے ہوئے بولی۔

''میں نے کہا بھی تھا کہ ابھی کسی تک بات نہیں پہنچنی چاہیے۔ پھر سعدیہ آپا کو کیوں بلوا لیا؟''

''آپا!'' ارم حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اول تو ہم نے سعدیہ آپا کو بلوایا نہیں' اتفاق سے وہ خود ہی آگئی ہیں اور پھر تم اتنی رازداری کیوں برتنا چاہتی ہو۔ شادی کا معاملہ ہے کوئی چوری تو نہیں۔'' وہ ناگواری سے چائے دم کرنے لگی تو ارم اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی غرض سے بولی۔

''آپا! میں بھی اندر چلوں؟'' وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید شعوری یا لاشعوری طور پر اس کا اور اپنا موازنہ کرنے لگی تھی اور جب یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ ہر لحاظ سے ارم سے بہتر ہے تو مسکراتے ہوئے بولی۔

''ابھی میں چائے لے کر جارہی ہوں۔ تم تھوڑی دیر بعد آجانا'' اس کے ساتھ ہی وہ

ٹرے اُٹھا کر چل پڑی۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو ثاقب حسن کوئی بات کر رہا تھا' اسے دیکھ کر وہ پل بھر کو خاموش ہوا۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے والدین اس رشتے کے حق میں نہیں ہیں اور انہیں منانے کے لیے ایک لمبی مدت درکار ہوگی۔ کیا آپ لوگ اتنا عرصہ انتظار کرسکیں گے؟''

''آخر کتنا عرصہ.....؟'' سعدیہ آپا پوچھنے لگیں۔

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔ پانچ ماہ بھی ہوسکتے ہیں اور پانچ سال بھی.....''

''پانچ سال تو بہت زیادہ ہوتے ہیں جبکہ اس گھر میں ایک اور لڑکی بھی موجود ہے۔''

''اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں کہ میں والدین کو راضی کرنے کا مسئلہ بعد کے لیے اُٹھا رکھتا ہوں۔ آپ شادی کردیں' بعد میں حالات خود بخود ٹھیک ہوجائیں گے۔ کیونکہ میرا خیال ہے والدین زیادہ عرصہ تک اولاد سے ناراض نہیں رہ سکتے۔ اور پھر میں تو ان کی اکلوتی نرینہ اولاد ہوں۔''

''یہ تو ٹھیک ہے لیکن.....'' اماں کچھ اُلجھ کر سعدیہ آپا کی طرف دیکھنے لگیں۔

''میں آپ کی اُلجھن سمجھ رہا ہوں۔'' وہ کی رنگ انگلی میں گھماتے ہوئے بولا۔

''آپ شاید یہ سوچ رہی ہیں کہ میں اکیلا شادی کیسے کروں گا۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ میرا حلقہ بہت وسیع ہے۔ صرف والدین ہی شریک نہیں ہوں گے ناں' باقی لوگ تو ہیں میرا مطلب ہے میرے دوست احباب وغیرہ۔''

''پھر بھی میں کہوں گی کہ تم اپنے والدین کو راضی کرنے کی کوشش ضرور کرو۔''

''میں کوشش کر رہا ہوں۔'' وہ فوراً بولا۔

''اگر جلد ہی مجھے اپنی کوشش میں کامیابی ہوگئی تو میں انہیں لے آؤں گا' دوسری صورت'' ارم نے اندر داخل ہو کر سلام کیا تو اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

''یہ میری چھوٹی بہن ہے ارم۔'' اس نے تعارف کروایا تو وہ مسکراتے ہوئے اس کی

طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر چائے کے دوران اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد وہ جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اب اجازت دیجئے' میں پھر آؤں گا اپنے کسی عزیز کو لے کر......'' اس نے کہا تو اماں نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا اور وہ اسے چھوڑنے باہر تک چلی آئی۔

''آس! مجھے لگتا ہے تمہاری امی......''

''نہیں ثاقب!'' وہ اس کی بات کاٹ کر فوراً بول پڑی۔

''تم فکر مت کرو' میں امی کو منا لوں گی۔''

''تو میں اطمینان سے جاؤں......؟'' اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اُسے خدا حافظ کہہ کر اندر آ گئی۔ ظاہر ہے اندر وہی موضوع تھا۔ اماں شش و پنج میں تھیں۔ سعدیہ آپا صاف منع کر رہی تھیں جبکہ ارم اپنی عمر کے حساب سے خاصی پُرجوش! اس نے فی الحال سب کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور کچن میں آ کر رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

''اچھی خالہ!'' گڑیا اور پپو اس کے پاس کچن میں آ گئے۔

''ہم حلوہ کھائیں گے۔''

''ہیں......'' اس نے باری باری دونوں کو دیکھا' پھر کہنے لگی۔

''ٹھہرو! میں دیکھتی ہوں اگر سوجی ہوگی تو بنا دوں گی۔'' پھر وہ شیلف پر رکھے ڈبے کھول کھول کر دیکھنے لگی۔ اس دوران دونوں بچے جیسے سانس روکے کھڑے تھے۔

''مل گئی......'' اس نے نعرہ لگایا تو گڑیا اور پپو تالیاں پیٹنے لگے۔

''چلو اب تم دونوں آنگن میں کھیلو! جیسے ہی حلوہ تیار ہوگا میں تم دونوں کو بلا لوں گی اور دیکھو شور مت کرنا۔''

بچے خوشی خوشی بھاگ گئے تو وہ اپنے کام میں لگ گئی۔ اس کا ذہن آپ ہی آپ اندر ہونے والی باتوں کی طرف بھٹک گیا۔ گو کہ وہ نہیں جانتی تھی اس وقت اماں اور سعدیہ آپا کیا باتیں

کر رہی ہیں لیکن وہ ان کے تاثرات سے بہت کچھ جان چکی تھی۔ اس نے سوچا ثاقب کے والدین تو پہلے ہی نہیں مان رہے اور اب یہاں بھی یہ مسئلہ کھڑا ہو رہا ہے۔

بہر حال میں اماں سے صاف صاف کہہ دوں گی کہ میں ثاقب کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا اور سوجی بھوننے لگی۔ خوشبو پھیلتے ہی ارم بھاگی آئی۔

''آپا! یہ حلوہ کس خوشی میں تیار ہو رہا ہے؟''

''گڑیا اور پپو کہہ رہے تھے' ان کے لیے۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا اور جب ارم کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

''میں سمجھی ثاقب بھائی کے آنے کی خوشی میں۔'' وہ مسکرائی تو ارم نے بڑھ کر اس کے گلے میں بازو ڈال دیے۔

''سچ آپا! مجھے تو ثاقب بھائی بہت اچھے لگے ہیں۔ کیا شاندار پرسنالٹی ہے۔ باتیں کرنے کا انداز بھی خوب ہے۔ ایمان سے آپا' تم بہت لکی ہو۔'' وہ دھیرے دھیرے مسکراتی رہی۔ رم کسی طرح چپ ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ثاقب کی تعریف میں مسلسل اس کی زبان چلتی رہی۔ آخر سے ٹوکنا پڑا۔

''بس بھی کرو۔'' پھر راز داری سے پوچھنے لگی۔

''اماں اور سعدیہ آپا کا کیا خیال ہے؟''

''اوں ہوں! وہ دونوں خواتین پتہ نہیں کن خدشات میں گھری ہیں۔ جبکہ میں تو کہتی ں آپا! ثاقب بھائی جیسا ہمارے پورے خاندان میں نہیں ہوگا۔''

''اچھا چھوڑو! یہ بتاؤ۔ سعدیہ آپا آج یہیں رہیں گی یا دولہا بھائی لینے آئیں گے۔''

''یہیں رہیں گی۔ دولہا بھائی نے کل آنے کو کہا ہے۔''

''چلو! تو تم یہ حلوہ پلیٹ میں نکال کر گڑیا اور پپو کو دے دو۔ پھر آ کر آٹا گوندھ دو۔ میں

روٹی پکالوں گی۔'' ارم نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور وہ جلدی جلدی سالن چڑھانے لگی۔

رات کے کھانے کے بعد جب وہ فراغت سے سعدیہ آپا کے پاس بیٹھی تو انہوں نے خود ہی ثاقب کا ذکر چھیڑ دیا۔ اماں بھی وہیں آ بیٹھی تھیں اور شاید انہوں نے پہلے ہی سعدیہ آپا کو سمجھا دیا تھا کہ وہی بات کریں گی۔ اور اب وہ اسے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''دیکھو! ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ضروری نہیں ہے کہ ثاقب جیسا نظر آتا ہے ویسا ہو بھی۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہیں سعدیہ آپا آپ! میں دو سال سے اس کی فرم میں کام کر رہی ہوں۔''

''میں اس کے بڑا آدمی ہونے پر شبہ نہیں کر رہی آسیہ! وہ یقیناً فرم کا مالک ہوگا۔''

''پھر.....؟''

''پھر یہ کہ مجھے اس کا اکیلا یہاں آنا کھٹک رہا ہے اور اماں کو بھی یہ بات پسند نہیں آئی۔ تم خود سوچو! وہ اکلوتا ہے اور اس پوزیشن میں بھی نہیں کہ اپنی بات والدین سے منوا سکے پھر.....''

''آپا! آپ خوامخواہ تردد کر رہی ہیں۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر بول پڑی۔

''بات صرف اتنی سی ہے کہ اس کے والدین اپنے ہی جیسے لوگوں میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''بیٹا! پھر بھی میرا دل ڈرتا ہے۔'' اماں نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''کیوں اماں! کیوں دل ڈرتا ہے آپ کا؟''

''یہ سوچ کر کہ اگر اس کے والدین نے کبھی تمہیں قبول ہی نہ کیا تو.....''

''ہماری صحت پر کیا اثر پڑے گا۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''ثاقب کون سا اپنے باپ کا دست نگر ہے جو یہ خدشہ ہو کہ وہ اسے بے دخل کر دیں گے۔''

''آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں۔'' ارم نے اس کی طرف داری کی۔

''ثاقب بھائی کی اپنی ایک الگ حیثیت ہے اور وہ ایک کیا چار بیویاں بھی افورڈ کر سکتے ہیں۔''

''کیا؟'' اس کے ساتھ ساتھ اماں اور سعدیہ آپا کے منہ سے بھی چیخ نما آواز نکلی تو بے چاری ارم گڑبڑا گئی۔

''میں تو ایسے ہی ایک بات کہہ رہی ہوں۔''

''اچھا! اب تم اپنا منہ بند ہی رکھنا۔'' اس نے کہا تو ارم خوامخواہ ہنسنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی' پھر اماں سے کہنے لگی۔

''اماں! خواہ آپ ثاقب کے والدین کا انتظار کریں یا ابھی اس کے حق میں فیصلہ دے دیں' مجھے بہر حال شادی اسی سے کرنی ہے۔'' اس نے فیصلہ کن انداز اختیار کیا تو اماں اور سعدیہ آپا کچھ دیر تک بول ہی نہ سکیں۔

''جب تم فیصلہ کر ہی چکی ہو تو ہمارا کچھ کہنا بیکار ہے۔'' بہت دیر بعد سعدیہ آپا بولی تھیں۔

''ایسی بات مت کریں سعدیہ آپا!'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''آخر ثاقب میں کیا برائی ہے؟''

''برائی کوئی نہیں ہے بس ذرا اس بات کا ہے کہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔''

''اول تو کوئی مسئلہ نہیں اٹھے گا اور اگر ایسا کچھ ہوا بھی تو میں خود سنبھال لوں گی۔'' ذرا سے توقف کے بعد کہنے لگی۔

''اماں! خدا کے لیے آپ سارے خدشات دل سے نکال دیجئے۔''

''چلیے اماں! اگر اسے اتنا ہی ثاقب پر بھروسہ ہے تو ہامی بھر لیجئے۔'' سعدیہ آپا جان گئی تھیں کہ وہ کسی بھی طرح سہی' اپنی بات منوا کر چھوڑے گی۔ اس لیے انہوں نے ہتھیار ڈال دیے

اور اماں سے بھی ہامی بھروالی۔

اور پھر جیسے وہ ہواؤں میں اُڑنے لگی تھی۔ شادی کی تاریخ طے ہوگئی تو اس نے ثاقب حسن کے کہنے پر جاب چھوڑ دی۔ اب وہ خود ہی ہر دوسرے دن اس کے گھر آ جاتا تھا۔ کچھ دیر بیٹھتا' پھر شاپنگ کے سلسلے میں اماں کی اجازت سے' اسے اپنے ساتھ لے جاتا۔ وہ ہر چیز اس کی پسند سے خرید رہا تھا۔ اور شہر کے اچھے علاقے میں اس کے لیے ایک اپارٹمنٹ بھی لے لیا تھا اور اماں جو شروع دنوں میں کچھ اندیشوں میں گھری رہتی تھیں' اب وہ بھی کسی حد تک مطمئن نظر آتی تھیں۔ اس روز وہ اس کے ساتھ شاپنگ کر کے لوٹی تو اماں کے ساتھ خالہ اماں اور جواد بیٹھے نظر آئے۔ اس کے ہاتھوں میں چھوٹے بڑے بہت سے پیکٹ تھے۔ وہ خالہ اماں کو سلام کر کے اندر چلی گئی۔ سارے پیکٹ الماری میں رکھ کر ارم سے پوچھنے لگی۔

''خالہ اماں کب آئیں؟''

''بہت دیر سے آئی ہوئی ہیں۔'' ارم نے بتایا۔

''اماں نے انہیں ثاقب کے بارے میں بتایا؟''

''ہاں!''

''پھر کیا کہا انہوں نے؟''

''کیا انہیں کچھ کہنا چاہیے تھا!'' ارم اُلٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''ظاہر ہے' کچھ نہ کچھ تو ضرور کہا ہوگا۔''

''کچھ نہیں آپا۔ بس چپ سی ہوگئی تھیں البتہ جواد بھائی کو یقین نہیں آ رہا۔''

''کیوں؟''

''پتہ نہیں۔ انہوں نے باقاعدہ مجھ سے تصدیق کی اور میرا خیال ہے' ابھی تک غیر یقینی کی کیفیت میں ہیں۔''

''چھوڑو! ہمیں کیا۔'' وہ بیزاری سے کہہ کر اپنی سینڈل اُتارنے لگی۔

''آپا!'' ارم اس کے پاس آئی۔

''ویسے تو ثاقب بھائی ہر لحاظ سے جواد بھائی سے بہتر ہیں' پھر بھی مجھے جواد بھائی پر افسوس ہو رہا ہے۔ پتہ نہیں بے چارے کب سے تمہاری آس لگائے بیٹھے تھے۔''

''ارم!'' اس نے تنبیہی نظروں سے گھورا تو ارم اُٹھتے ہوئے بولی۔

''چلو! اب خالہ اماں کے پاس تو چل کر بیٹھو ورنہ پتہ نہیں وہ کیا سمجھیں گی۔''

''ہاں چلو!'' وہ ارم کے ساتھ اُٹھ کر باہر آ گئی۔ اماں ثاقب کے بارے میں ہی کچھ کہہ رہی تھیں۔ اس نے بیٹھتے ہی موضوع بدل دیا۔

''خالہ اماں! عفت وغیرہ کو بھی لے آتیں۔''

''عفی آنا تو چاہتی تھی لیکن کل شاید اس کا ٹیسٹ ہے' اس لیے رُک گئی۔ خیر اب کچھ دنوں کی بات ہے پھر آ کر رہے گی تمہارے پاس۔'' اس نے ان کا مطلب سمجھ کر سر جھکا لیا جبکہ اماں محبت سے کہنے لگیں۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں! اس کا اپنا گھر ہے اور پھر آسیہ تو کچھ دن کی مہمان ہے۔''

''اللہ نصیب اچھے کرے۔'' خالہ اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔ پھر جواد سے کہنے لگیں۔

''چلیں بیٹا!''

''کیوں خالہ اماں اتنی جلدی...... رات کا کھانا کھا کر جائیے گا۔''

''نہیں بیٹا! اب چلوں گی۔''

''آپا! ابھی تو میں نے آپ کو آسیہ کے کپڑے وغیرہ دکھانے ہیں۔ بیٹھیں آرام سے۔'' اماں نے زبردستی انہیں روک لیا۔ پھر ارم سے کہنے لگیں۔

''جاؤ ارم! تم بکس کھولو ہم آ رہے ہیں۔'' ارم اُٹھ کر اندر چلی گئی اور اس نے کچن کا رُخ کیا۔ پھر جب اماں اندر جا کر خالہ اماں کو اس کی چیزیں دکھانے میں مصروف ہوگئیں تو جواد

بہت خاموشی سے اس کے پاس چلا آیا۔ وہ اس کے دبے پاؤں آنے پر چونکی اور حیران بھی ہوئی لیکن حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔ مسکراتے ہوئے بولی۔

''چائے پیو گے؟''

''تمہارے آنے سے پہلے پی چکا ہوں۔ اگر بنا رہی ہو تو دوبارہ بھی پی لوں گا۔'' وہ اسٹول کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس نے خاموشی سے دو مگوں میں چائے ڈالی اور ایک اُٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''سنو!'' اس کے ہاتھ سے مگ لے کر بولا۔

''ثاقب سے شادی کا فیصلہ تم نے سوچ سمجھ کر کیا ہے؟'' اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس چپ چاپ اس کی طرف دیکھے گئی تو وہ خود ہی کہنے لگا۔

''ظاہر ہے تم نے سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہو گا۔ پھر بھی اگر تم مجھے پہلے سے بتا دیتیں تو میں ثاقب حسن کے بارے میں...''

''جواد.....!'' اس نے ٹوک دیا۔

''ہر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں ثاقب حسن کے بارے میں چھان بین کرتا۔ آخر کیوں.....؟ کیا خدشہ ہے تم سب کو؟''

''ایسے معاملوں میں خدشات تو جنم لیتے ہی ہیں۔''

''سب کے خدشے بے بنیاد ہیں۔ ثاقب حسن کوئی معمولی آدمی نہیں ہے اور میں خود دو سال سے اسے جانتی ہوں۔ کوئی بات ہوتی تو میری نظروں میں نہ آتی۔'' جس لہجے میں وہ بات کر رہی تھی اس سے جواد سمجھ گیا کہ وہ ثاقب حسن پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں سننا چاہے گی اور اگر کوئی غلطی سے بھی اس کے خلاف کوئی بات کرے گا تو وہ اس سے لڑ بیٹھے گی۔ اس لیے اس نے بھی خاموش ہو جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ لیکن دل ہی دل میں افسوس ضرور ہوا کہ زندگی کا اہم فیصلہ اس نے کسی سے کچھ کہے سنے بغیر ہی کر لیا۔

''تم شاید مائنڈ کر گئے۔'' وہ اس کی غیر معمولی خاموشی محسوس کر کے نرم پڑتی ہوئی بولی۔

''نہیں.....'' وہ خالی مگ ریک پر رکھ کر دوبارہ اسٹول پر جا بیٹھا۔

''دیکھو جواد! میں ثاقب حسن سے محبت کرتی ہوں اور کسی بھی طرح اس پر شبہ نہیں کرنا چاہتی۔ تم جانتے ہو ناں' شکوک و شبہات محبتوں کو فنا کر دیتے ہیں اور تم سب جب اس طرح کی باتیں کرتے ہو تو مجھے اپنے آپ پر اختیار نہیں رہتا۔'' قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

''بات صرف اتنی سی ہے کہ اس کے والدین نہ اس شادی کے حق میں ہیں اور نہ ہی شریک ہو رہے ہیں۔ اس سے ہٹ کر دیکھو تو وہ کیا نہیں کر رہا میرے لیے۔ سب سے بڑی بات کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پھر محض اس خیال سے کہ میں اپنے آپ کو غیر محفوظ نہ محسوس کروں' اپارٹمنٹ میرے نام سے خریدا ہے اور میرے نام سے بینک بیلنس۔ تم لوگ یہ سب کیوں نہیں دیکھتے۔'' وہ کیا کہتا' خاموش تو رہا ہی.....اس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکا۔

☆☆☆

پھر چند دن گزرتے پتہ بھی نہیں چلا اور وہ ثاقب حسن کے سنگ زندگی کے نئے سفر پر روانہ ہو گئی۔ حجلۂ عروسی میں اس کے برابر بیٹھا وہ ساری باتیں جو پہلے بھی اُسے سمجھا چکا تھا بلکہ ایک طرح سے طے کر چکا تھا' نئے سرے سے دُہرا رہا تھا۔

''تم جانتی ہو میری شادی کا علم میرے والدین کو نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ میں ہفتہ دس دن کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں اور اتنے ہی دن میں تمہارے ساتھ رہ سکوں گا۔ اس کے بعد جب تک میرے گھر والے راضی نہیں ہو جاتے' تم زبردستی مجھے پابند نہیں کرنا۔ البتہ دن میں کسی وقت میں تمہارے پاس آ جایا کروں گا۔ یہاں فون موجود ہے' تم جب چاہو آفس میں مجھے رنگ کر سکتی ہو۔'' اس نے اپنے حنائی ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ثاقی! میں تمہیں تنگ نہیں کروں گی۔''

''گڈ!'' وہ مسکرایا۔

''میں کوشش کروں گا کہ جلد تمہیں تمہارا اصل مقام مل جائے۔ یہ چھوٹا سا اپارٹمنٹ تمہارے شایانِ شان نہیں ہے۔ تمہیں تو اُس بڑے گھر میں ہونا چاہیے۔''

''مجھے تو یہ بھی اپنے تصور سے بڑھ کر لگ رہا ہے اور ایمانداری سے کہوں ثاقی! تم ساتھ ہو تو میرے لیے یہی جنت ہے۔'' وہ خلوص سے بولی تھی۔

اگلے دن وہ دونوں ہنی مون کے لیے مری سوات روانہ ہو گئے۔ اس کا کہنا تھا بعد میں جب حالات سیٹ ہو جائیں گے تو میں تمہیں پیرس یا سوئیٹزر لینڈ وغیرہ لے جاؤں گا۔ فی الحال اس چھوٹے سے ہنی مون پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں اور وہ اسی میں خوش تھی۔ اس کی سنگت میں گزرا ہر پل اس کے لیے حسین تھا۔ ایک ہفتے بعد جب وہ واپس آئی تو اس کی شان ہی نرالی تھی۔ اندرونی خوشیوں کا عکس اس کے چہرے پر پھوٹا پڑ رہا تھا کہ نظر ہی نہیں ٹھہرتی تھی۔ چہرہ شاداب اور ہونٹوں کی کلیاں مسلسل چٹکتی ہوئیں۔ اماں اس کی بلائیں لیتے نہ تھک رہی تھیں اور ارم بار بار اس کے بازو میں چٹکی کاٹتی۔

''آپا یہ ایک ہی ہفتے میں کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''ہٹو! نظر مت لگا دینا۔'' اماں ہر بار ارم کو ٹوکتیں اور اس کی جلترنگ بجاتی ہنسی تھی جس نے اماں کو سارے اندیشوں سے بھی نکال دیا۔

پھر وقت کو جیسے پر لگ گئے تھے۔ کتنے بہت سارے دن گزر گئے' اس کی زندگی میں ایک ٹھہراؤ آ گیا۔ اس کے معمولات کچھ یوں تھے: گھر کا کام وہ خود ہی کیا کرتی۔ ثاقب کے کہنے کے باوجود ملازمہ یوں نہیں رکھی کہ اس کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا اور وہ چھوٹے موٹے کاموں میں ہی اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتی۔ ثاقب کبھی روزانہ اور کبھی وقفے وقفے سے آفس سے واپسی پر کچھ دیر کے لیے اس کے پاس آتا۔ کبھی موڈ میں ہوتا تو کہیں گھمانے لے جاتا ورنہ گھر پر ہی کچھ وقت گزار کر چلا جاتا۔ اور کبھی وہ دوپہر کے کھانے پر بہت اصرار سے بلاتی تو آ جاتا ورنہ

مصروفیت کا بہانہ کر کے ٹال دیتا۔ شروع کے دس دنوں کے بعد وہ پھر کبھی رات میں نہیں رُکا تھا۔ وہ کوئی شکوہ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ صورتِ حال اس نے پہلے ہی واضح کر دی تھی۔ البتہ اُس وقت کا انتظار کر رہی تھی جب وہ اپنے والدین کو راضی کرے۔ کبھی کبھی اس سے پوچھ بھی لیتی کہ اسے اپنی کوششوں میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی اور کبھی تو وہ بہت حوصلہ افزا جواب دیتا اور کبھی سارے حوصلے توڑ دیتا۔ وہ بہرحال پُراُمید تھی۔ اور یہ اُمید یقیناً ثاقب کی محبتوں کے دم سے قائم تھی۔ وہ جتنی دیر اس کے پاس رہتا' اپنی محبتوں کا یقین دلاتا۔ اور وہ اب سے نہیں' بہت پہلے سے اس پر یقین رکھتی تھی جبھی تو کسی کی کوئی بات سُننے کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔

ثاقب کو اس کی تنہائی کا بھی خیال تھا۔ اس لیے ایک گاڑی اس کے تصرف میں دے دی تھی اور کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ جب چاہے اماں کے گھر یا کسی بھی عزیز کے ہاں آ جا سکتی تھی۔ ابتدائی مہینوں میں اس نے سوچا تھا' زندگی میں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے بھلا۔ سب کچھ تو ہے میرے پاس لیکن پھر رفتہ رفتہ احساس ہونے لگا کہ جس کے دم سے یہ سب چیزیں بھلی لگتی ہیں وہی نہیں ہے اور اس احساس کے ساتھ ہی ہر شے اپنی افادیت کھونے لگی۔ یہ تین کمروں کا اپارٹمنٹ' جو اس کی ذاتی ملکیت تھا...... ہر کمرہ جدید فرنیچر سے آراستہ۔ وال ٹو وال ایرانی قالین اور کھڑکیوں پر فرانسیسی طرز کے پردے...... اس کی وارڈ روبز قیمتی ملبوسات سے بھری تھیں۔ اس نے شاید یہی سب زندگی کا حاصل سمجھ لیا تھا۔ لیکن اب کسی شے میں کشش نظر نہیں آتی تھی۔ اور پھر اب تو ہر کوئی سوال کرنے لگا تھا۔

''آخر کب تک تنہا رہو گی......؟''

''ثاقب حسن اگر اپنے والدین کو راضی نہیں کر سکا تو اسے تمہیں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ تم اس کی بیوی ہو۔''

وہ کس کس کو جواب دیتی اور کیا کہتی۔ خود اسے معلوم نہیں تھا کہ ایسا کب تک ہو گا۔ جب تک اس قسم کے سوال صرف عزیز رشتہ داروں کی طرف ہوتے رہے تب تک اس نے کوئی

خاص توجہ نہیں دی کیونکہ سب ہی اس کا مسئلہ جانتے تھے۔ وہ صرف اتنا کہہ دیتی کہ ثاقب کوشش کر رہے ہیں اور بس۔ لیکن جب آس پاس رہنے والے لوگ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے تب وہ نظر انداز نہیں کر سکی۔ وہ سب کے سامنے اپنی داستان نہیں دُہرا سکتی تھی۔ اس سے اس کی اپنی پوزیشن خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔ زیادہ تر لوگ یہی کہتے' امیر لڑکا دیکھ کر پھانس لیا۔ اور وہ کسی کی زبان نہیں پکڑ سکتی تھی۔ اور پھر ثاقب کا صرف گھنٹہ دو کے لیے آنا بھی اسے لوگوں کی نظروں میں مشتبہ بنا رہا تھا۔ آس پاس سے آنے والی خواتین خاص طور پر اسے کُریدنے لگی تھیں۔

''کیا کرتے ہیں آپ کے شوہر......؟''

''کبھی نظر نہیں آتے......!''

''چھٹی کے دن بھی کبھی نہیں دیکھا۔''

اس قسم کے اور بہت سارے سوالات تھے جن کے جواب دیتے دیتے وہ تھکنے لگی تھی۔

ثاقب سے کہا تو اس نے ہمیشہ کی طرح حوصلہ دیتے ہوئے مخصوص جملہ کہا۔

''میری جان! بس کچھ دن اور......''

ہو سکتا ہے وہ کچھ دن تو کیا ایک لمبا عرصہ اس قسم کی صورتِ حال برداشت کر لیتی لیکن اس روز وہ اماں کے گھر جانے کے لیے تیار ہو کر نکلی تو نیچے جب وہ اپنی گاڑی کا لاک کھول رہی تھی تو قریب سے گزرتے ہوئے دو لڑکوں نے اس پر بڑے غلط قسم کے ریمارکس پاس کیے۔ اس کا پورا بدن سُن ہو کر رہ گیا اور کتنی دیر تک وہ وہیں کھڑی انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ کچھ دور جا کر وہ لڑکے دوبارہ پلٹے۔ ان کے چہروں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی اور یقیناً وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کا ارادہ بھانپ کر ہی اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ پھر تمام راستہ اس کے ذہن پر ان کے جملے ہتھوڑے کی طرح برستے رہے تھے۔ اس نے لاکھ دھیان ہٹانے کی کوشش کی لیکن کسی طرح کامیابی نہیں ہوئی۔

''کیا بات ہے؟'' اماں اس کی اُتری ہوئی شکل دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ اس کا دل چاہا' ان

کی آغوش میں سما جائے لیکن ابھی تو پہلا ہی مرحلہ تھا اور آگے نہ جانے کتنے مراحل طے کرنے تھے۔ اور پھر اُس نے خود ہی تو کہا تھا کہ اگر کوئی مسئلہ ہوا بھی تو وہ خود ہی سنبھال لے گی۔

''بس اماں! صبح ہی سے طبیعت گھبرا رہی تھی۔ آپ کے پاس چلی آئی۔'' اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

''اچھا کیا جو آ گئیں۔ میں تمہیں بلوانے ہی والی تھی۔''

''خیریت!'' پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''اِرم کہاں ہے؟''

''پڑوس میں گئی ہے ابھی آتی ہوگی۔'' اماں اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ پھر کہنے لگیں۔

''اِرم کے لیے ایک دو جگہ سے پیغام آئے ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم اور سعد یہ جا کر ذرا ان کے گھر بار دیکھ آؤ۔''

''کون لوگ ہیں؟''

اس نے پوچھا تو اماں تفصیل بتانے لگیں۔ وہ پوری توجہ سے ان کی بات سننے لگی۔ پھر ان سب باتوں میں اِرم آ گئی تو اس کے ساتھ گپ شپ کرتے ہوئے وہ کافی حد تک بہل گئی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد اِرم نے اس سے خالہ اماں کے گھر چلنے کے لیے کہا۔

''آپا! میں تو کہیں آتی جاتی ہی نہیں۔ چلو ناں گھنٹے دو گھنٹے میں آ جائیں گے۔'' اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن جب اماں نے بھی کہا کہ ہو آؤ' تمہاری خالہ اماں کئی بار تمہارا پوچھ چکی ہیں تو مجبوراً اسے اُٹھنا پڑا۔

خالہ اماں کے گھر سب لوگ اسی طرح محبت سے ملے اور نہ آنے کا شکوہ کیا۔

''آسیہ باجی! ایسی کوئی خاص مصروفیات بھی نہیں ہیں آپ کی اور پھر سارا دن اکیلی بھی ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی آ جایا کریں ناں۔'' عفت کہنے لگی اور وہ ابھی کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ خالہ اماں بول پڑیں۔

''ارے ہاں آسیہ! ثاقب کے گھر والوں کا کیا ہوا۔ تمہارے پاس آنا جانا شروع کیا کہ نہیں۔''

''ابھی تو نہیں خالہ اماں.....'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''عجیب لوگ ہیں' میں تو کہتی ہوں تم خود ہی کسی دن چلی جاؤ۔''

''میں.....'' وہ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''ہاں! اس میں کیا بُرائی ہے۔ شادی کی ہے ثاقب نے تم سے' کوئی بھگا کر تو نہیں لے گیا اور پھر بیٹا! اپنی جگہ خود بنانی پڑتی ہے۔ ان کے قریب رہو گی' خدمت کرو گی تو خود ہی ان کے دل نرم پڑ جائیں گے۔''

''لیکن خالہ اماں! ابھی تو انہیں پتہ بھی نہیں ہے کہ ثاقب نے شادی کی ہے۔''

''ہائیں! سال بھر ہونے کو آیا ہے اور ابھی تک ثاقب نے انہیں بتایا بھی نہیں۔ بیٹا! تم میاں سے کہو ناں۔ اس طرح کب تک رہو گی۔ کیا تمہارے آس پڑوس والے باتیں نہیں بناتے کہ میاں کے ہوتے ہوئے اکیلی رہتی ہو۔'' اسے ایک دم صبح کا واقعہ یاد آ گیا اور وہ چُپ چاپ خالہ اماں کی طرف دیکھے گئی۔

''میں تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں بیٹی! ثاقب سے کہو' گھر والوں کو نہیں بتانا تو نہ بتائے لیکن تمہیں پورا وقت دے۔ تمہارا حق ہے اس پر۔ اگر کل کلاں کو خدانخواستہ کوئی بات ہو گئی تو کس کس کا منہ بند کرو گی؟''

خالہ اماں غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ باتیں تو شروع ہو ہی چکی تھیں اور اگلا مرحلہ الزامات کا تھا۔ وہ کہاں تک یہ سب کچھ سہہ سکے گی۔ ثاقب اگر بالکل بھی اس کے پاس نہ آتا تو وہ کہہ سکتی تھی کہ اس کا میاں کہیں باہر ہے۔ اس کا گھنٹہ دو گھنٹہ آنا ہی لوگوں کو شبہے میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ دل پر بوجھ لیے خالہ اماں کے گھر سے نکل رہی تھی کہ جواد سے سامنا ہو گیا۔

''ارے! تمہیں میرے گھر کا راستہ یاد تھا۔'' اس نے بظاہر خوشدلی سے کہا لیکن لہجے

میں چھپے شکوے وہ محسوس کر گئی۔

''کیوں! تمہیں آنا منع ہے۔''

''منع تو نہیں ہے لیکن میں جان بوجھ کر تمہارے گھر آنے سے گریز کرتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''اصل میں تم اکیلی رہتی ہو اور ثاقب کا کچھ پتہ نہیں' کب گھر پر ہوں کب نہ ہوں۔ اس لیے یہ مناسب نہیں لگتا۔'' اس کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا اس لیے خدا حافظ کہہ کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

اگلے دن اس نے ثاقب کو بہت اصرار سے دوپہر کے کھانے پر بلایا اور حسبِ سابق جب وہ کھانا کھاتے ہی جانے کی بات کرنے لگا تو اس کے راستے میں آ گئی۔

''تم اس وقت نہیں جاؤ گے۔''

''کیسی بات کر رہی ہو؟ میں اتنے ضروری کام چھوڑ کر آیا ہوں۔'' وہ عجلت ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے بھی تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' اس کے سرد لہجے پر وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''آفس فون کر کے کہہ دو کہ تم اس وقت نہیں آؤ گے اور اپنے ضروری کام کسی اور کے سپرد کر دو۔'' وہ منع کرنا چاہتا تھا بلکہ اسے سامنے سے دھکیل کر نکل جانا چاہتا تھا لیکن وہ ہمیشہ سے بہت مختلف نظر آ رہی تھی جیسے اگر وہ اس کی بات نہیں مانے گا تو وہ اس کے پیچھے چلی آئے گی۔ آخری کوشش کے طور پر بولا۔

''میں شام میں آ جاؤں گا۔''

''نہیں! تم اس وقت نہیں جاؤ گے۔''

''او کے!'' اس نے ہتھیار ڈالے اور جوتے اُتار کر بیڈ پر گر گیا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی

کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر فون اُٹھا کر اس کے پاس لے آئی۔

''جو ضروری کام چھوڑ کر آئے ہو وہ منیجر کو بتا دو۔'' وہ اس کے ہاتھ سے فون لے کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ہیلو! میں ثاقب!'' پتہ نہیں دوسری طرف سے بات کاٹی گئی تھی یا کیا تھا کہ اس نے ایک دم خاموش ہو کر نچلا ہونٹ دبا لیا اور دزدیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بڑی دیر بعد بولا۔

''میں اس وقت نہیں آ سکوں گا۔''

''نہیں! ایک ضروری میٹنگ ہے۔ او کے سی یو!''

ریسیور رکھ کر فون اس کی طرف بڑھا دیا اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''سنو! اب کسی غیر ضروری کام میں مت اُلجھ جانا' میرے پاس آ کر بیٹھو۔'' وہ فون رکھ کر آئی تو وہ تکیے کے سہارے نیم دراز سگریٹ سلگا رہا تھا۔ وہ چکر کاٹ کر دوسری طرف سے اس کے پاس آ بیٹھی۔

''کہو! کیا ضروری باتیں کرنی ہیں تمہیں۔'' وہ خود ہی اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''ثاقب! میں اب اس طرح اکیلی نہیں رہ سکتی۔''

''میں نے تو پہلے ہی دن کہا تھا کہ کسی ایسی خاتون کا انتظام کر دیتا ہوں جو مستقل تمہارے پاس رہ سکے۔''

''خاتون کے رہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔'' دبے دبے لہجے میں احتجاج تھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ لوگ باتیں بنانے لگے ہیں۔ سب مجھ سے تمہاری بابت سوال کرتے ہیں اور اب تو سب اس طرح دیکھتے ہیں جیسے میں تمہاری بیوی نہیں کوئی......''

''آسی!'' اس نے ٹوک دیا۔

''میں غلط نہیں کہہ رہی۔ خود ہی سوچو! ایک سال ہونے کو آیا ہے اور تم ابھی تک مہمانوں کی طرح میرے پاس آتے ہو۔ آخر اب تک تم نے اپنے والدین کو شادی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔''

''میں مناسب وقت کے انتظار میں ہوں۔''

''کب آئے گا وہ مناسب وقت اور آخر تمہیں کس بات کا خدشہ ہے۔ کیا وہ تمہیں گھر سے نکال دیں گے تو ایسی صورت میں تمہارا یہ گھر موجود ہے۔ ویسے بھی شادی کے بعد انسان اپنی الگ زندگی شروع کرتا ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے آسیہ! تم سمجھتیں کیوں نہیں۔''

''کیا سمجھانا چاہتے ہو تم مجھے۔''

''دیکھو! میں تمہیں اسی گھر میں لے جانا چاہتا ہوں' پوری عزت اور شان کے ساتھ۔ بس کچھ وقت انتظار کرو۔'' قدرے توقف کے بعد کہنے لگا۔

''اس میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ میں وہاں سے نکل کر یہاں چلا آؤں۔ ظاہر ہے یہ بھی میرا گھر ہے اور میرا اپنا الگ بزنس ہے۔ یقیناً مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہو گی لیکن اس طرح میں تمہیں تمہارا مقام کبھی نہیں دلا سکوں گا۔''

''تم مجھے میرا جائز مقام دے دو' میرے لیے یہی بہت ہوگا۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں چاہیے مجھے۔''

''اچھا! موڈ ٹھیک کرو' میں جلد ہی کچھ کروں گا بلکہ سب ٹھیک کر لوں گا۔'' پھر وہ اپنے لہجے میں محبتیں سمو کر بہت جلد اسے منانے میں کامیاب ہو گیا۔

کچھ دن سُرعت سے گزر گئے اور ثاقب حسن محض اس خیال سے کہ وہ دوبارہ اس مسئلے کو نہ چھیڑ دے' پہلے سے زیادہ وقت اسے دینے لگا۔ دوپہر کے کھانے پر روزانہ اس کے کہے بنا ہی

آجاتا اور شام میں آفس سے واپسی پر بھی اِدھر آتا اور بجائے عجلت دکھانے کے اسے ساتھ لے کر کہیں نہ کہیں گھمانے لے جاتا۔ رات کا کھانا اس کے ساتھ باہر ہی کھاتا۔ پھر اسے گھر چھوڑ کر چلا جاتا۔ کبھی کبھی جب زیادہ دیر ہو جاتی تو وہ اس کے پاس رُک جاتا۔ وہ اسی میں خوش ہو گئی تھی اور کافی حد تک مطمئن بھی۔

اس دوپہر وہ دونوں بڑے خوشگوار موڈ میں کھانا کھا رہے تھے، جب اچانک وہ اُٹھ کر باتھ روم کی طرف بھاگی۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھتا رہا، پھر ایک دم اُٹھ کر اس کے پیچھے بھاگا۔ وہ واش بیسن پر جھکی ہوئی تھی۔ اس نے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔ وہ جب سیدھی ہوئی تو اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اور کچھ نڈھال بھی نظر آ رہی تھی۔ وہ اسے سہارا دے کر کمرے میں لے آیا اور بیڈ پر لٹا کر پوچھنے لگا۔

''کب سے طبیعت خراب ہے؟''

''پچھلے کئی دنوں سے میں بڑا عجیب سا محسوس کر رہی ہوں۔''

''ڈاکٹر کو دکھایا؟''

''نہیں۔''

''عجیب بے وقوف لڑکی ہو۔ چلو ابھی چلو!''

''لیکن اب تو میں ٹھیک ہوں۔''

''پھر بھی چلو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھانے لگا۔

''شام میں......''

''نہیں ابھی۔'' وہ اس کا کوئی عذر سُننے پر تیار نہیں ہوا۔ اور اسی وقت اسے ایک گائناکولوجسٹ کے پاس لے گیا جہاں اُسے خوشخبری سننے کو ملی کہ وہ باپ بننے والا ہے۔

''آس! میں بہت دنوں سے اس خوشخبری کا منتظر تھا۔'' گھر واپسی پر اس کے ہاتھ تھام کر کہہ رہا تھا۔

''تم پلیز اپنا بہت خیال رکھنا اور سُنو اب میں کسی خاتون کا انتظام کر رہا ہوں۔ تم خود سے کوئی کام مت کرنا۔ سمجھیں!'' وہ شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتی گئی۔

پھر جب تک کسی خاتون کا انتظام نہیں ہو گیا، اس نے اسے اماں کے گھر چھوڑ دیا۔ دن میں کسی وقت اس کے پاس آجاتا۔ اور ڈاکٹر کے پاس بھی خود ہی لے کر جاتا تھا۔ کوئی ہفتہ بھر اماں کے پاس رہ کر وہ دوبارہ اپنے گھر آگئی۔ وہ اس کے لیے ملازمہ کا انتظام کر چکا تھا۔ پھر بھی بار بار اسے تاکید کی کہ وہ کوئی کام نہیں کرے گی۔ آفس میں ہوتا تو کئی بار فون کر کے اس کی خیریت دریافت کرتا۔

''اوہو! آخر تم اتنے پریشان کیوں ہو؟'' طبیعت کی خرابی کے باعث اس کا مزاج ویسے ہی چڑچڑا ہو رہا تھا۔ اس دن اس کے بار بار فون کرنے پر جھنجھلا گئی۔

''کمال ہے! ایک تو میں تمہاری خیریت دریافت کر رہا ہوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے بار بار میری خیریت پوچھنے کی۔'' اس نے کھٹاک سے فون رکھ دیا اور کچھ دیر بعد ہی وہ خود چلا آیا۔ وہ اسے دیکھ کر پہلے حیران ہوئی پھر ہنس پڑی جبکہ وہ ثانی سے پوچھ رہا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟''

''بالکل ٹھیک ہوں۔ آخر تم میری اتنی فکر کیوں کرنے لگے ہو؟''

''میں فکر نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟''

''لیکن مجھے کوئی بیماری نہیں ہے جو تم......''

''اللہ نہ کرے......ایسی باتیں منہ سے مت نکالو۔'' اس نے فوراً ٹوک دیا۔

''اچھی باتیں کرو اور خوش باش رہا کرو۔''

''میں خوش رہتی ہوں ثانی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''تمہاری اتنی محبتیں پا کر میں خوش نہیں رہوں گی کیا اور پتہ ہے میں اپنے آپ پر رشک

کرتی ہوں۔'' وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تو وہ کہنے لگی۔

''ثاقی میں سوچتی ہوں جب ہمارا بچہ ہوگا تو ہم اسے لے کر ایک دم تمہارے ممی ڈیڈی کے سامنے جا کھڑے ہوں گے۔''

''ہیں!'' وہ چونکا۔

''ہاں ثاقی! میرا خیال ہے اگر انہوں نے خفا ہونا بھی ہوگا تو بچے کو دیکھ کر ان کی ساری خفگی دور ہو جائے گی۔ ہے ناں!'' وہ اس کا بازو ہلا کر پوچھنے لگی۔

''ہاں! میں نے بھی یہی سوچا ہے۔'' وہ رُک رُک کر بولا جبکہ وہ خوش ہوگئی تھی۔

☆☆☆

ارم کی شادی میں بس کچھ دن ہی رہ گئے تھے۔ اماں نے اسے بلوا بھیجا۔ اس نے ثاقب سے کہا تو وہ خود ہی اسے لے کر اماں کے گھر گیا۔ وہاں سعدیہ آپا اپنے بچوں سمیت پہلے ہی موجود تھیں۔ اماں نے کہا۔ ''شادی تک تم دونوں بہنیں یہیں رہنا۔''

''تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی۔'' وہ اماں کی بات سن کر فوراً اس سے پوچھنے لگا۔

''تکلیف کیسی.....؟''

''بھئی شادی کا گھر ہے' سب لوگوں کا آنا جانا رہے گا۔ تم ڈسٹرب ہوگی۔''

''نہیں! میرا خیال ہے میں انجوائے کروں گی۔''

''اچھا! لیکن پلیز اپنا خیال رکھنا۔''

''فکر مت کرو۔ ہم بھی اس کا خیال رکھیں گے۔'' سعدیہ آپا نے کہا تو وہ پورا ان کی طرف گھوم گیا۔

''ہاں! اسے کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ اور دیکھیں یہ کھانا بالکل نہیں کھاتی۔ زبردستی کھلانا پڑتا ہے اور دوا تو.....''

''بھئی ہم سب کھلا دیں گے۔'' سعدیہ آپا ہنستی ہوئی بولیں تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کر رہی تھی۔

پھر جب تک وہ اماں کے گھر رہی۔ وہ وقت بے وقت چلا آتا۔ اور آتے ہی کسی کی موجودگی کا خیال کیے بغیر اس سے سوال پر سوال کیے جاتا۔

''تم نے کھانا کھایا؟ دوا پی' پھل وغیرہ۔ مجھے کچھ کمزور لگ رہی ہو۔ چلو تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں.....''

وہ جھینپ جاتی اور اماں مسکرا کر ایک ایک کی طرف دیکھتیں۔ ان کی مسکراہٹ میں اطمینان ہوتا تھا اور یہ اطمینان کی بات تو تھی کہ اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔

ارم رخصت ہو کر چلی گئی تو اماں ایک دم تنہا ہوگئیں۔ انہوں نے چاہا کہ ابھی سعدیہ آپا اور وہ کچھ دن ان کے پاس رہیں لیکن سعدیہ آپا کے بچوں کا مسئلہ تھا۔ اس لیے وہ رُک نہ سکیں اور اسے ثاقب نہیں رُکنے دے رہا تھا۔

''بس اب گھر چلو!'' اس کی ایک ہی رٹ تھی۔ وہ مجبور ہوگئی اور اماں نے بھی زیادہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''کیا تھا جو مجھے دو چار دن اور وہاں رہنے دیتے۔'' گھر آتے ہی وہ اس سے اُلجھ پڑی۔

''اتنے دن رہ تو لیا اور بالآخر تمہیں وہیں جانا ہے۔'' وہ اپنی ہی دُھن میں کہہ گیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ اس کی بات پر چونک گئی۔

''میرا مطلب ہے تمہاری اماں کا گھر ہے۔ آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔'' وہ بات سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔

''ابھی تو آئی ہو۔ دو دن بعد پھر کہو گی اماں کے گھر جانا ہے۔ پھر وہاں رُکنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''دیکھوناں! اماں بالکل اکیلی ہوگئی ہیں۔''

''ظاہر ہے انہیں اکیلا تو ہونا ہی تھا۔ بیٹیاں ہمیشہ تو ساتھ نہیں رہتیں۔ اور پھر تمہیں زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارم کا سسرال قریب ہی ہے۔ دن میں ایک آدھ چکر لگا لیا کرے گی۔''

''ہاں! یہ اچھا ہے کہ وہ اماں کے قریب ہی ہے۔'' اسے بھی یہ سوچ کر اطمینان ہوا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ان دنوں اس کا سراپا خاصا بے ہنگم ہو رہا تھا۔ اپنے بوجھل وجود کے ساتھ وہ خاصی بے زاری رہنے لگی تھی۔ باہر نکلنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ شام میں وہ آتا تو زبردستی کہیں لے جاتا ورنہ خود سے کہیں نہیں جاتی تھی۔ اس روز صبح اُٹھی تو طبیعت میں خاصی بے چینی تھی۔ پھر گھبراہٹ بھی شروع ہوگئی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر سوچا ثاقب کو فون کر کے بلائے تاکہ اس کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا سکے اور ابھی اس کے نمبر ڈائل کر رہی تھی کہ خالہ اماں اور جواد آگئے۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتی ہوئی انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ ملازمہ کو وہیں بلا کر چائے کے لیے کہا۔ پھر خالہ اماں سے کہنے لگی۔

''آج کیسے آپ کا دل چاہا میرے پاس آنے کو؟''

''بیٹا! عفت کی شادی طے کر رہی ہوں۔ سوچا پہلے تم سے پوچھ لوں۔''

''مجھ سے......!'' وہ واقعی حیران ہوئی۔

''ہاں! تم جو تاریخ بتاؤ گی وہی ہم طے کریں گے۔''

''لیکن خالہ اماں! میں کیا بتاؤں؟''

''بیٹا! میرا مطلب ہے کہ تم کب تک بچے سے فارغ ہو جاؤ گی۔ ہم اس کے بعد ہی کی تاریخ رکھیں تاکہ تم اس خوشی میں ڈھنگ سے شریک ہو سکو۔''

''میرے خدا!'' خالہ اماں نے جواد کی موجودگی میں ہی صورتِ حال واضح کر دی کہ وہ سر جھکا کر اپنی کم عقلی پر ماتم کرنے لگی۔ کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا' وہ اس کا البم دیکھنے میں

مصروف تھا۔ پھر سرگوشی میں بولی۔

''خالہ اماں! اگلے مہینے کی کوئی تاریخ دے دیں۔''

''تم فارغ ہو جاؤ گی؟'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ملازمہ کو آواز دینے لگی۔

چائے کے دوران خالہ اماں ثاقب کی تعریف کرنے لگیں۔

''ماشاءاللہ! بہت اچھا ہے تمہارا میاں۔ ارم کی شادی میں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بہت نیک اور سعادتمند ہے۔ جس طرح تمہارے ناز اُٹھا رہا تھا' اس سے تو سب یہی تمنا کر رہے تھے کہ اللہ سب کی بیٹیوں کے نصیب تمہارے جیسے کرے۔''

''بس کریں اماں!'' جواد کے ٹوکنے پر وہ ہنس پڑی۔

''جل گئے!''

''میں کیوں جلوں گا۔''

''پھر تم سے ثاقب کی تعریف برداشت کیوں نہیں ہوئی۔'' وہ شرارت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں کچھ کہوں گا تو تم بُرا مان جاؤ گی۔''

''قطعی برا نہیں مانوں گی۔'' وہ اسی طرح مسکراتی ہوئی بولی۔

''تو پھر صرف اتنا کہوں گا کہ تم سب کو بندوں کی پہچان ہی نہیں ہے۔''

''اچھا!'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''تمہیں تو ہے۔''

''ہاں! مجھے ہے اور کبھی وقت آنے پر تمہیں بھی پہچان کرا دوں گا۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''چلیں اماں! ابھی بازار بھی جانا ہے۔''

''نہیں خالہ اماں! ابھی بیٹھیں۔'' اس نے زبردستی روکنا چاہا لیکن خالہ اماں کو کیونکہ اور

بھی کام تھے اس لیے وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بس بیٹا! پھر کبھی فرصت سے آ جاؤں گی۔''

''اچھا رُکیں تو۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

''بازار جاؤ گی۔''

''نہیں' مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔''

''لیکن میں تو اماں کو موٹر سائیکل پر لے کر آیا ہوں۔'' جواد نے کہا تو وہ رُک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''میرا مطلب ہے تم ہمارے ساتھ کیسے جاؤ گی؟''

''میں تمہارے ساتھ صرف نیچے تک جاؤں گی۔ آگے تو پھر گاڑی ہے میرے پاس۔''

''اچھا اچھا...... چلو پھر۔'' وہ سر کھجاتا ہوا بولا تو وہ ملازمہ سے کہہ کر خالہ اماں کے ساتھ باہر نکل آئی۔ پھر کچھ دور تک وہ گاڑی اس کی موٹر سائیکل کے ساتھ ڈرائیو کرتی رہی۔ جب اس کا راستہ الگ ہوا تو ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی موڑ لی۔

ڈاکٹر کے پاس اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔ چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ایکسر سائز کے طور پر گھر کے کچھ کام خود ہی کیا کرے۔ اس سے کسی بڑی پریشانی سے بچ جائے گی اور میڈیسن میں صرف fefol جاری رکھنے کو کہا۔ جس وقت وہ کلینک سے نکلی' بارہ بج چکے تھے۔ ثاقب ایک بجے تک کھانے کے لیے آتا تھا۔ اس لیے اس نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ درمیانی اسپیڈ پر گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑاتی رہی۔ ایک جگہ سگنل پر رُکی تو دائیں جانب دیکھتے ہوئے اس کی نظر ثاقب پر پڑی۔ پکارنا چاہتی تھی کہ اس کے برابر کسی اور کا احساس ہوا۔ اسٹیرنگ پر آگے جھک کر ثاقب کے برابر نظر ڈالی تو لمحے بھر کو اسے یقین نہیں آیا۔ وہ کوئی لڑکی تھی اور لڑکی بھی بے حد حسین۔ اس کی سنہری رنگت' شیشے میں سے آتی دھوپ میں چمک رہی تھی۔ اس پر گھنے' سیاہ بال اور اسی طرح گھنی سیاہ پلکیں' اس کے حسن میں اضافہ کر رہی تھیں۔ اسے ثاقب حسن پر اندھا

اعتماد تھا اس لیے فوری طور پر اس کے دل میں شک نے گھر نہیں کیا بلکہ وہ قیاس کرنے لگی۔ سگنل ہو چکا تھا' گاڑیوں کے ہارن نے اسے چونکایا تو اس نے سیدھے ہو کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ تمام راستہ اور گھر آ کر بھی وہ قیاس کرتی رہی۔ کون ہو سکتی ہے۔

ثاقب مقررہ وقت سے کچھ لیٹ آیا۔ اس نے اس کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس لیے جلدی سے ملازمہ کو آواز دے کر کھانا لگانے کے لیے کہا۔

''سوری یار!'' وہ کہنے لگا۔ ''میں کچھ لیٹ ہو گیا۔ اصل میں ایک دوست بیمار تھا' اسے دیکھنے ہاسپٹل چلا گیا۔ پھر واپسی میں اس کی مسز کو بھی ڈراپ کرنا پڑا۔''

دوست کی مسز...... اس نے سوچا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ''میں نے شکوہ تو نہیں کیا۔''

''لیکن مجھے تمہارا خیال رہا' تمہیں کھانا کھا لینا چاہیے تھا۔''

''گزشتہ کئی مہینوں سے تمہارے ساتھ کھانے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ اکیلے کھانے کو دل ہی نہیں چاہا۔ خیر چلو! کھانا لگ چکا ہے۔''

''چلو!'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ڈائننگ روم کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆

اس نے بیٹے کو جنم دے کر جہاں ماں ہونے کا اعزاز حاصل کیا وہاں ثاقب حسن کی دیوانی محبتوں اور شدتوں کو بھی پایا۔ وہ بے پناہ خوش تھا اور خوشی کا اظہار مختلف طریقوں سے کر رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے بچے اتنے پسند ہیں کیونکہ اس نے کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن اب وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی بچے کے پاس سے نہیں ہٹتا تھا۔ جتنی دیر اس کے پاس رہتا' بچے کے آس پاس منڈلاتا رہتا۔ اسے گود میں بھی لینا چاہتا تھا لیکن وہ منع کر دیتی۔

''ابھی بہت چھوٹا ہے۔ تم پتہ نہیں کیسے اُٹھاؤ گے۔''

''پھر میں کب اسے اُٹھا سکوں گا؟'' وہ بے تابی سے پوچھتا۔

''جب اس کی گردن اپنی جگہ پر سیٹ ہو جائے گی۔''

"اچھا تو اسے میرے پاس لٹا دو۔"

"ہاں! یہ ہو سکتا ہے۔" وہ بچے کو اس کے پہلو میں لٹا دیتی تو وہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھتا رہتا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہتا۔

"تم بھی یہاں بیٹھ جاؤ ناں!

"میں کیا کروں گی بیٹھ کر۔ تمہیں تو میری طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں۔"

"ارے! تم تو میرے ہر احساس پر چھائی ہو۔ تمہیں دیکھنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ میں نظریں تم پر جماؤں۔ اس بچے میں بھی تمہاری تشبیہ ہے۔"

"اچھا!" وہ مسکرائی۔

"مجھے تو یہ تمہاری طرح لگتا ہے۔"

"میرا خیال ہے، ہم دونوں کی طرح ہے۔"

اور جب وہ جانے لگتا تو اس کے ہر انداز سے ظاہر ہوتا کہ جیسے وہ جانا ہی نہیں چاہتا۔ کئی بار دروازے تک جا کر پلٹ آتا اور سوئے ہوئے بچے پر جھک جاتا۔

"میرے خدا! بس بھی کرو۔ اُٹھ جائے گا۔" وہ اسے دھکیل دیتی۔

چھٹی کا دن تھا۔ اس کا ارادہ ماں کے پاس جانے کا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اس نے بیگ میں بچے کی چیزیں رکھیں اور خود جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔ پھر جب وہ ملازمہ سے کہہ کر بچے کو لے کر نکل رہی تھی کہ ثاقب آ گیا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" وہ پوچھنے لگا۔

"اماں کے پاس جا رہی تھی۔ خیر اب تو تم آ گئے ہو۔"

"نہیں نہیں! چلو میں بھی چلتا ہوں۔"

وہ بیگ اسے تھما کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ اماں اکیلی تھیں، اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ بچے کا حال احوال پوچھا۔ پھر ثاقب کے خیال سے فوراً چائے بنانے چلی گئیں۔

"ارے یہ اماں کس کام میں اُلجھ گئیں۔" وہ اسے بچے کا خیال رکھنے کا کہہ کر اماں کے پیچھے کچن میں چلی آئی۔

"اماں ہم کوئی مہمان تھوڑی ہیں اور پھر چائے کی ضرورت ہو گی تو میں خود بنا لوں گی۔"

"بیٹا! ثاقب آیا ہے ناں۔"

"تو کیا ہوا۔ چلیے، میں بنا دیتی ہوں۔" وہ انہیں ہٹا کر خود چولہے کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"بیٹا!" اماں اپنی آواز دھیمی کرتے ہوئے بولیں۔

"اب تو خیر سے تمہاری گود بھی بھر گئی ہے، ثاقب سے کہو، اپنے ماں باپ سے بات کرے۔"

"میرا خیال ہے اماں! اب مجھے اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں......؟"

"اس لیے اماں کہ ثاقب بچے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے اس کی خاطر جلد ہی کوئی قدم اٹھائیں گے۔"

"ہاں بیٹا! اب وہ تمہیں اپنے گھر ہی لے جائے تو اچھا ہے۔ لڑکیاں چاہے ساس سسر کے ساتھ رہیں یا نہ رہیں۔ لیکن ان کی عزت سسرال کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔"

"میں تو خود وہاں جانا چاہتی ہوں۔ بس آپ دعا کریں، سب ٹھیک ہو جائے۔"

"اللہ بہتر کرے گا۔" اماں نے کہا اور وہ ٹرے اُٹھا کر انہیں اندر چلنے کے لیے کہنے لگی۔

چائے لے کر اندر آئی تو وہ بچے کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"یہ تمہاری شکایت کر رہا ہے۔"

"اچھا!" وہ ہنسی۔

"ذرا بتاؤ تو کیا کہہ رہا ہے۔"

''کہہ رہا ہے تم اس کا خیال نہیں رکھتیں۔''

''تمہارا خیال تو رکھتی ہوں ناں...... ! چائے پیو۔'' وہ ٹرے اس کے آگے کرتے ہوئے بولی تو اس نے ایک کپ اُٹھالیا۔ پھر چائے پیتے ہوئے اسے جیسے یاد آیا تو کہنے لگا۔

''آسیہ!'' بچے کو انجکشن بھی تو لگوانا ہے۔ میرا خیال ہے آج ہی لگوا لیتے ہیں۔''

''آج......!'' وہ پُرسوچ انداز سے بولی۔

''ہاں! آج میں فارغ ہوں تو یہ کام کر لیتے ہیں۔''

وہ اماں کی طرف دیکھنے لگی تو انہوں نے سر ہلا کر تائید کی اور وہ بقیہ چائے ایک ہی گھونٹ میں ختم کر کے کھڑا ہو گیا۔

''ابھی......!!'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں! چھٹی کا دن ہے۔ ڈاکٹر گیارہ بجے تک اُٹھ جائے گی۔'' وہ کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا تو اسے اُٹھنا پڑا۔

''اچھا اماں! میں پھر کسی دن آ جاؤں گی۔''

''اچھا بیٹا! اور سنو انجکشن کے بعد بچے کو بخار ہو جاتا ہے۔ ذرا خیال رکھنا۔''

''جی!'' اس نے بچے کو اُٹھا کر سینے سے لگایا اور اماں سے مل کر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ کلینک پہنچے تو ڈاکٹر بس اُٹھنے ہی والی تھی۔ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''خیریت؟''

''جی! یہ آج ایک مہینے کا ہو گیا ہے۔ اسے انجکشن لگوانا ہے۔''

''انجکشن کے لیے تم اتوار کو آنا۔'' ڈاکٹر نے کہا تو اسے جلد بازی پر افسوس ہوا اور باہر آ کر وہ اس کے ساتھ اُلجھ پڑی۔

''کم از کم پہلے معلوم تو کر لیتے۔ خواہ مخواہ اماں کے گھر سے بھی اٹھا کر لے آئے۔'' وہ ابھی کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ عقب سے کھنکتی ہوئی آواز آئی۔

''ارے ثاقی! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ پلٹا تو وہ بھی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ سامنے وہ لڑکی کھڑی تھی جسے اس نے کچھ روز پہلے ثاقب کے ساتھ گاڑی میں دیکھا تھا۔

''میں......وہ......یہ!'' وہ گڑبڑایا۔

''کون ہے یہ؟'' وہ لڑکی پوچھ رہی تھی۔

''یہ آسیہ ہے۔'' اس نے بس اسی قدر کہا۔

''آسیہ......'' وہ وضاحت طلب نظروں سے آسیہ ہی کی طرف دیکھنے لگی تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

''لیلیٰ گھر چلو۔ میں تمہیں وہیں بتاؤں گا۔'' وہ اس کا بازو تھام کر شاید گاڑی کی طرف لے جانا چاہتا تھا لیکن وہ آسیہ کے پاس رُک گئی۔

''رُکو ناں ثاقی! مجھے بچے کو دیکھنے دو۔'' یہ کہہ کر اس نے بچہ اس کی گود سے لے کر اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے کبھی اس کی اور کبھی ثاقب کی طرف دیکھنے لگی۔ ان دونوں کے درمیان اسے اپنا وجود اجنبی لگنے لگا تھا۔ اس نے بچے کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو وہ بالکل غیر محسوس طریقے سے اس کے پاس سے ہٹ کر ثاقب کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ پھر سر اونچا کر کے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ارے ہمارا تعارف تو ٹھیک طرح نہیں ہوا۔ میں مسز ثاقب ہوں اور تم......''

''مسز ثاقب۔'' اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ثاقب کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید ابھی وہ جھٹلا دے۔ یہ غلط کہہ رہی ہے لیکن وہ خاموش کھڑا تھا۔ تب وہ لپک کر اس کے پاس آئی۔

''ثاقی! یہ کیا کہہ رہی ہے؟''

''کون ہے یہ اور اس طرح کیوں بات کر رہی ہے؟'' وہ کڑے تیوروں سے پوچھنے لگی تو اس نے پہلے اس کی گود سے اپنے بچے کو جھپٹا' پھر کہنے لگی۔

"میں بیوی ہوں ثاقب کی اور یہ ہمارا بچہ ہے۔"

"ناممکن!" وہ آس پاس کا خیال کیے بغیر اونچی آواز میں چیخی۔

"لیلیٰ پلیز گھر چلو۔" ثاقب اس کا بازو تھام کر تقریباً کھینچتا ہوا گاڑی کی طرف لے گیا۔ وہ بے یقینی سے سارا منظر دیکھ رہی تھی اور اس سے پہلے کہ سنبھل کر اس کی طرف جاتی' وہ اسے لے کر چلا گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی تھی۔ کتنی دیر تک تو سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ بمشکل تمام اپنے آپ کو سنبھالا اور قریب سے گزرتی ٹیکسی کو روک کر اس میں بیٹھ گئی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے بچے کو ملازمہ کے حوالے کیا اور خود اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے ہوئے وہ پہلے اپنے آپ کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی تا کہ آرام سے بیٹھ کر اس ساری صورت حال کا جائزہ لے سکے۔ اور ابھی بمشکل تمام اس نے اپنے آپ کو کچھ سوچنے کے قابل بنایا ہی تھا کہ ثاقب آ گیا۔ وہ کمرے کے آخری سرے تک جا کر پلٹی تھی کہ دروازے میں اسے کھڑا دیکھ کر وہیں رک گئی اور اپنی خاموش نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"آئی ایم سوری آسیہ! اصل میں....." وہ شاید اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"بلا تمہید اس لڑکی کے بارے میں بتاؤ۔"

"میں بتاتا ہوں۔ پہلے تم....." اس کی بات ہونٹوں میں رہ گئی۔ ٹی وی لاؤنج سے کسی کے چلانے کی آواز آئی تھی۔

"کہاں ہے ثاقب حسن؟ میں اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئی ہوں۔" وہ پلٹا تو وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"اس لڑکی لیلیٰ کے ساتھ ایک معمر خاتون بھی کھڑی تھیں جن کا بازو تھامے وہ ان

دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"دیکھیں ممی! یہ دونوں یہاں موجود ہیں۔ آپ پوچھیں ثاقی سے کہ اس لڑکی سے اس کا کیا ناتا ہے۔"

"میں ثاقب کی بیوی ہوں اس بچے کی ماں ہوں۔" وہ اب خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔

"ثاقب! کیا یہ سچ کہہ رہی ہے؟" معمر خاتون نے بارعب آواز میں پوچھا اور جواب میں اعتراف کے طور پر اس کا سر جھکانا غضب ہو گیا۔

"لیلیٰ سے شادی تم نے اپنی پسند اور مرضی سے کی تھی۔ ہم نے اعتراض اس لیے نہیں کیا کہ یہ اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ پھر اس کے اعلیٰ کردار اور اخلاق نے ہمیں بھی اس کا گرویدہ بنا دیا لیکن میں پوچھتی ہوں تمہیں اب اس میں کیا برائی نظر آئی جو اس دوسری عورت کی طرف مائل ہو گئے۔"

"ممی.....وہ۔" وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"اور یہ لڑکی تو کسی پہلو سے بھی ہمیں اس قابل نظر نہیں آتی کہ ہمارے برابر کھڑی ہو سکے۔ پھر تم نے کیسے اسے گلے کا ہار بنا لیا؟"

"ثاقب!" اس نے بے اختیار اس کا بازو تھام لیا۔ اور وہ بے حد حسین لڑکی لیلیٰ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ممی! ثاقی نے میری توہین کی ہے۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے' ایک معمولی سی لڑکی کو مجھ پر فوقیت دے کر۔ اس نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"رو مت لیلیٰ! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ممی اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہنے لگیں۔

"کیا یہ لڑکی میری برابری کرے گی۔ ہرگز نہیں....." وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر بولی۔

"ثاقب سے کہیں ابھی فیصلہ کرتے ہوئے مجھے منتخب کرے یا اس لڑکی کو۔"

اور وہ جو اس کا بازو تھام کر کھڑی تھی اپنی گرفت اور مضبوط کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ ہٹا کر اس کے پاس سے ہٹ گیا۔

"ثاقب......!!" ممی کہنے لگیں۔

"اگر اس لڑکی سے کوئی بندھن باندھا تھا تو ابھی توڑ دو۔ ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے اس راستے کو تمہارے لیے ہمیشہ کے لیے بے نشان کر دینا چاہتے ہیں۔"

"نہیں!" وہ چیخ پڑی۔ "میں اس کے بچے کی ماں ہوں۔"

"اور میں اس کی محبت ہوں۔" لیلیٰ کے انداز میں تفاخر تھا۔

"محبت تو تم نے مجھ سے بھی کی ہے ثاقب حسن!" وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے اپنی آواز کے بوجھل پن پر قابو نہ پا سکی۔

"ثاقب! میں زیادہ دیر یہاں نہیں رُک سکتی۔" ممی کے سخت لہجے پر وہ کہنے لگا۔

"ممی! میں آپ کے ساتھ چل رہا ہوں لیکن میرا بچہ......"

"بچے کو بھی لے لو۔" ممی نے بہت آسانی سے کہہ دیا جب کہ وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

"خبردار! میرے بچے کو کسی نے ہاتھ لگایا۔" اس کے ساتھ ہی وہ اندر بھاگی تاکہ بچے کو لے سکے لیکن اس سے پہلے ہی ثاقب نے لپک کر بچے کو جھپٹ لیا اور اسے دھکا دیتا ہوا کمرے سے نکلا تو وہ پیچھے بھاگتی ہوئی آئی۔

"تم جانا چاہتے ہو ثاقب تو چلے جاؤ لیکن خدا کے لیے میرا بچہ مجھے دے دو۔" وہ منت کرنے کے ساتھ اس سے بچہ لینے کی کوشش بھی کرنے لگی اور وہ ایک بار پھر اسے دھکیل کر ممی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"چلیں ممی!"

"جانے سے پہلے اس قصے کو نہیں ختم کر دو۔" لیلیٰ اس کی گود سے بچہ لیتے ہوئے بولی تو وہ اس کی طرف پلٹا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں میں بے یقینی لیے شدید شاک میں کھڑی تھی کہ لمحہ بھر کو وہ لڑکھڑایا اور پھر اپنی پیٹھ پر لیلیٰ کا ہاتھ محسوس کر کے کہنے لگا۔

"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں آسیہ......طلاق......طلاق......!"

وہ بس ایک لمحے کو ہی ان تینوں کے چہرے دیکھ سکی تھی۔ پھر سہارے کے لیے ادھر اُدھر ہاتھ پھیلائے لیکن کہیں کوئی سہارا نہیں تھا۔ اور اندھیرے تھے کہ بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

کوئی گھنٹہ بھر بعد اسے ہوش آیا تو وہ اپنے بیڈ پر لیٹی تھی۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا ہوا ہے۔ ملازمہ اس کے پاس بیٹھی اس کی ہتھیلیوں کو اپنے ہاتھوں سے رگڑ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔ جب اس کا ذہن بیدار ہونے لگا تو سب سے پہلے بچے کا خیال آیا اور پھر اس کے ساتھ ہی ساری بات یاد آ گئی اور وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔

"میرا بچہ کہاں ہے؟" وہ ملازمہ سے پوچھنے لگی۔

"بی بی......وہ تو......" ملازمہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی اور وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ثاقب حسن! تم نے اچھا نہیں کیا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "بالکل تہی داماں کر گئے ہو مجھے۔"

"بی بی صبر کرو!" ملازمہ کے کہنے پر وہ چیخ پڑی۔

"وہ میرا بچہ لے گیا اور تم کہتی ہو میں صبر کروں۔ میں تو ایک پل بچے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں ابھی جاؤں گی اس کے پاس۔" وہ بیڈ سے اُتر آئی لیکن پھر خیال آیا کہ وہ یہ تک نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ بس صرف آفس کا معلوم ہے اور آج چھٹی کا دن ہے۔ اور چھٹی کا دن نہ بھی ہوتا تو اس وقت وہ بچے کو لے کر آفس نہیں جا سکتا تھا۔

"میں کیا کروں......" وہ پھر بیڈ پر گر کر رونے لگی۔

ثاقب سارے ناتے ایک پل میں توڑ کر چلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' خواب ہے یا حقیقت۔ بچہ یاد آتا تو دل میں ایک ٹیس سی اُٹھتی۔ وہ ثاقب کی جدائی قبول کر سکتی تھی' اس المیے پر صبر کر سکتی تھی لیکن بچے کے بغیر تو ایک پل نہیں رہ سکتی تھی۔ میں اپنے بچے کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گی۔ ثاقب حسن کو میرا بچہ واپس دینا ہوگا۔ میں اسے حاصل کر کے رہوں گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا' صرف صبح کا انتظار تھا۔

"ثاقب حسن! میں تم سے گئے دنوں کی کوئی بات نہیں کروں گی۔" وہ اس کے سامنے سر جھکائے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ اس کی آواز ہمیشہ سے مختلف اور لہجہ ٹوٹا ہوا تھا' جسے محسوس کرنے کے باوجود وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

"نہ ہی میں تمہارا محاسبہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ میں صرف اس لیے آئی ہوں ثاقب حسن کہ تم پلیز مجھے میرا بچہ واپس کر دو۔" وہ جو اسے سامنے بٹھا کر بھی لاتعلق سا بنا بیٹھا تھا ایک دم سیدھا ہوا اور ریوالونگ چیئر کی پشت سے سر ٹکا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک ہی رات میں کتنا بدل گئی تھی وہ۔ سیاہ چادر کے ہالے میں اس کا زرد چہرہ برسوں کا بیمار لگ رہا تھا۔ زیادہ وقت تو نہیں گزرا تھا' کل ہی کی تو بات تھی۔ ہاں کل اسی وقت وہ اس کے ساتھ تھی۔ ہنستی کھلکھلاتی ہوئی اور اب...... وہ اس کی آنکھوں کے گرد گھیرا ڈالے سیاہ حلقوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے باوجود کوئی ندامت' نہ کوئی پشیمانی۔ ایسا کوئی احساس دل میں نہیں جاگا کہ اس کی اس حالت کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

"مجھے میرا بچہ لوٹا دو۔" وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولی۔

"وہ میرا بچہ ہے۔" وہ ذرا سا آگے جھک کر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

"اگر بات میری اور تمہاری ہے تو میں اس بچے کو جنم دینے کی سزاوار ہوں۔ تم سے زیادہ حق رکھتی ہوں اس پر۔"

"سنو! اسے تم جنم دیتیں یا کوئی دوسری عورت۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا'

مجھے صرف بچہ چاہیے تھا' سو وہ میں نے لے لیا۔"

"ثاقب حسن......!" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر اونچا کر کے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہارا گھر بار ہے' بیوی ہے اور ہو سکتا ہے بچے بھی ہوں تو ایسی صورت میں تمہارے لیے میرے بچے کی کیا ضرورت اور اہمیت ہو سکتی ہے؟ جبکہ میرے لیے جینے کا وہی واحد سہارا ہے۔"

"مجھے اس بچے کی ضرورت ہے یا نہیں' تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" وہ کس قدر کٹھور نظر آ رہا تھا۔ وہ گزرے ماہ و سال سے قطعی مختلف' جیسے اسے جانتا تک نہ ہو۔

"کیا......!" وہ دبی آواز میں چیخ پڑی۔ "ایک ماں سے کہہ رہے ہو اپنے بچے سے کوئی غرض نہ رکھے۔ کیا ایسا ہوا ہے کہیں دنیا میں......؟"

"دیکھو میرے پاس اس فضول بحث کے لیے وقت نہیں ہے' تم اب جا سکتی ہو۔"

"نہیں ثاقب حسن! میں یوں تہی داماں ہو کر نہیں جاؤں گی۔"

"میں نے تمہیں تہی داماں تو نہیں چھوڑا آسیہ۔ سب کچھ تمہارے دامن میں ڈالا ہے۔ ایک ویل ڈیکوریٹڈ اپارٹمنٹ' گاڑی' بینک بیلنس۔ کیا یہ سب کچھ تمہاری اوقات سے بڑھ کر نہیں ہے۔"

"تو کیا تم......" وہ جو کبھی اسے زبان تک لانا نہیں چاہتی تھی۔

"ہاں صرف ایک بچے کے حصول کی خاطر میں نے تمہیں وہ سب کچھ دیا۔"

"واپس لے لو سب۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے' بس تم مجھے میرا بچہ لوٹا دو۔"

"بچہ تمہیں کسی صورت نہیں ملے گا۔ تم خواہ مخواہ میرا اور اپنا وقت ضائع کر رہی ہو۔ اور ہاں اب جب کہ میرا اور تمہارا کوئی ناتا نہیں رہا تو آئندہ یہاں مت آنا۔"

"میں یہاں تو کیا ہر وہ راستہ چھوڑ دوں گی جو کبھی تمہاری رہگذر رہا ہوگا۔ لیکن تم پلیز پہلے میرا بچہ واپس کر دو۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہو کر پلکوں کو توڑنے

لگا۔ اور وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"خدا کے لیے ثاقب! مجھ پر رحم کرو! میں بچے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ یقین کرو میں رات بھر اس کے لیے تڑپتی رہی ہوں۔ تم اسے مجھ سے ملوا دو۔ میں اسے لیے بغیر نہیں جاؤں گی۔ پلیز ثاقب تمہیں اس محبت کا واسطہ دیتی ہوں جو تمہیں مجھ سے رہی۔"

"محبت......!" اس کا طویل قہقہہ اس کے دل و دماغ کو جھنجھوڑنے لگا اور وہ گیلی آنکھوں کو پورا کھولے اسے دیکھتی ہوئی جیسے سُن ہو گئی تھی۔ وہ مذاق اُڑا رہا تھا۔

"آسیہ بیگم! تم نے لیلیٰ کو دیکھا ہے ناں، وہ ساحرہ ہے۔ اور تم ہی بتاؤ...... کیا اس کی موجودگی میں بندہ کسی اور سے محبت کر سکتا ہے؟"

ایک پل میں اس کی نگاہوں میں گزرے دو برسوں کا ہر پل آسمایا۔ کہیں کوئی کھوٹ نہیں تھا نہ کوئی بناوٹ۔ کوئی پل ایسا نہیں تھا جب اس کی محبت پر شبہ کیا جا سکتا۔ پھر وہ کیوں جھٹلا رہا تھا۔

"تم جھوٹ کہتے ہو۔" اسے اپنی آواز اجنبی لگی۔

"یہی سچ ہے۔"

"تو کیا تم مجھے محبتوں کا فریب دیتے رہے؟" اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں۔" اس کی صاف گویائی پر وہ چیخ پڑی۔

"کیوں! آخر کیوں۔ تم نے کیوں فریب دیا مجھے۔ میں نے کیا بگاڑا تھا تمہارا اور مجھے فریب دے کر تمہیں کیا ملا۔"

"وہی جو چاہا تھا۔"

"سب کچھ تو تھا تمہارے پاس۔ پھر مجھ سے کیا چاہیے تھا۔ بتاؤ ثاقب حسن! تمہارے سامنے میری حیثیت ہی کیا تھی۔" وہ میز کی سطح پر دونوں ہتھیلیاں ٹکا کر اٹھی اور اس کی طرف جھکتے ہوئے چلائی۔

"دیکھو یہ میرا آفس ہے۔ یوں چلا کر میری پوزیشن خراب مت کرو۔

"میں چیخ چیخ کر سب لوگوں کو اکٹھا کر لوں گی اگر تم نے......"

"بیٹھ جاؤ۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ پھر انٹر کام پر چائے کے لیے کہا۔ اس کے بعد کسی فائل کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ وہ بالکل نہیں سمجھی کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ملازم چائے لے کر آ گیا اور ملازم کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"سنو! ایک سمجھوتا کر لو۔" اس کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے پر کہنے لگا۔

"جتنا کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اس سے کہیں زیادہ مزید دے سکتا ہوں۔ بس تم اس بچے کو بھول جاؤ۔"

"ثاقب حسن!" وہ دُکھ اور تاسف سے اسے دیکھنے لگی۔ "تم ساری دنیا کی دولت میرے قدموں میں ڈھیر کر دو تب بھی میں اپنے بچے کو نہیں بھول سکتی۔ وہ بکاؤ مال نہیں ہے ثاقب حسن۔ وہ بکاؤ مال نہیں ہے۔" اس کے ساتھ ہی وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ وہ خاموشی سے اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بالآخر وہ خود ہی آنسو پونچھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"آخر تم کس جرم کی پاداش میں مجھے یہ سزا دینا چاہتے ہو؟"

"اگر میں حقیقت سے تمہیں آگاہ کر دوں تو کیا تم سمجھوتے پر آمادہ ہو جاؤ گی؟" وہ اس کی بات نظر انداز کر کے بولا۔

"کیسی حقیقت؟" اس کے پوچھنے پر وہ فوراً نہیں بولا۔ شاید اپنے آپ کو کچھ کہنے پر آمادہ کر رہا تھا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے؟" اسے گومگو کے عالم میں دیکھ کر وہ کہنے لگی۔

"ہاں!" وہ طویل سانس لے کر کرسی کی بیک سے سر ٹکاتے ہوئے بولا۔

"اس سارے قصے کا پس منظر یوں ہے آسیہ بیگم کہ میری اور لیلیٰ کی شادی کو سات سال ہو گئے ہیں۔ وہ میری پسند، میری محبت تھی۔ اور آج بھی میں روزِ اول کی طرح بلکہ اس سے

بھی کہیں زیادہ شدتوں کے ساتھ اس سے محبت کرتا ہوں۔ وہ ہے ہی چاہے جانے کے قابل۔ تم نے دیکھا ہے ناں اسے.... کتنا سحر ہے اس میں۔ اور میں اس کے سحر سے آزاد ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ میں نے اپنی حیات کا ہر پل اس کے نام کر دیا ہے۔ اس کی خوشیوں اور خواہشوں پر میں اپنا آپ قربان کر سکتا ہوں۔'' قدرے توقف کے بعد کہنے لگا۔

''مجھے اور لیلیٰ کو بچے بہت پسند ہیں اور شادی کے ابتدائی سالوں میں ہم اپنے گھر میں بچے کی آواز سننا چاہتے تھے لیکن قدرت شاید ہمیں آزمانا چاہتی تھی جو پہلے دو سال یونہی گزر گئے۔ بہرحال تیسرے سال جب ڈاکٹر نے ہمیں یہ نوید دی کہ لیلیٰ ماں بننے والی ہے تو ہماری خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ لیکن پھر پتہ نہیں ہماری خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی کہ ہم صرف پانچ ماہ ہی خواب سجا سکے تھے۔ پانچ ماہ ابھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ ایک دن سیڑھیاں اُترتے ہوئے لیلیٰ کا پاؤں پھسل گیا۔ اس کی حالت بے حد تشویشناک ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں کی ان تھک کوششوں سے یا پھر خدا کو اس کی زندگی منظور تھی کہ وہ بچ گئی لیکن اس محرومی کے ساتھ کہ وہ پھر کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔'' کچھ لمحے خاموش رہ کر کہنے لگا۔

''میرے لیے یہی بہت تھا کہ لیلیٰ کو خدا نے نئی زندگی دے دی تھی۔ اور رہی اولاد کی خواہش تو اس سانحے کے بعد میں نے اسے دل سے نکال پھینکا اور میں نے لیلیٰ سے بھی کہہ دیا کہ جو چیز ہمارے مقدر میں نہیں ہے اس کی خواہش چھوڑ دو۔ یوں لیلیٰ نے وقتی طور پر اپنے آپ کو بہلا لیا جب کہ میں اس حقیقت کو دل سے تسلیم کر چکا تھا۔ بمشکل سال ہی گزرا ہوگا کہ لیلیٰ بے چین سی رہنے لگی۔ وہ ماں نہیں بن سکتی تھی لیکن اس کی خواہش تھی کہ کوئی بچہ گود لے لیا جائے اور میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ کسی دوسرے کے بچے کے ساتھ میں نہ محبت کر سکوں گا اور نہ انصاف۔ اور یہ بات میں نے واضح طور پر لیلیٰ کو سمجھا دی۔ تب اس نے مجھے دوسری شادی کا مشورہ دیا۔ شروع میں، میں اس مشورے کو سختی سے رد کرتا رہا لیکن پھر میں نے بتایا ناں کہ اس کی خوشیوں اور خواہشوں پر میں اپنا آپ قربان کر سکتا ہوں تو اس کی خوشی کی خاطر میں نے تم سے شادی کی۔''

''ثاقب حسن.....!'' اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی جبکہ وہ میز کی سطح پر پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے اپنی کہہ رہا تھا۔

''میں نے کبھی تم سے محبت نہیں کی۔ بس سب کچھ ایک پلان کے تحت ہوا۔''

''لیلیٰ کو بچہ چاہیے تھا اور میں کسی غیر کا بچہ لینا نہیں چاہتا تھا۔'' وہ خاموش ہوا تو اس کا دل چاہا پیپر ویٹ اُٹھا کر اس کے سر پر دے مارے لیکن وہ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

''اس مقصد کے لیے تم نے میرا انتخاب کیوں کیا؟''

''میں نے خاص طور پر تمہارا انتخاب نہیں کیا تھا آسیہ۔ تم نہ ہوتیں تو تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی۔ مجھے لیلیٰ کی خواہش بہرحال پوری کرنی تھی۔'' اس کا اطمینان اسے اندر تک سلگا رہا تھا۔

''ایک بات بتاؤ۔ جب لیلیٰ نے خود ہی یہ سارا پلان بنایا تھا تو کل اس نے میرے گھر آ کر واویلا کیوں مچایا؟''

''ظاہر ہے اس ڈرامے کا کہیں تو ڈراپ سین ہونا ہی تھا اور اب جب کہ ہمیں ہمارا مقصد حاصل ہو چکا تو.....''

''تم ثاقب حسن.....'' وہ میز پر زور سے ہاتھ مار کر کھڑی ہو گئی۔ ''اتنی آسانی سے اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔''

''دیکھو! میں نے کہا ہے سمجھوتا کر لو۔''

''سمجھوتا کر لوں.....! تمہارا مطلب ہے فروخت کر دوں اپنے بچے کو۔ وہ بھی تم جیسے فریبی اور خود غرض شخص کے ہاتھوں..... ناممکن ثاقب حسن! قطعی ناممکن۔ جا کر کہہ دینا اپنی لیلیٰ بیگم سے کہ وہ زیادہ دن میرے بچے کو اپنے پاس نہیں رکھ سکے گی۔''

''کیا کر لو گی تم یا کیا کر سکتی ہو؟'' وہ پیشانی پر شکنیں ڈال کر بولا۔

''جس طرح تم اپنی لیلیٰ کی خوشیوں اور خواہشوں پر اپنا آپ قربان کر سکتے ہو اسی طرح میں بھی اپنے بچے کی خاطر جان قربان کر سکتی ہوں۔ سمجھے تم!''

"سنو! جتنا وقت تم بچے کے حصول میں برباد کرو گی' اتنے وقت میں تو تم نئی زندگی شروع کر کے مزید بچے پیدا کر سکتی ہو۔"

"شٹ اپ!" وہ پوری قوت سے چیخی اور اتنی ہی قوت سے پیپر ویٹ اُٹھا کر میز پر جے شیشے پر دے مارا۔ پھر وہ رُکی نہیں۔ کرسی کو ایک ٹھوکر سے گراتی ہوئی باہر نکل آئی۔

گھر میں داخل ہوئی تو بہت زیادہ تنہائی کا احساس ہوا۔ گو کہ گزشتہ دو برسوں سے وہ یہاں تنہا ہی رہ رہی تھی لیکن ایک مہینے میں ہی بچے نے اس تنہائی کے احساس کو مٹا ڈالا تھا۔ اسے دیکھ کر ملازمہ کی آنکھوں میں بے شمار سوال اُبھر آئے تھے لیکن وہ نظر انداز کرتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ ہر طرف بچے کی چیزیں بکھری تھیں' جنہیں سمیٹتے ہوئے اس کا دل بھر آیا تو وہ بیڈ پر گر گئی اور تکیے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ کتنی دیر گزر گئی' وہ اسی طرح رو رہی تھی کہ ملازمہ نے آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"بیٹی! یوں رو رو کر خود کو ہلکان مت کرو۔"

"پھر کیا کروں؟" وہ تکیے سے منہ نکال کر بولی۔

"کوئی حل سوچو۔"

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔"

"پہلے ذہن کو تھوڑا آرام دو۔ تھکا ہوا ذہن کچھ سوچ نہیں سکتا۔ ٹھہرو میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔ ملازمہ چلی گئی تو وہ چادر سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد ملازمہ چائے کے ساتھ سلائس اور انڈہ بھی لے آئی۔ اس نے کل سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس وقت بھی دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن ملازمہ نے زبردستی اسے کھلایا۔ پھر ایک کے بعد دوسری چائے کی پیالی پیتے ہوئے اس کا تھکا ہوا ذہن اور تھکا ہوا وجود کسی حد تک پرسکون ہونے لگا۔ کل سے جب سے وہ بچے کو لے کر گیا تھا' وہ صرف اسی کے لیے پریشان تھی اور رو رو کر اپنے آپ کو ہلکان کرتی رہی تھی۔ اور اب جب ذہن پرسکون ہو کر کچھ سوچنے کے قابل ہوا تو اپنے ساتھ ہونے والے

سانحے کا احساس ہوا۔ ایک شخص صرف اپنے مقصد کی خاطر مسلسل دو سال تک اسے محبتوں کا فریب دیتا رہا اور کیا وہ اتنی نادان تھی کہ اس کی جھوٹی محبتوں پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے اس کی خاطر سب سے لڑ بیٹھی۔ اماں' سعدیہ آپا اور جواد' سب نے کتنا سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کسی کی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوئی تھی۔

"ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔" سعدیہ آپا نے کہا تھا۔ "ضروری نہیں ہے کہ ثاقب حسن جیسا نظر آتا ہے ویسا ہو بھی۔"

"ہمیں ڈر ہے بعد میں کوئی مسئلہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔"

"اول تو کوئی مسئلہ ہوگا نہیں۔" اس نے یقین سے کہا تھا۔ "اور اگر ایسی کوئی بات ہوئی بھی تو میں خود سب سنبھال لوں گی۔"

"میرے خدا......!" اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ "میں سب کے خدشات جھٹلاتی رہی۔ اب کیا منہ لے کر جاؤں گی۔ سب کے سامنے کیسے کہوں گی کہ ثاقب حسن نے کھڑے کھڑے گزرے دو برس میرے منہ پر دے مارے ہیں۔ ایک پل میں ناتا تو توڑا ہی' میری گود بھی خالی کر گیا ہے۔" وہ پھر رونے لگی۔ سارا دن اسی طرح گزر گیا۔ وہ کبھی روتی' کبھی سوچنے کی کوشش کرتی لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جب کہ وہ چاہتی تھی کہ فوری طور پر کسی بھی طرح بچہ اس کے پاس آ جائے۔ بچہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ اسے نہ پا کر امی امی کرنے لگتا اور مجبور ہو کر ثاقب حسن اسے اس کے پاس چھوڑ جاتا۔ وہ تو ابھی صرف ایک ماہ کا تھا اور ظاہر ہے جو گود اسے میسر ہوگی وہ اسی سے مانوس ہوگا۔

لیکن اب میں کیا کروں۔ وہ بار بار اسی ایک جملے کو دہرا رہی تھی اور بالآخر اسے اعتراف کرنا پڑا کہ وہ کمزور عورت کسی طرح بھی ان حالات کا تنہا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ رات اس نے سوچا تھا کہ وہ جب حالات اپنے حق میں لے آئے گی' تب اماں کے پاس جائے گی لیکن اب اسے سب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اماں' سعدیہ آپ اور دولہا بھائی۔ ارم کو وہ ابھی اتنا میچور نہیں

سمجھتی تھی۔ لیکن اس کا میاں بلال خاصا مجبور تھا۔ اور یہ سب مل کر ہی اس کے لیے کچھ کر سکتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ پہلے وہ سب اپنی اپنی بولی بولیں گے کہ ہم نے پہلے ہی منع کیا تھا اور ہمارے خدشات کو تم نے رد کر دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اس نے سوچا وہ بڑے تحمل سے سب کی باتیں سن لے گی۔ اور پھر اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے کہے گی کہ اب اس مقام پر جب کہ اس کا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا' وہی کچھ سوچیں۔ کوئی ایسا طریقہ کہ بچہ فوراً اسے مل جائے۔ بچے کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی۔ ایک ایک پل بھاری ہو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر دیکھا' دوپہر پوری طرح نہیں ڈھلی تھی۔ وہ شام کا انتظار کرنے کے بجائے اسی وقت اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اماں شاید ابھی سو کر اُٹھی تھیں۔ اس لیے پہلی نظر میں نہ انہوں نے اس کی اُجاڑ صورت پر غور کیا اور نہ خالی گود پر۔ وہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی اندر آئی تو خود ہی ان کے گلے لگ کر رونے لگی۔

''ارے ارے کیا ہوا؟'' اماں ایک دم پریشان ہو گئیں اور اسے اپنے سے الگ کر کے صورتِ حال جاننے کی کوشش کرنے لگیں۔ لیکن جتنا وہ پوچھ رہی تھیں' اس کے رونے میں اور شدت آ رہی تھی۔

''بیٹا! تمہارے رونے سے کیا پتہ چلے گا۔ کچھ بتاؤ گی تب ناں!'' اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ بولنے کی کوشش بھی کی تو بولا نہ گیا۔ تب اماں اسے اُٹھا کر باہر لے آئیں۔ خود اپنے ہاتھ سے اس کا منہ دُھلایا۔ پھر اسے اندر بھیج کر خود کچن میں چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد اس کے لیے چائے لے کر اندر آئیں تو وہ بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

''کل تو تم ٹھیک آئی تھیں۔'' اماں مگ اسے تھما کر خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ ''کیا ثاقب نے کچھ کہا ہے۔''

''کچھ......'' اس نے دکھ سے سوچا۔ پھر آنسوؤں کے درمیان انہیں سارے حالات کہہ سنائے۔ اماں ششدر بیٹھی اس کی باتیں سن رہی تھیں اور جب وہ خاموش ہوئی تو بھی کتنی دیر

تک وہ ایک لفظ نہ بول سکیں۔

ثاقب صرف شادی شدہ ہی ہوتا اور پول کھل جانے پر قدرے ندامت محسوس کرتے ہوئے اسے بھی برابری کا درجہ دینے کی بات کرتا' تب بھی اتنا صدمہ نہ ہوتا لیکن یہاں تو اس نے اپنے مقصد کی خاطر اس کی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ یہ صدمہ اماں کے حواس سن کر گیا۔ پہلے وہ منتظر رہی کہ اماں وہی مخصوص جملے دہرائیں گی۔ ہم نے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نے کسی کی سنی ہی نہیں۔ لیکن کتنی دیر گزر گئی اماں بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

''اماں! میں کیا کروں؟'' وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''مجھ سے بچے کی دوری برداشت نہیں ہو رہی۔''

''بیٹا! میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ صبر کرو۔''

''ایسی کوئی بات کہیے گا بھی مت۔ مجھے ہر صورت اپنا بچہ چاہیے۔'' وہ پھر روئی تو اماں بھی اس کے ساتھ رونے لگیں۔

''لوگ بیٹیوں کی تمنا اسی لیے نہیں کرتے کہ ان کے نصیبوں سے ڈر لگتا ہے۔'' اماں دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھتی ہوئی بولیں۔ ''اب بتاؤ بھلا ہم اکیلی عورتیں کیا کر سکتی ہیں۔ تمہارے سر پر نہ باپ نہ بھائی۔ اور مجھے تو لگتا ہے' اس کمینے نے یہی دیکھ کر تمہیں پھانسا کہ بعد میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ کم بخت شکل سے کتنا شریف نظر آتا تھا۔ بتاؤ بھلا دو سال کا عرصہ کم ہوتا ہے۔ کبھی شبہ تک نہیں ہونے دیا اور ارم کی شادی میں تو سب رشک کر رہے تھے تم پر۔''

''اماں سعدیہ آپا اور دولہا بھائی کو بلائیں۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر کہنے لگی۔ ''ہمارا تو ذہن کام نہیں کر رہا۔ ہو سکتا ہے دولہا بھائی کوئی بہتر مشورہ دے سکیں۔''

''بلا تو لوں انہیں لیکن اس طرح تو سارے گھر میں بات پھیل جائے گی۔''

''بات چھپی تو کبھی نہیں رہے گی۔ ایک نہ ایک دن تو سب کو معلوم ہونا ہی ہے۔ البتہ دولہا بھائی سے کہہ دیجئے گا' ابھی کسی سے تذکرہ نہ کریں جب تک بچہ نہیں مل جاتا۔'' اماں پر سوچ

انداز میں سر ہلانے لگیں۔

''تو پھر کسی کو بھیجئے آپا کی طرف یا آپ خود چلی جائیں۔''

''میرا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے سسرال میں بات کھل جائے گی۔ کسی کو بھیج کر بلواتی ہوں۔''

اماں اُٹھ کر چلی گئیں تو وہ اپنے درد کی شدت سے پھٹتے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبانے لگی۔ مسلسل روتے رہنے سے آنکھیں بھی سوج کر بھاری ہوگئی تھیں۔ دل تو چاہ رہا تھا چپ چاپ آنکھیں بند کر کے لیٹ جائے اور جب ایک طویل نیند سے بیدار ہو تو سب کچھ ویسا ہی ہو۔ پہلو میں لیٹا بچہ اور بالوں میں سرسراتی ثاقب حسن کی انگلیاں۔ وہ بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر سہمی ہوئی نظر آئے تو ثاقب حسن اسی محبت سے پوچھے۔

''کیا کوئی سپنا دیکھا ہے؟''

''ہاں! بے حد ڈراؤنا۔''

''اللہ میاں! میں کیا کروں۔ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔'' اس نے اپنا سر بیڈ کی پٹی سے ٹکا دیا اور دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں ڈھانپ لیں۔ اماں کسی کو سعدیہ آپا کی طرف بھیج کر خود کچن میں مصروف ہوگی تھیں۔ کچن سے برتنوں کی آواز آرہی تھی۔ اس نے سوچا ضرور کہ جاکر اماں کا ہاتھ بٹائے لیکن اُٹھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ جس وقت سعدیہ آپا آئیں وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔

''ارے آسیہ تم یہیں ہو؟'' سعدیہ آپا نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بڑھ کر اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹادیے۔ لیکن جب اس کا چہرہ دیکھا تو ٹھٹھک گئیں۔

''کیا ہوا...... خیریت تو ہے؟''

''تم آرام سے بیٹھو تو......'' اماں جو اُن کے پیچھے آرہی تھیں کہنے لگیں اور دولہا بھائی کو بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔ سعدیہ آپا کو جاننے کی جلدی تھی۔ بیٹھتے ہی کہنے لگیں۔

''اماں! خیر تو ہے ناں؟''

''خیر کہاں بیٹا!'' پھر اماں نے ساری تفصیل کہہ سنائی۔ وہ اس دوران سر جھکائے بیٹھی رہی تھی اور سارا واقعہ سُن کر جو باتیں اماں نے نہیں کہی تھیں سعدیہ آپا کہنے لگیں۔

''مجھے تو پہلے ہی دن ثاقب کا اکیلا آنا کھٹکا تھا۔ اور میں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن یہ کہاں کوئی بات سننے کو تیار ہوئی تھی۔''

''سعدیہ! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' دولہا بھائی نے انہیں ٹوک دیا۔

''کچھ آسیہ کی حالت کا خیال کرو۔ اور پھر جو ہوگیا اسے دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سوچو اب کیا کرنا چاہیے۔'' وہ پُر اُمید نظروں سے دولہا بھائی کی طرف دیکھنے لگی۔ اپنی بات کہہ کر وہ کسی سوچ میں گم ہوگئے تھے۔ وہ بے تابی سے اُن کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

''اگر آپ اجازت دیں۔'' بہت دیر بعد وہ اماں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ ''پہلے میں خود جاکر ثاقب سے بات کروں۔ اگر وہ میری باتوں سے قائل ہوجاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ہم دوسرا راستہ اختیار کریں گے۔''

''بیٹا! اجازت کی کیا بات ہے۔ میں نے تمہیں بلوایا ہی اسی لیے ہے کہ تم جو مناسب سمجھو کرو۔''

''ٹھیک ہے صبح میں اس کے پاس چلا جاؤں گا۔''

''دولہا بھائی کسی بھی طرح میرا بچہ دلا دیجئے۔'' وہ منت سے بولی۔

''فکر مت کرو اور سنو اب رونا دھونا ختم کرو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ جلدی جلدی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی تو دولہا بھائی اس کا دھیان بٹانے کی خاطر کہنے لگے۔

''چلو اب اُٹھ کے منہ ہاتھ دھوؤ' پھر اپنے ہاتھوں سے میرے لیے چائے بنا کر لاؤ۔''

وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اگلا سارا دن اس کا دولہا بھائی کا انتظار کرتے ہوئے بے چینی میں گزرا۔ انہوں نے صبح

ہی ثاقب کے پاس جانے کا کہا تھا لیکن اس کے پاس وہ شام میں آ گئے۔

''کیا رہا دولہا بھائی!'' وہ لپک کر ان کی طرف آئی تھی۔

''بے بی! یہ گھی سیدھی انگلیوں نکلنے والا نہیں ہے۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولے تو وہ وضاحت طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''ثاقب حسن کسی طرح بھی بچہ دینے پر تیار نہیں ہوا تو اب میرا خیال ہے ہمیں دوسرا راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا۔''

''دوسرا راستہ......!'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''کورٹ سے رجوع کرو۔''

''اس کے لیے تو دولہا بھائی ایک لمبا عرصہ درکار ہوگا اور میں اتنا عرصہ بچے کے بغیر کیسے رہوں گی۔'' اس کی آنکھیں پھر جھلملانے لگی تھیں۔

''نہیں! اگر تم افورڈ کر سکتی ہو تو میں کسی اچھے وکیل کا انتظام کر دیتا ہوں جو کم سے کم مدت میں......''

''پیسے کی فکر نہ کریں دولہا بھائی۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر فوراً بول پڑی۔ ''مجھے ثاقب حسن کا دیا ہوا پیسہ اسی کے خلاف استعمال کر کے خوشی ہوگی۔''

☆☆☆

وہی وقت جو ثاقب حسن کی سنگت میں بھاگتا ہوا لگتا تھا' اب رینگ رہا تھا۔ اسے بچے کے لیے کیس کیے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اس دوران وہ اپنے آپ میں حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کر چکی تھی۔ پھر بھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وقت کو پر لگا دے اور فیصلے کی گھڑی آ جائے۔ اس کے وکیل نے یقین دلایا تھا کہ فیصلہ ہر حال میں اسی کے حق میں ہوگا کیونکہ ایک شیر خوار بچے کو کسی طرح بھی ماں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اسے ایک اور مسئلے کا سامنا بھی تھا کہ ابھی تک اس سارے واقعے کا علم گھر والوں کے سوا اور کسی کو نہیں تھا۔ وہ خود نہیں چاہتی تھی کہ سب

لوگ یہ ساری صورتِ حال جانیں اور اماں بھی ساری بات بتانے کے حق میں نہیں تھیں۔ ان کا خیال تھا زیادہ تر لوگ انہیں الزام دیں گے کہ ثاقب حسن کے بارے میں کچھ جانے بغیر بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور کہنے والے تو یہاں تک کہہ جائیں گے کہ بس اس کا پیسہ دیکھا۔ باقی وہ کیا ہے کسی نے جاننے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اور اب دیکھو کیسے مطلب نکال کر بیٹی کو دھتکار دیا۔ یہی سب باتیں سوچ کر وہ اس بات کو گھر تک رکھے ہوئے تھیں۔ بہرحال یہ حقیقت زیادہ دن تک چھپ تو نہیں سکتی تھی۔ پھر بھی ان کی کوشش تھی کہ بچے کے حصول تک کسی کو معلوم نہ ہو۔ بعد میں ان کا خیال تھا کہ ایک سیدھی سادی کہانی سنا دی جائے گی کہ ثاقب حسن پہلے سے شادی شدہ تھا اور جب یہ بات آسیہ کو معلوم ہوئی تو وہ اس بات سے سمجھوتا نہ کر سکی۔ یوں علیحدگی پر بات ختم ہو گئی۔ گو کہ الزام اس طرح بھی آسیہ ہی پر آتا لیکن اس رسوائی سے یہ الزام گوارا تھا۔

وہ وکیل سے اپنے کیس کی تفصیلات اور آیندہ تاریخ معلوم کر کے آئی تو اماں کے پاس خالہ اماں اور جواد بیٹھے نظر آئے۔ لحہ بھر کو تو وہ ٹھٹھکی۔ پھر فوراً سنبھل کر پوز کیا جیسے اپنے گھر سے آ رہی ہو۔

''بچے کو کہاں چھوڑ آئی ہو؟'' اس کے سلام کا جواب دے کر خالہ اماں فوراً پوچھنے لگیں۔

''ملازمہ ہے ناں خالہ اماں! وہ سنبھال لیتی ہے۔''

''میرا خیال ہے تم نے بچے کو مکمل طور پر ملازمہ کے حوالے کر دیا ہے۔'' جواد کہنے لگا۔

''اس روز بھی جب میں آیا تھا تو تم اکیلی تھیں۔''

''نہیں! ایسی بات نہیں ہے۔ بس اتفاق ہی ہے کہ تم مجھے اکیلا دیکھتے ہو۔'' پھر فوراً بات بدلتے ہوئے بولی۔ ''اور خالہ اماں عفت کی شادی کا کیا ہوا؟''

''اسی کا تو کہنے آئی ہوں۔'' اس جمعہ کی تاریخ ہے اور میں تمہاری ماں سے بھی کہہ رہی ہوں کہ میرے ساتھ چلے۔ ویسے بھی یہاں اکیلی رہتی ہے۔''

''اکیلی کیوں......؟'' وہ بے اختیار کہہ گئی۔

"تو کیا تم ان کے ساتھ رہتی ہو؟" اس کی بات پر جواد نے یونہی ایک بات کہی تھی پھر بھی وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میرا مطلب ہے ہم بہنوں میں سے کوئی نہ کوئی آ ہی جاتی ہے۔"

"کچھ دنوں کی تو بات ہے۔ اور اگر تم لوگوں کا خالہ جان سے ملنے کو دل چاہے تو ہمارے گھر آ جانا۔"

"بھئی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اماں سے کہو جانا چاہیں تو لے جاؤ۔" اس نے اپنا دامن بچاتے ہوئے بات اماں پر ڈال دی۔ اور اگر اس کا خیال نہ ہوتا تو اماں جانے کے لیے تیار ہو جاتیں لیکن وہ کیونکہ یہیں رہ رہی تھی اور اسے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا' اس لیے اماں نے عذر تراشا۔

"مسئلہ یہ ہے آپا کہ مجھے اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور نیند نہیں آتی۔ ورنہ میں ضرور چلتی۔"

"فکر مت کریں خالہ جان۔ ہم آپ کو گھر کا سا ہی آرام دیں گے۔" وہ شاید ہر صورت اماں کو لے جانا چاہتا تھا۔

"بیٹا! وہ بھی اپنا ہی گھر ہے لیکن..."

"لیکن ویکن نہیں چلے گا۔ بس آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" اماں اس کی طرف دیکھنے لگیں تو اسے کہنا پڑا۔

"چلی جائیں اماں! جواد اتنا اصرار کر رہا ہے اور پھر ہمارا کیا ہے' ہم کچھ دن نہیں آ سکیں گے۔"

"ہمارے گھر آنا منع ہے کیا؟" وہ شکوہ بھری نظروں سے دیکھنے لگا اور اسے کوئی جواب نہیں سوجھا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے بنا لاؤں۔" پھر کچن کی طرف جاتے جاتے کہنے لگی۔

"عفت کے ساتھ جواد کی شادی بھی کر دیتیں تو اچھا تھا۔"

"بیٹا! میری اپنی بھی یہی خواہش تھی۔ یہ مانے تب ناں!"

"کیا مطلب؟"

"یہ شادی کے لیے ہامی ہی نہیں بھرتا۔"

"کیوں؟" وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اسے دوسری طرف متوجہ دیکھ کر خاموشی سے کچن میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد ہی وہ اس کے پیچھے چلا آیا۔

"سنو! تم نے شادی کر کے کیا پا لیا جو مجھے یہ مشورہ دے رہی ہو؟"

"سب کچھ۔" وہ چولہا جلاتے ہوئے بولی۔

"کیا واقعی؟" وہ ہنسا۔

"کیوں..... کس چیز کی کمی ہے میرے پاس۔ سب کچھ تو ہے۔" وہ اپنے آپ کو بے انتہا خوش اور مطمئن پوز کرتے ہوئے بولی تو وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"تم پر تو وہ شعر صادق آتا ہے۔

میری روح کی حقیقت میرے آنسوؤں سے پوچھو
میرا مجلسی تبسم میرا ترجماں نہیں ہے

وہ یکدم پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگی

"میں نے کہا تھا ناں کہ تمہیں بندوں کی پہچان نہیں ہے اور آج جب وقت نے خود تم پر ثاقب حسن کی حقیقت آشکار کر دی ہے تو چھپاتی کیوں ہو؟" اس کی حیرت فطری تھی۔ کچھ کہنے کی کوشش میں ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے تھے۔

"میں تو تمہیں بہت عقلمند سمجھتا تھا۔ لیکن تمہیں تو محبت اور فریب میں تمیز نہیں ہے۔ مجھے کہنے دو آسیہ! کہ محبت کی آڑ میں جو فریب ثاقب حسن نے تمہیں دیا' اس کی مثال شاید ہی کہیں ملے گی۔"

''تم......'' وہ کہنا چاہتی تھی کہ تم یہ سب کیسے جانتے ہو لیکن آواز ساتھ چھوڑ گئی۔ وہ خود ہی کہنے لگا۔

''جس روز تمہارے ساتھ یہ سب ہوا۔ اس سے اگلے دن میں تمہارے گھر گیا تھا۔ تم اس وقت گھر پر نہیں تھیں۔ شاید ثاقب حسن کے پاس اپنے بچے کے لیے جھولی پھیلانے گئی تھیں۔ تمہاری ملازمہ کی زبانی مجھے سارے حالات معلوم ہوئے۔'' اس نے چائے دم کرنے کے بہانے اس کی طرف سے رُخ موڑ لیا۔

''سنو! میرا مقصد تمہارا مذاق اُڑانا یا دل آزاری ہرگز نہیں۔ جو کچھ ہوا وہ واقعی باعثِ دکھ اور تکلیف ہے۔ اور میرے لیے دکھ کی بات یہ ہے کہ تم نے کبھی مجھ پر اعتماد کیا ہی نہیں۔'' اس کے خاموش رہنے پر کہنے لگا۔

''میں کتنی بار یہاں آیا اور منتظر رہا کہ تم اپنے دُکھ اپنی پریشانیاں مجھ سے کہو گی لیکن تم نے......''

''جواد......!'' اس نے اسے ٹوک دیا۔ ''جب میں کسی کی جھولی میں خوشیاں نہیں ڈال سکتی تو اپنے دکھ بھی کیوں ڈالوں۔''

''میں ''کسی'' نہیں ہوں آپیہ! اور کچھ بھی نہ سمجھو تمہارا خالہ زاد تو ہوں۔ کیا اس رشتے سے بھی انکار کرو گی؟'' وہ آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''اور سنو! میں نے اماں وغیرہ کو کچھ نہیں بتایا۔ اس لیے تم ایسے کسی خدشے میں مت گھرنا۔'' وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے چائے کی ٹرے اٹھا کر پلٹی تو وہ راستے میں کھڑا تھا۔

''لاؤ! میں یہ دے آؤں۔ تم یہیں رُکو۔'' وہ اس کے ہاتھوں سے ٹرے لیتا ہوا بولا۔ ''میں ابھی آ رہا ہوں۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

وہ چپ چاپ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ واپس آیا تو وہ یونہی اپنے ہی کسی خیال میں دروازے پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ اس نے پہلے کھانس کر متوجہ کیا۔ پھر کہنے لگا۔

''اب یہ بتاؤ تم نے اس سلسلے میں کیا قدم اُٹھایا ہے۔'' اب جب کہ وہ ساری باتیں جان ہی گیا تھا تو مزید کچھ چھپانا بے کار تھا۔ پھر بھی وہ توقف کر کے بولی۔

''مجھے صرف اپنا بچہ چاہیے اور میں اسی کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہوں۔ پہلے میں نے پھر دولہا بھائی نے ثاقب سے بات کی۔ وہ بچہ دینے پر آمادہ نہیں ہوا تو ہمیں کورٹ سے رجوع کرنا پڑا۔''

''اب کیا صورتِ حال ہے۔ میرا مطلب ہے کیس کتنا عرصہ چلے گا۔''

''بس اگلے ہفتے فیصلہ ہو جائے گا۔''

''کچھ اُمید ہے؟''

''ہاں انشاء اللہ بچہ مل جائے گا۔''

''اچھا!'' وہ خاموش ہو کر چائے پیتے ہوئے جانے کیا سوچنے لگا۔ اماں اسے آواز دے رہی تھیں۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔ خالی مگ ٹرے میں رکھ کر پلٹی تو خالہ اماں بولیں۔

''جواد کہاں ہے۔ اس سے کہو چلنے کی کرے۔''

''بیٹھیں آپا۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ گھر ہی تو جانا ہے۔'' پھر اماں اسے مخاطب کر کے بولیں۔ ''آپیہ تم چاول چڑھا دو...... اور''

''میں کھانا بنا لوں گی اماں......''

''ہمارے لیے مت بنانا۔''

''نہیں خالہ اماں آپ کھا کر جائیں گی۔'' اس نے کہا اور ان کا جواب سُنے بغیر وہاں سے چلی آئی۔ وہ اسی طرح اسٹول پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

''اماں چلنے کے لیے کہہ رہی ہیں؟''

''ہاں! مگر اماں نے روک لیا ہے۔ کھانا کھا کر جانا۔'' پھر وہ چاول نکال کر پیڑھی پر

بیٹھی اور چننے میں مصروف ہوگئی۔

''سنو! ایک بات کہوں' بُرا تو نہیں مانو گی؟'' وہ کچھ نہیں بولی' نہ ہی سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ لیکن چاولوں کی سطح پر رُکا اس کا ہاتھ اس بات کا غماز تھا کہ وہ اس کی بات سُننے کی منتظر ہے۔

''زندگی کا سفر نہ صرف بہت طویل ہے بلکہ بے حد کٹھن بھی۔'' وہ کہنے لگا۔'' اور خاص طور سے ایک تنہا عورت کے لیے اسے طے کرنا بہت دشوار ہے۔ ابھی تو کیونکہ نئی نئی بات ہے اس لیے تم نے بچے کے حصول کو ہی سب کچھ سمجھ کر یہ سوچ لیا ہوگا کہ بقیہ زندگی اسی کے سہارے کٹ جائے گی۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ بچہ دو دن یا دو سال میں بڑا نہیں ہو جاتا۔ اس کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوگی۔ جب کہ تم فطری طور پر کچھ عرصے بعد ہی کسی ساتھی کی ضرورت محسوس کرنے لگو گی۔'' اس نے شاید کچھ کہنے کے لیے سر اُٹھایا تھا لیکن وہ فوراً بول پڑا۔

''میری بات سے انکار مت کرنا۔ میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔'' اس نے دوبارہ سر جھکا لیا تو وہ کہنے لگا۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ جب تم اپنے بارے میں سوچو گی تو کیا بچہ تمہارے لیے مسئلہ نہیں ہوگا۔ میرا مطلب ہے' کوئی دوسرا شخص مشکل ہی اس بچے کو قبول کرے گا۔ بہتر ہے تم اسے ثاقب حسن کے پاس ہی رہنے دو۔''

''کیا......؟'' وہ چھرتی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''شاید میری بات قبل از وقت ہے لیکن نہیں آسیہ! ابھی مناسب وقت ہے۔ بچہ حاصل کرنے کے بعد جب زندگی میں کوئی ایسا مقام آئے کہ تم اسے دوبارہ ثاقب حسن کو لوٹانے سوچنے لگو تو اس سے بہتر یہی ہے کہ ابھی سے اس کا خیال دل سے نکال دو۔''

''واقعی جواد! تم مرد لوگ بڑے سنگدل ہوتے ہو۔'' وہ تاسف سے بولی۔'' کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ میں اس کا خیال دل سے نکال دوں۔ اس بچے کا جسے میں نے نو مہینے اپنے پیٹ میں

پرورش کیا اور جنم دینے کی تکلیف الگ......'' اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں اور گلا بھی رندھ گیا تھا۔ پھر بھی کہنے لگی۔

''میں ساری دُنیا کو بھلا سکتی ہوں لیکن اپنے بچے کو نہیں۔ تم اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔''

وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُٹھ کر اندر چلا گیا اور اس کی آنکھوں کا پانی قطرہ قطرہ چاولوں پر گرنے لگا تھا۔

☆☆☆

دو مہینے اس پر دو صدیاں بن کر گزرے تھے۔ گو کہ سب کے سامنے اس نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ ایک ایک پل اس نے کانٹوں پر بسر کیا ہے۔ فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی اور کورٹ نے اس کے حق میں فیصلہ سناتے ہوئے فوری طور پر بچہ اس کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ وہ بچے کو پا کر بے انتہا خوش ہوئی اور اسے سینے میں بھینچتے ہوئے اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ وہ وکیل کی فیس اور شکریہ ادا کر کے باہر نکلی تو کوریڈور میں ثاقب حسن کھڑا نظر آیا۔ شکست خوردہ اور کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح...... وہ لمحے بھر کو اس کے پاس رُک گئی۔

''ثاقب حسن! تمہاری تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ تم واقعی ایک کامیاب ایکٹر ہو۔ میں نے ان دو مہینوں میں بار ہا سنگ گزرے دو برسوں کو سوچا ہے اور کوئی ایک لمحہ میری گرفت میں نہیں آیا جو میں سمجھوں کہ تم نے مجھ سے محبت نہیں کی بلکہ فریب دیا...... سراسر دھوکا۔'' وہ گہرے دُکھ کے احساس میں گھر کر بولی۔'' اس کے باوجود ثاقب حسن میں یہ اعتراف کروں گی کہ یہی گزرے دو برس میری زندگی کا حاصل ہیں۔ کبھی کبھی جب زندگی میں فراغت کے چند لمحے میسر آئیں تو اس حرماں نصیب لڑکی کو سوچ لینا' جس سے تمہارا کوئی ناتا نہیں رہا لیکن وہ تمہارے بچے کی ماں ہمیشہ رہے گی۔'' وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ دزدیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کاش میں اس بچے کو تمہارے پاس چھوڑنے کا حوصلہ رکھتی تو اپنی محبت کا اس سے

اچھا تحفہ میں تمہیں اور کیا دے سکتی تھی بھلا۔"

"آسیہ!"

"ہاں ثاقب حسن! فریب تو تم نے دیا۔ میں نے تو سچ مچ کی محبت کی تھی اور اولیں محبت جو دل کی گہرائیوں سے کی جائے' وہ کبھی فنا نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ہستی فنا ہو جاتی ہے۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش گھلنے لگی تو وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پلکیں جھپکنے لگی۔

"سنو!" وہ کہنے لگا۔ "جن سے محبت کی جائے ان کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ پھر تم بچے کو چھین کر مجھے سزا کیوں دے رہی ہو؟"

"میں تمہیں سزا نہیں دے رہی۔ بس اس کے بنا مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ یہ دو ماہ جس طرح میں نے گزارے ہیں وہ میں جانتی ہوں یا میرا خدا۔" قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

"تم ثاقب حسن جان مانگتے' میں انکار نہ کرتی لیکن تم کلیجہ نکال کر کہتے ہو زندہ رہو۔ تم ہی بتاؤ بنا کلیجے کے کیسے زندہ رہوں!"

"اور میں لیلیٰ کو کیسے سمجھاؤں جو بچے کے لیے رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔ مجھ سے اس کے آنسو برداشت نہیں ہوتے۔"

"میرے خدا!" وہ ایک ہی دم ٹوٹ گئی۔ ان لمحوں میں جب کہ وہ اس کی آنکھوں میں ندامت کے چند موتی دیکھنا چاہتی تھی اور زبان سے فقط ایک لفظ سننے کی تمنا تھی جو اس کے لیے کہے لیکن وہ تو اس سے ایمانداری سے کیے گئے اعترافات کے بعد بھی لیلیٰ کی بات کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہے۔ "لیلیٰ کی آنکھوں سے گرتے پانی کا خیال ہے اور جو میری آنکھیں خون کے آنسو روتی رہیں' ان کا احساس کیوں نہ ہوا۔ لیکن یہ سب کہنا اپنے آپ کو مزید گرا دینا تھا۔ وہ اپنی بات کرتا تو شاید وہ گر جاتی لیکن لیلیٰ کے لیے گرنا کسی طرح منظور نہیں تھا۔ بڑے ضبط سے بولی۔

"لیلیٰ کے لیے کسی اور بچے کا انتظام کر دو۔ تمہارے لیے کیا مشکل ہے۔ ایک شادی ہی تو کرنی پڑے گی۔ لیکن سنو ثاقب حسن۔ اس بار پہلے ہی سے شرائط پر شادی برائے شادی طے کر

لینا۔ ورنہ محبتوں کی آنکھ مچولی بڑی مہنگی پڑے گی۔" پھر وہ رکی نہیں۔ اسے وہیں چھوڑ کر تیز قدموں سے چلتی ہوئی کوریڈور پار کر گئی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ شاید اسے اپنے ساتھ ہونے والے المیے کا احساس اب ہوا تھا۔ پہلے صرف بچے کے چھن جانے کا دکھ اور پھر اسے پا لینے کی جدوجہد میں وہ اپنے آپ کو فراموش کیے ہوئے تھی اور اب جب پا لیا تو احساس ہوا کہ وہ محبتوں میں اپنا آپ ہار آئی ہے۔

ثاقب حسن جسے اس نے تمام تر شدتوں کے ساتھ چاہا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اسے فریب دیتا رہا۔ اب بھی جوں کا توں اس کے دل میں موجود تھا۔

"اماں! میں لٹ گئی ہوں اماں۔" وہ اماں کی گود میں منہ چھپائے بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"بیٹا! کیسی باتیں کرتی ہو۔ شکر کرو جلد اس کے چنگل سے نکل آئیں ورنہ آگے جا کر پتہ نہیں وہ کیا کرتا اور پھر اب تو بچہ بھی مل گیا ہے تمہیں۔"

کیا مجھے صرف بچہ چاہیے تھا۔ اس نے سوچا اور دل میں درد کی لہریں اٹھنے لگی تھیں۔

موسم بدل گیا تھا۔ پہلے صرف رات میں ٹھنڈک ہوتی۔ اب دن میں بھی کچھ سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ صبح کے وقت ہلکی دھوپ میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔

اگلے دن وہ ناشتے کے بعد بچے کو لے کر دھوپ میں آ بیٹھی۔ اور ایک ٹک سے اسے دیکھتے ہوئے کھو سی گئی۔ بچہ ہاتھ پاؤں چلا کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اپنے ہی خیال میں گم تھی۔

"بیٹا! اسے تیل کی مالش کر دو۔" اماں تیل کی شیشی لیے اس کے پاس آ کر بولیں۔

"اور یوں گود میں لے کر مت بیٹھو۔ نیچے لٹاؤ گی تو خوب ہاتھ پاؤں چلائے گا۔" اس نے خاموشی سے بچے کو گدے پر لٹا دیا اور تیل کی شیشی لے کر کہنے لگی۔

"اماں! تیل آپ ہی لگا دیں۔"

"اچھا! ابھی تو میں سودا سلف لینے جا رہی ہوں۔ واپس آ کر لگا دوں گی۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے شیشی تخت پوش کے نیچے کھسکا دی۔ پھر اُٹھتے ہوئے بولی۔

"میں بچے کے لیے کچھ چیزیں لکھ کر دے رہی ہوں وہ بھی لیتی آئیے گا۔"

اس نے اندر جا کر ایک پرچی پر ساری چیزیں لکھ کر دیں اور آ کر پرچی کے ساتھ پیسے بھی اماں کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"یہ پیسے ابھی تم اپنے پاس رکھو۔"

"نہیں اماں!" اس نے اماں کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو فوراً پیچھے ہٹا دیا۔

"میں تو بوجھ بنی ہوں آپ پر۔ یہ بچہ......"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔" اماں نے ٹوک دیا۔ "اچھا تم بیٹھو میں آتی ہوں ابھی۔" اماں چادر سنبھالتی ہوئی چلی گئیں۔ اور وہ طویل سانس لے کر بچے کے پاس بیٹھ گئی۔ اور ابھی وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے باتیں کرنا ہی چاہتی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر پلٹ کر دیکھنے لگی۔ وہ لیلیٰ تھی جو دروازے میں رک کر شاید اندر آنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔ اس نے فوراً بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور تخت پوش سے اتر آئی۔ لیلیٰ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی۔ جب کہ اس نے اپنے قدم وہیں مضبوطی سے جما لیے تھے۔

"سنو! میں تمہارے در پر سوالی بن کر آئی ہوں۔" لیلیٰ نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس نے اس کی طرف سے پیٹھ موڑ لی۔

"یوں منہ مت موڑو۔ پہلے میری بات سن لو۔" لیلیٰ کے عاجزانہ لہجے پر اس کے اندر تلخی بھر گئی اور اس طرف پلٹی تو یہی تلخی اس کے ہونٹوں پر بھی تھی۔

"میں وہی معمولی سی لڑکی ہوں بیگم ثاقب حسن! جس کے بارے میں تم نے کہا تھا کہ یہ میری برابری ہرگز نہیں کر سکتی اور اس بچے نے میری ہی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ زیادہ دن نہیں

گزرے۔ تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ ثاقب حسن نے مجھ سے ناتا جوڑ کر تمہاری توہین کی ہے۔ اور تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں۔ اور یہاں آتے ہوئے تمہیں اپنی نام نہاد عزت اور اونچے اسٹیٹس کا خیال نہیں آیا۔ مجھے بتاؤ لیلیٰ بیگم! اس معمولی سے گھر کے معمولی دروازے سے نکلتے ہوئے تم اپنا چہرہ کس طرح چھپاؤ گی۔"

"پلیز......" لیلیٰ کے کمزور لہجے پر وہ چیخ پڑی۔

"تم شاید یہ کہنا چاہو گی کہ جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤں۔ ہرگز نہیں لیلیٰ بیگم، ہرگز نہیں۔ میرے جذبات، میرے احساسات، یہاں تک کہ میری زندگی سے کھیلے ہو تم لوگ۔ کھڑے کھڑے ثاقب حسن سے تین لفظ کہلوا کر تم نے تو میری دنیا ہی اندھیر کر دی۔ پھر اب کیا لینے آئی ہو؟"

"یہ بچہ مجھے دے دو۔" لیلیٰ کی ڈھٹائی پر وہ واقعی حیران رہ گئی۔ دل تو چاہا دھکے دے کر باہر نکال دے لیکن ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"بدلے میں کیا دو گی؟"

"جو تم مانگو گی، وہی دوں گی۔"

"جو مانگوں گی......؟" وہ اس پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"ہاں ہاں! جلدی کہو کیا چاہیے تمہیں۔" لیلیٰ کی بے صبری پر وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"ثاقب حسن۔"

"کیا مطلب......؟" لیلیٰ گڑبڑائی۔ "میرا مطلب ہے ثاقب حسن اب تمہارا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"وہ میرا ہو سکتا ہے یا نہیں، اس بحث کو چھوڑو۔ تم تو صرف اتنا کرو کہ جو تین لفظ تم نے ثاقب حسن کے منہ سے میرے لیے کہلوائے تھے، وہ خود اپنے لیے کہلوا دو۔ میں بچہ تمہارے حوالے کر دوں گی۔"

"کیا......؟" لیلیٰ کی چیخ نما آواز پر وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"اگر جو تم اپنا ظرف بڑا رکھتے ہوئے مجھ سے اس کی سائبانی نہ چھینتیں تو شاید میں تمہاری گود بھر دیتی۔ لیکن تم نے صرف اپنے لیے سوچا۔ مجھ پر کیا گزرے گی' اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں تھی۔ تم بھول گئی تھیں لیلیٰ بیگم کہ اوپر والا کبھی کبھی وقت کی لگام ہم غریبوں کے ہاتھوں میں بھی دے دیتا ہے۔ اور اب اس سے پہلے کہ میں تمہیں دھکے دے کر نکالوں' خود ہی چلی جاؤ اور آئندہ یہاں کا رُخ کبھی مت کرنا ورنہ......" اس نے ایک قہر آلود نظر اس خودغرض اور مفاد پرست عورت پر ڈالی۔ پھر ہونٹ بھینچتے ہوئے اندر چلی گئی۔ بچہ اس کے سینے میں چھپ کر سو گیا تھا۔ وہ اسے آرام سے بیڈ پر لٹا کر لحاف اوڑھا رہی تھی کہ کمرے سے باہر آہٹ سن کر فوراً سیدھی ہو گئی۔ پلٹ کر دیکھا' جواد آ رہا تھا۔ وہ طویل سانس لے کر پھر بچے پر جھک گئی۔ اسے اچھی طرح لحاف اُڑھا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ پوچھنے لگا۔

"یہ عورت کون تھی؟"

"کون......؟" وہ انجان بن کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ابھی جب میں آیا تو دروازے سے نکل رہی تھی۔"

"پتہ نہیں شاید کوئی مانگنے والی ہوگی۔"

"حلیے سے تو مانگنے والی نہیں تھی۔"

"اچھا! میں نے دیکھا نہیں۔ ہو سکتا ہے کسی اور گھر کی تلاش میں یہاں چلی آئی ہو۔ بہرحال تم بتاؤ کیسے آئے؟"

"مبارکباد دینے۔"

"کس بات کی؟" فوری طور پر وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

"بھئی تم نے کیس جیت لیا۔ بچہ تمہیں مل گیا تھا۔"

"کیا ہارا...... کیا جیتا۔" اس نے سوچا۔ پھر ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی۔

"شکریہ۔"

"صرف شکریے سے کام نہیں چلے گا۔ چائے اور چائے کے ساتھ بھی کچھ۔" پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ خالہ جان کہاں ہیں؟"

"یہیں قریبی مارکیٹ گئی ہیں' آتی ہوں گی۔ اچھا تم بچے کا خیال رکھو میں چائے بناتی ہوں۔"

"ابھی رہنے دو۔ خالہ جان آلیں پھر۔" اس نے روک دیا تو وہ جاتے جاتے پلٹ آئی۔

☆☆☆

وقت کا پہیہ کبھی نہیں رُکتا۔ اس کا کام چلتے رہنا ہے۔ سو اپنی مخصوص رفتار سے چل رہا تھا۔ اس کا بچہ عاقب سال بھر کا ہوا تو اس نے ایک قریبی اسکول میں جاب کر لی۔ اس نے ثاقب حسن سے کہا تھا کہ میرے لیے جینے کا آسرا یہی ایک بچہ ہے اور واقعی اس نے اپنی زندگی کو بچے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس کے لیے سوچتے ہوئے وہ اپنی ذات کو قطعی فراموش کر گئی تھی۔ اور پھر تقدیر نے جو مذاق اس کے ساتھ کیا تھا' اس کے پیشِ نظر تو وہ آئندہ بھی کبھی اپنے بارے میں سوچنے کے لیے تیار نہیں تھی اور دل بھی نادان تھا جو دھوکا کھانے کے باوجود گزرے ماہ و سال کو یاد کرتے ہوئے اسے آئندہ زندگی سے غافل کر رہا تھا لیکن اگر وہ اپنے آپ سے غافل تھی تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ سب ہی اس سے نظریں چرائے ہوئے تھے۔ اماں' سعدیہ آپا' دولہا بھائی' یہاں تک کہ ارم اور بلال کو بھی اس کی فکر تھی اور اپنے طور پر سب ہی اسے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اماں اکثر کہتیں۔

"میری زندگی کا کیا بھروسہ' میرے سامنے ہی تُو اپنے گھر کی ہو جاتی تو مجھے سکون ہو جاتا۔"

اور پھر اس کی فکر میں ہی اماں بیمار رہنے لگیں۔ اٹھتے بیٹھتے اس کے لیے کڑھنا اور آہیں بھرنا۔ پہلے پہل وہ چڑتی تھی اور انہیں ٹوک بھی دیتی لیکن اب ان کی حالت کے پیشِ نظر خاموش

رہتی۔اس دن سعدیہ آپا آئیں تو شاید اماں نے ہی ان سے کچھ کہا تھا جو وہ اسے گھیر کر بیٹھ گئیں۔

"آخر تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"آپا! ایک یہی سوال مت کیا کریں۔" وہ عاجزی سے بولی۔ "کتنی بار تو کہہ چکی ہوں کہ میں نے اپنے بارے میں نہ سوچا ہے اور نہ سوچوں گی۔"

"کیوں؟ آخر یہ پہاڑ سی زندگی کیسے کاٹو گی؟"

"عاقب ہے ناں!"

"تم تو ایسے کہتی ہو جیسے عاقب بہت بڑا ہو۔"

"بڑا بھی ہو جائے گا۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"منٹوں میں بڑا نہیں ہو گا۔ ایک طویل عرصہ چاہیے اور سنو آسیہ! یہی مناسب وقت ہے کیونکہ بچہ ابھی چھوٹا ہے اور ناسمجھ بھی۔ جو بھی اس کے سامنے آئے گا' وہ اسے ہی اپنا باپ سمجھے گا۔ ورنہ دوسری صورت میں اسے سمجھانا خود تمہارے لیے مشکل ہو گا۔" سعدیہ آپا اسے سمجھانے لگیں۔ "اماں کی حالت تم دیکھ رہی ہو۔ کم از کم ان کا ہی خیال کرو۔ وہ تمہیں اپنے گھر بار کا دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"آپ اماں کو سمجھائیں۔ وہ میری فکر میں گھلنا چھوڑ دیں۔ مجھے دوبارہ کسی گھر بار کی آرزو نہیں ہے۔"

"پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ آخر تم سمجھتی کیوں نہیں کہ آگے چل کر زندگی تمہارے لیے دشوار ہو جائے گی۔ ہمارے معاشرے میں ایک اکیلی عورت کسی طرح بھی فٹ نہیں ہوتی۔ لوگ جینا حرام کر دیتے ہیں۔ سو طرح کی باتیں' سو طرح کے طعنے۔"

"میں سب سہہ لوں گی آپا! بس آپ مجھے مجبور نہ کریں۔" وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے ہوئے بہت آزردہ نظر آ رہی تھی۔

"اور جو عاقب باپ کے بارے میں پوچھے گا تو اس سے کیا کہو گی۔" سعدیہ آپا کی اس

بات کا اس کے پاس جواب نہیں تھا اور اسے لاجواب دیکھ کر ہی سعدیہ آپا کہنے لگیں۔

"سنو! جواد نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ اگر تم....."

"آپا!" اس نے انہیں ٹوک دیا۔ "مجھے امتحان میں نہ ڈالیں۔ آپ نہیں سمجھتیں لیکن مجھے حالات نے اچھی طرح یہ بات باور کرا دی ہے کہ کوئی بھی مرد کسی بھی دوسرے مرد کی اولاد کو نہ محبت اور توجہ دے سکتا ہے اور نہ ہی اس سے انصاف کر سکتا ہے۔ اور میں آپا اپنے بچے کو ایسے حالات کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتی اور پھر میں خود کب کسی کے ساتھ انصاف کر سکوں گی۔ کیا یہ بددیانتی نہ ہو گی کہ دل تو ثاقب حسن کے سنگ گزرے ماہ و سال کو کھوجتا رہے اور میں....."

"آسیہ!" سعدیہ آپا کی حیرت میں ڈوبی آواز پر اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

"وہ کمینہ ثاقب حسن جس نے تمہیں دھوکا دیا۔ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر دو سال تک تمہیں جھوٹی محبتوں کا فریب دیتا رہا' اور تم اب بھی انہی ماہ و سال کو کھوجتی ہو.....!"

"ہاں!" اس اعتراف کے ساتھ ہی آنکھیں چھلک پڑیں۔ "میں نے کب اس کے فریب کو جانا۔ میں تو آنکھ بند کر کے اس کا یقین کرتی رہی اور پھر آپا بات ثاقب حسن کی نہیں میری ہے۔ میں جو اس سے محبت کرتی تھی اور کرتی ہوں۔"

"شاباش ہے بی بی تم پر۔ اس مکار کی مکروہ شکل دیکھنے کے بعد بھی کہتی ہو کہ اس سے محبت کرتی ہوں۔"

"میں کیا کروں آپا.... ؟ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ہزار کوشش کے باوجود میں دل میں اس کے لیے نفرت پیدا نہیں کر سکی۔ اور پھر کیا یہ ضروری ہے کہ ہم محبت اس سے کریں جو ہمیں دل و جان سے چاہتا ہو۔ کبھی کبھی راستے میں کانٹے بچھانے والے بھی عزیز ہو جاتے ہیں۔"

"بکومت!" سعدیہ آپا کو غصہ آ گیا۔ اسے ڈانٹتے ہوئے بولیں۔

"خبردار! آئندہ جو اس کا نام بھی تمہاری زبان پر آیا اور اب تک تم نے بہت اپنی من مانی کر لی۔ اب ہم تمہارے لیے جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ غضب خدا کا' میں تو سمجھ رہی تھی

تم اس اکیلے سے خوفزدہ ہو کر اپنے لیے نہیں سوچ رہیں لیکن یہاں تو......'' باقی بات انہوں نے بڑبڑانے کے انداز میں کہی تو اس نے چہرہ گھٹنوں میں چھپالیا۔

☆☆☆

وہ بات جو وہ اپنے آپ سے بھی چھپاتی تھی' اس روز بلا ارادہ یا بے اختیاری میں زبان پر آ کر سعدیہ آپا کے سامنے اس کا اندر عیاں کر گئی تھی۔ کہ وہ اب بھی ثاقب حسن کو سوچتی ہے۔ اور سعدیہ آپا کو موقع مل گیا تھا۔ پہلے جو دبے دبے الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تھیں' اب ملامت کرتے ہوئے بچے کا احساس دلاتیں۔

''اپنے لیے نہیں' بچے کے لیے سوچو۔ جیسے جیسے بڑا ہوگا' اس کی شخصیت مسخ ہوتی جائے گی۔ اور تم کیسی ماں ہو جو بچے سے نظریں چرا کر ماضی کی تلخ یادوں میں گم رہنا چاہتی ہو۔''

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ بچے سے غافل ہو۔ بچہ اس کے لیے جان سے بڑھ کر تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اسے ثاقب حسن سے چھیننے کی سعی نہ کرتی۔ بس اس دن بے اختیاری میں کہی گئی بات اس کے لیے الزام بن گئی۔ اور سعدیہ آپا کی ملامتوں کے آگے ہتھیار ڈال کر اپنا اختیار انہیں سونپتے ہوئے وہ بچے کی ہی خاطر اپنے آپ کو نظر انداز کر گئی۔

''سعدیہ آپا! جو آپ کا دل چاہے کریں لیکن صرف وہی شخص جو میرے بچے کو قبول کرے گا۔''

اپنی طرف سے اس نے کڑی شرط رکھی تھی کیونکہ یہاں اس کے پیشِ نظر ثاقب حسن کی ذات تھی۔ اس نے سوچا' جب ثاقب حسن جیسا شخص لیلیٰ ہی کی خاطر سہی' کسی اور کے بچے کو قبول نہیں کر سکا تو پھر کوئی دوسرا بھی نہیں کرے گا۔ اور اس روز جب جواد نے اس سے آئندہ کے بارے میں سوال کیا تو اس نے بڑی سہولت سے جواب دیا۔

''تم جانتے ہو میری زندگی کا محور میرا بچہ ہے اور میں کچھ بھی سوچتے ہوئے پہلے اس کی ذات کو مدِنظر رکھوں گی۔ اور جہاں تک آئندہ زندگی کا سوال ہے تو میں اس شخص سے شادی کروں

گی جو نہ صرف یہ کہ میرے بچے کو قبول کرے گا بلکہ اسے باپ کا پیار بھی دے گا۔''

اس کا جواب سن کر جواد سر جھکا کر جانے کیا سوچنے لگا تھا اور اس نے یہ بات جواد کے لیے نہیں کہی تھی۔ اور نہ ہی اسے سنانے کے لیے۔ اس لیے کام میں مصروف ہو کر غور ہی نہیں کیا کہ وہ شش و پنج میں مبتلا ہو کر جانے کیا سوچ رہا ہے۔ بہت دیر بعد جب وہ یونہی چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا' تب بھی اس نے خیال نہیں کیا تھا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے وہ مطمئن ہونے لگی تھی۔ یہ خدائی فوجدار جو اپنے آپ کو کائنات کی سب سے افضل مخلوق سمجھتے ہوئے بڑے سورما بنتے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایسا جی دار نہیں ہے جو ایک معصوم کی ذمہ داری قبول کر سکے۔

''ہونہہ!'' کتنی ڈھیر ساری تلخی اس کے اندر بھر جاتی تھی۔ ''یہ نفس کے غلام جو ایک عورت کی جا و بے جا خواہشات کا انبار کاندھوں پہ لادتے پھرتے ہیں۔ ایک معصوم کا ذرا سا بار اٹھانے سے قاصر ہیں۔''

''میری جان!'' وہ بچے کو بازوؤں میں لے کر بھینچ لیتی۔

''میں زمانے کے سارے سرد و گرم اپنی ذات پر سہہ کر تمہاری حفاظت کروں گی۔ اور تم کسی پر بوجھ کیوں ہو گے بھلا۔ تمہارے باپ نے ہی تمہارے لیے اتنا کچھ کر دیا ہے کہ مجھے تمہارے لیے کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔''

اس نے جب سے سعدیہ آپا کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے وہ کئی جگہ اس کے لیے بات کر چکی تھیں۔ دو تین بار تو کچھ خواتین گھر پر بھی آئی تھیں لیکن بات بنی نہیں۔ اس روز بھی سعدیہ آپا نے کہلوا بھیجا تھا کہ وہ شام میں کچھ خواتین کے ہمراہ آئیں گی۔ وہ کم عمر لڑکی نہیں تھی اور نہ ہی نئے ارمانوں والی بات تھی۔ اس لیے اس نے سرسری انداز سے سنا اور کوئی نوٹس نہ لیتے ہوئے اپنے روزمرہ معمولات میں مصروف رہی۔ جبکہ اماں اپنے طور پر تیاری میں لگی تھیں۔ عصر کے وقت جواد آیا (وہ اکثر اسی وقت آیا کرتا تھا) وہ اس وقت اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔

"مجھے بھی ملے گی؟" وہ کچن کے دروازے سے جھانک کر پوچھنے لگا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" اس نے اسٹول دروازے کے قریب کھینچ دیا اور ریک پر سے اس کے لیے کپ اتارنے لگی۔

ابھی وہ دونوں چائے پی ہی رہے تھے کہ سعدیہ آپا خواتین کے ساتھ آ گئیں۔ خواتین کو اندر اماں کے پاس چھوڑ کر سعدیہ آپا کچن میں آئیں تو اسے گھر کے حلیے میں دیکھ کر بگڑنے لگیں۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی؟"

"کس لیے؟" وہ الٹا انہی سے پوچھنے لگی۔

"آسیہ! تم اب نا سمجھ بچی نہیں ہو جو تمہیں ہر بات سمجھانی پڑے۔" سعدیہ آپا بگڑ گئیں۔

"کیا تم نہیں جانتیں کہ ایسے موقعوں پر کیا کیا جاتا ہے؟"

"آپا.....!" وہ ہنس پڑی۔

"آپ کا مطلب ہے میں اپنے آپ کو سجا بنا کر ان کے سامنے پیش کروں۔ یعنی میں مطلقہ اور ایک بچے کی ماں.....!"

"آسیہ!" آپا نے ٹوک دیا۔

"بننے سنورنے کو کون کہہ رہا ہے لیکن کم از کم کپڑے تو ڈھنگ کے پہن لو۔"

"کیا مسئلہ ہے؟" جواد کچھ تو سمجھ گیا تھا پھر بھی پوچھنے لگا۔

"کچھ خواتین اس کے رشتے کے لیے آئی ہیں۔ تم ہی بتاؤ کیا یہ اس طرح ان کے سامنے جاتی اچھی لگے گی؟" آپا نے کہا تو وہ بے حد خاموش نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر فوراً سنبھلتے ہوئے بولا۔

"نہیں آپا! اس طرح تو جو بات بننی ہوگی وہ بھی نہیں بنے گی۔"

"اور کیا.....!"

"اچھا! آپ جائیں میں آ جاؤں گی۔" وہ اکتا کر بولی اور کیتلی میں مزید پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دیا۔

"چائے میں بنا لوں گی تم اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔" سعدیہ آپا نے اسے کلائی سے پکڑ کر کچن سے باہر دھکیل دیا تو وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ کپڑے تو نہیں بدلے' بس بالوں میں برش کر کے بڑا سا دوپٹہ اوڑھ لیا اور وہیں سے ڈرائنگ روم میں چلی گئی تاکہ سعدیہ آپا کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملے۔

کافی دیر بعد جب وہ دوبارہ کچن میں آئی تو اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ پیشانی پر ناگواری کی لکیریں تھیں۔ اور ضبط کی جانے کن منزلوں سے گزر رہی تھی کہ چہرہ سرخی مائل ہو گیا تھا۔ جواد کچھ دیر تک اس کا جائزہ لیتا رہا' پھر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیسا رہا؟" اور وہ شاید اس کے پوچھنے کی منتظر تھی' فوراً کہنے لگی۔

"بڑی دلچسپ بات ہے۔ پہلی بار ایسے لوگ آئے ہیں جنہیں مجھ سے زیادہ بچے سے دلچسپی ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے' تم بھی تو یہی چاہتی ہو۔"

"پہلے پوری بات تو سنو۔" اس نے ٹوک دیا۔

"خواتین بچے کے بارے میں کریدنے لگیں۔ سنا ہے بچے کا باپ بہت امیر آدمی تھا۔ کچھ جائیداد وغیرہ تو اس کے نام کی ہوگی۔ اور بچے کی آڑ میں اس کی جائیداد کے بارے میں سوالات۔ میرے خدا! اتنی حریص خواتین ہیں کہ میں بتا نہیں سکتی۔ اب بتاؤ بھلا وہ میرے بچے کی ذمہ داری قبول کریں گی یا بچے سے اپنی ذمہ داریاں اٹھوائیں گی۔"

"تم نے کیا کہا؟" وہ اس کی ساری باتیں نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میں نے صاف کہہ دیا کہ بچے کی کوئی جائیداد نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا باپ خرچ

کے نام پر ایک دھیلا ہی دیتا ہے۔"

عورت کو ناقص العقل یونہی نہیں کہا گیا۔ ہزار اپنے آپ کو طرم خان پوز کرے' کہیں نہ کہیں مات ضرور کھا جاتی ہے۔ وہ بھی جو باتیں ان خواتین سے چھپا آئی تھی' وہ جوش جذبات میں جواد کے سامنے کہتے ہوئے اپنے آپ کو بہت باکمال ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم ہی بتاؤ! اگر میں انہیں یہ بتا دیتی کہ بچے کے لیے ویل ڈیکوریٹڈ اپارٹمنٹ' گاڑی اور بینک میں اتنا کچھ ہے کہ وہ ساری زندگی کسی پر بوجھ نہیں بن سکتا تو کیا وہ خواتین اس لالچ میں فوراً رشتہ منظور نہ کر لیتیں؟" قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

"بچے کا باپ تو اب بھی ہر مہینے اس کے اکاؤنٹ میں اتنا کچھ ڈال دیتا ہے کہ ان کا پورا ٹبر پل جائے۔"

"پھر تم ایک اسکول میں معمولی سی تنخواہ پر جاب کیوں کرتی ہو؟"

"ظاہر ہے میری اپنی بھی ضروریات ہیں۔"

"وہ اس سے بھی تو پوری ہو سکتی ہیں؟"

"نہیں جواد! میں ثاقب حسن کے پیسے کو اپنے لیے جائز نہیں سمجھتی۔ جب اس سے کوئی ناتا ہی نہیں رہا تو کیا حق ہے میرا۔ البتہ بچے کی تمام ضروریات میں اسی کے پیسوں سے پوری کرتی ہوں۔ اور پھر یہ بچے کا حق بھی ہے۔ میں اسے اس کے جائز حق سے کیوں محروم کروں۔" وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر کہنے لگا۔

"ایک بات بتاؤ آسیہ! کیا اب بھی تمہیں ثاقب حسن کا خیال آتا ہے؟"

اس کی دھڑکنوں نے شور مچا دیا۔ "ہاں...... ہاں...... ہاں۔" لیکن سعدیہ آپا کی دھمکی اور پھر عاجزی سے سمجھانا۔

"خبردار آسیہ جو بات میرے سامنے کہی ہے کسی اور کے سامنے مت دہرانا۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ اگر دل میں کوئی بات ہے بھی تو اسے اپنے تک رکھو۔" اس نے

دھڑکنوں کے شور پر کان نہیں دھرے۔

"نہیں جواد! مجھے اس کا خیال کبھی نہیں آتا۔ اگر کبھی بھولے بھٹکے خیال آ بھی جائے تو سوائے گالیوں کے منہ سے اور کچھ نہیں نکلتا۔" اس نے طویل سانس لے کر دیوار سے سر ٹکا لیا۔

پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ خالہ اماں ایک بار پھر جواد کے لیے سوالی بن کر آ گئیں۔ اماں تو بے انتہا خوش ہوئیں کیونکہ پہلے بھی ان کی یہی خواہش تھی جبکہ وہ حیران اور بے یقینی کی کیفیت میں کتنی دیر تک کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جواد نے اچانک اس سے شادی کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ پہلے وہ اس کا طلب گار ضرور تھا اور وہ جانتی تھی کہ اسے پسند بھی کرتا ہے لیکن جب سے وہ دوبارہ اس گھر میں آئی تھی تب سے اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ نا سا لیے دیے سا رہتا ہے۔ گو کہ اس سے بات بھی کرتا اور کافی دیر اس کے پاس بھی بیٹھتا تھا لیکن اس کے کسی انداز سے کبھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ اب بھی اس سے شادی کر سکتا ہے۔ زیادہ سوچا تو یہی بات سمجھ میں آئی کہ خالہ اماں کی محبت جاگی ہوگی اور انہوں نے ہی جواد کو مجبور کیا ہوگا۔ اس نے سوچا' وہ جواد سے پوچھے گی۔ اگر واقعی وہ مجبور ہو کر شادی پر آمادہ ہوا ہے تو ایک بار پھر وہ خود انکار کر دے گی۔

اگلے دن چھٹی تھی۔ وہ ہفتے بھر کے جمع کپڑے دھو کر دھوپ میں ڈال رہی تھی جب وہ آیا۔ وہ بے خیالی میں اس کی طرف دیکھے گئی۔

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ قریب آتے ہوئے بولا۔

"کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟" وہ کچھ نہیں بولی۔ خالی ٹب اُٹھا کر باتھ روم چلی گئی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی تو وہ وہیں کھڑا تھا۔

"ارے دھوپ میں کیوں کھڑے ہو؟ اندر چلو!" وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا اندر آ گیا۔

"خالہ جان نہیں ہیں؟" وہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ارم کی طرف گئی ہیں۔ اصل میں عاقب تنگ کر رہا تھا' اسے بہلانے کی خاطر لے گئی

ہیں۔تم چائے پیو گے؟''

''اس وقت نہیں۔'' وہ خاموشی سے بچے کی پھیلائی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔اس کام سے فارغ ہوئی تو اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ایک دم سے کہہ گئی۔

''کل خالہ اماں آئی تھیں۔'' وہ اس کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو۔''پھر؟''

''ایک بات بتاؤ جواد! خالہ اماں خود سے آئی تھیں یا تم نے بھیجا تھا؟''

''میں نے بھیجا تھا۔'' وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''لیکن جواد یہ اچانک فیصلہ؟'' وہ پلکیں جھکاتے ہوئے بولی۔

''میں تو گزشتہ ڈیڑھ سال سے یہاں ہوں اور اس تمام عرصے میں تمہیں خیال کیوں نہیں آیا؟''

''مجھے شروع دن سے خیال تھا آسیہ! لیکن میں مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔'' اس کی وضاحت طلب نظروں کے جواب میں کہنے لگا۔

''میں چاہتا تھا کہ تم مکمل طور پر ثاقب حسن کے سحر سے آزاد ہو جاؤ' پھر تمہاری طرف بڑھوں اور اس دن جب تم نے کہا کہ تمہیں اس کا خیال تک نہیں آتا۔تب میں نے سوچا' شاید میں اسی وقت کے انتظار میں تھا۔'' اس کے اندر شور برپا ہو گیا تھا۔وہ جانتی تھی کہ جب بھی ثاقب حسن کا نام آئے گا' اس کے اندر اسی طرح شور اُٹھے گا اور وہ دبا نہیں سکے گی۔

''کچھ کہو گی نہیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا' تب وہ بمشکل اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔

''تم نے اچھی طرح سوچ لیا ہے ناں!''

''کیا سوچنا تھا مجھے؟'' وہ اُلٹا اسی سے پوچھنے لگا۔

''یہی کہ میرے ساتھ بچہ بھی ہے اور تم.....''

''تم مجھے بچے سمیت قبول ہو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔''اس کے علاوہ بھی تمہارے دل میں کوئی خدشہ ہے تو نکال باہر کرو۔کیا تم نہیں جانتیں کہ تم ہمیشہ سے میری اولین

رہی ہو۔''

''کوئی کھو کر پا لیتا ہے اور کوئی پا کر کھو دیتا ہے۔شاید یہی زندگی اور اسی کا نام دنیا ہے۔'' اس نے آزردگی سے سوچا تھا۔

☆☆☆

اس کی دوسری شادی تھی لیکن جواد تو خالہ اماں کا ایک ہی بیٹا تھا۔اور وہ اپنے سارے ارمان اسی پر نکالنا چاہتی تھیں۔اس لیے تاریخ طے ہوتے ہی انہوں نے زور و شور سے تیاری شروع کر دی تھی۔اور بار بار اماں سے بھی کہا کہ ''میں شادی دھوم دھام سے کروں گی' تم بھی یہ مت سوچنا کہ آسیہ کی دوسری شادی ہے تو یونہی سادگی سے رخصت کر دو گی۔''

خالہ اماں کی بات ٹھیک تھی۔اور اماں بھی کہتی تھیں کہ جواد ان کا ایک ہی بیٹا ہے۔اور دوبارہ تو یہ موقع آئے گا نہیں۔اس لیے خالہ اماں کی خواہش کے پیشِ نظر اماں بھی جو کچھ بن پڑ رہا تھا کر رہی تھیں۔اسے اس سارے معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔اگر اس کے اختیار میں ہوتا یا پھر اماں اور سعدیہ آپا اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتیں تو شاید وہ دوبارہ کبھی شادی کے لیے نہ سوچتی۔اور ایسی صورت میں جبکہ ثاقب حسن اپنی تمام تر خود غرضیوں اور فریب کاری سمیت اس کے دل میں موجود تھا تو یہ نیا بندھن باندھنا اور بھی مشکل لگ رہا تھا۔کاش اس کا دل ثاقب حسن کا اصلی چہرہ دیکھتے ہی متنفر ہونے کے ساتھ اس سے نفرت کرنے لگتا تو آئندہ زندگی اس کے لیے آسان ہو جاتی۔لیکن شاید آسانیاں اس کے نصیب میں ہی نہیں تھیں۔بہر حال اب جبکہ وہ سمجھوتہ کر چکی تھی تو کوشش بھی کر رہی تھی کہ ثاقب حسن کے خیال کو جھٹک کر جواد ربانی کو سوچے' جس کے ساتھ اس نے اپنی عمر تمام کرنی تھی۔اور ایک طویل عمر صرف سمجھوتے کی بنیاد پر تو نہیں گزاری جا سکتی تھی۔

وقت سے کوئی بعید نہیں۔یہ تو اکثر پہلو بدلتا ہے۔آج جبکہ مجھے جواد ربانی کی صرف ...ائی کا اعتراف ہے کہ وہ میرے بچے کے سر پر دستِ شفقت رکھ رہا ہے۔ہو سکتا ہے کبھی وقت

اس طرح پہلو بدلے کہ میں اس کی محبت کا اعتراف بھی کرنے لگوں۔ اس نے اپنے آپ کو سمجھایا اور زبردستی اپنے آپ کو اماں اور سعدیہ آپا کی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر آمادہ کیا۔

اماں نے اس کے کچھ کپڑے درزی کو دیے ہوئے تھے۔ اس روز وہ خود فارغ نہیں تھیں۔ اس لیے اس سے کہا کہ وہ درزی کے پاس سے کپڑے بھی لے آئے اور دوپٹوں کے لیے جیسی پسند کرے بیلیں یا گوٹا کناری لیتی آئے۔ اور وہ جب جا ہی رہی تھی تو سوچا بچے کے لیے بھی کچھ خریداری اسی وقت کر لے۔ بعد میں ابتدائی چند مہینے تو یقیناً اسے بچے کیلئے کچھ کرنے کا موقع نہیں ملے گا کیونکہ سعدیہ آپا نے اسے سمجھا دیا تھا کہ جب تک خالہ اماں اور جواد بچے کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے اسے گھر کے فرد کی حیثیت نہ دینے لگیں، تمہیں بچے کی طرف سے ذرا محتاط رہنا ہوگا ورنہ تمہاری بچے کو غیر معمولی اہمیت تمہاری زندگی کو تلخ بنا سکتی ہے۔ گو کہ یہ صورتِ حال اس کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ لیکن جب اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ ہی دیا تھا تو اماں اور سعدیہ آپا کی نصیحتوں پر آنکھ بند کر کے عمل کرتی جا رہی تھی۔

بچے کو اس نے ساتھ لے لیا۔ گو کہ ابھی وہ ناسمجھ تھا۔ پھر بھی اس نے سوچا' وہ جس چیز کی طرف اشارہ کرے گا' وہ اسے وہی لے کر دے گی۔ ظاہر ہے بچے کے لیے اس کے پاس پیسوں کی کمی بھی نہیں تھی۔ اس لیے درزی سے اپنے کپڑے وغیرہ لے کر وہ سیدھی طارق روڈ چلی گئی۔ ایک دکان پر سیلز مین سے بچے کے لیے دونوں موسموں کے سوٹ نکلوا کر وہ ابھی منتخب کر ہی رہی تھی کہ اطراف پھیلتی مانوس مہک نے اسے چونکا دیا۔ فوری طور پر سر اُٹھا کر ادھر اُدھر نہیں دیکھا بلکہ یقین کرنے لگی کہ وہی ہے یا کوئی اور اس کی مہک چرا لایا ہے۔

''آسی!'' اس پکار نے یقین بخشا تو وہ فوراً پلٹ کر دیکھنے لگی اور اس کے دیکھنے سے وہ شرمندگی محسوس کرتا ہوا بولا۔

''آئی ایم سوری۔'' شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس طرح پکارنے کا حق کھو چکا ہے۔ اس پر سے نظریں ہٹا کر بچے کو دیکھنے لگا جو اس کی ٹانگوں سے لپٹا کھڑا تھا۔

''یہ عاقب ہے..... عاقب حسن۔'' وہ اس انداز سے بولی جیسے کہہ رہی ہو یہ تمہارا بیٹا ہے۔ پھر رُخ موڑ کر بچے کے لیے سوٹ پیک کروانے لگی۔ دوسرا سیلز مین اسے مزید سوٹ دکھانے لگا۔ ساتھ ساتھ مخصوص جملے بھی بول رہا تھا۔

''واش اینڈ ویئر..... کبھی خراب نہیں ہوگا۔ اس کی کوالٹی دیکھیں وغیرہ وغیرہ۔'' وہ بظاہر کپڑے دیکھ رہی تھی لیکن اس کا سارا دھیان اپنے پیچھے تھا۔ جہاں ثاقب حسن جگہ کا خیال کیے بغیر فرش پر گھٹنے ٹیکے بچے سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''بس یہ سب رہنے دیں۔'' اس نے شاپنگ بیگ اُٹھائے اور پے منٹ کر کے پلٹی تو ثاقب حسن کھڑا ہو گیا اور بہت خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا ہوا دکان سے باہر آیا۔

''آسیہ! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں بچے کے لیے کچھ شاپنگ کر لوں؟'' وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھنے لگی اور وہ جانے کیوں اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ کاش وہ اس کی بات رد کر سکتی اور اس کی طرح سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے بچے کا ہاتھ نکال کر اس کے سامنے دندناتی ہوئی چلی جاتی۔

''آیئے!'' اسے خاموش پا کر وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے بچے کا ہاتھ تھامے چل پڑا۔ اور وہ کسی معمول کی طرح اس کے ہمقدم ہو گئی۔ پھر اسے کچھ خبر نہیں وہ کہاں کہاں رُکا اور کیا کیا خریدا۔ وہ تو جیسے خواب میں چل رہی تھی۔ اس کی سنگت میں گزرے دو برسوں میں بار ہا اس نے تصور کیا تھا کہ ثاقب حسن وہ خود اور دونوں کے درمیان ایک بچہ مضبوط کڑی کی صورت اور جب تصور نے حقیقت کا روپ دھارا تو سب کچھ ویسا ہی تھا لیکن کڑی نہیں تھی۔ دونوں کسی ندی کے کناروں کی طرح ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور وہ جانتی تھی کہ ایک عمر کی مسافت کے بعد بھی وہ اس سے مل نہیں پائے گی۔

''سنبھل جاؤ آسیہ!'' اس نے اپنے آپ کو سرزنش کی۔ ''اب جب کہ تم کچھ ہی دنوں میں جواد ربانی کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہی ہو تو اس شخص کو قصہ پارینہ سمجھ کر کہیں چھوڑ

دو۔

"میں اب چلوں گی۔" وہ اندر کی آوازوں سے گھبرا کر ایک دم بول پڑی۔ اور قدم روک کر اس کی طرف دیکھا۔ اتنے ڈھیر سارے پیکٹوں کے ساتھ ساتھ بچے کا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

"کیسے جائیں گی؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ٹیکسی لے لوں گی۔" وہ ادھر اُدھر نظریں دوڑاتی ہوئی بولی۔

"گاڑی کہاں ہے آپ کی؟"

"میں نے تمہاری بخشی ہوئی ساری چیزیں بچے کے لیے سنبھال رکھی ہیں۔ جب یہ بڑا ہوگا تو......"

"آسیہ!" اس نے ٹوک دیا۔ "میں نے وہ سب کچھ آپ کے لیے کیا تھا۔"

"میرے لیے......؟" وہ زیر لب بڑبڑائی اور چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اب بھی اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ قدرے جھکا ہوا سر اور نظریں اس کے پیروں کے آس پاس کہیں بھٹکتی ہوئیں۔ اس کی آنکھوں میں اور اس کی پیشانی پر ندامت کے موتی چمکتے ہوئے صاف نظر آ رہے تھے۔

"میرے خدا! کیا واقعی ثاقب حسن اپنے کیے پر نادم ہے۔" اس نے سوچا۔

"میرا مطلب ہے ابھی بھی تو بچہ آپ کے ساتھ ہے۔ جب تک یہ گاڑی چلانے کے قابل ہو تب تک تو آپ ہی......" وہ اس کی وضاحت سے گھبرانے لگی اور گزرتی ٹیکسی کو آواز دے ڈالی۔ اس نے سارے پیکٹ سیٹ پر پھینکے اور بچے کو گود میں اُٹھا لیا۔ وہ کچھ دیر تک اسے بچے کو بے تحاشا پیار کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پھر اسے لینے کو ہاتھ بڑھا دیے۔

گھر میں داخل ہوئی تو سعدیہ آپا اور ارم بھی موجود تھیں۔ اس نے ساری چیزیں بیڈ پر پھینکیں اور خود بھی وہیں گر سی گئی۔

"ہیں! تم درزی کے پاس گئی تھی یا......" اماں اتنی ڈھیر ساری چیزیں دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"میں ذرا آگے بھی چلی گئی تھی اماں۔" وہ بچے کو اپنے پاس لٹا کر تھپکنے لگی۔ بیچارہ تھک گیا ہوگا' اتنا چلا ہے۔

"کیا کچھ خرید ڈالا؟" ارم اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"بچے کا سامان ہے۔ کپڑے اور دوسری چیزیں۔"

"اتنا کچھ صرف بچے کے لیے......!" سعدیہ آپا نے حیرت سے کہا تو وہ شاکی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپا آپ ہی کہہ رہی تھیں کہ بعد میں مجھے کچھ عرصے کے لیے بچے اور اس کی ضروریات کو اہمیت نہیں دینی۔ اس لیے میں نے ابھی اس کے لیے اتنا کچھ خرید لیا ہے کہ سال دو سال تک کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" سعدیہ آپا اپنی جگہ چور سی بن کر خاموش ہو رہیں جبکہ اماں کہنے لگیں۔

"بیٹا! سعدیہ نے یونہی تمہیں سمجھانے کو ایک بات کہی ہوگی۔ ورنہ جواد گھر کا لڑکا ہے اور اب اُمید ہے تمہارے بچے کو اپنے بچے کی طرح ہی سمجھے گا۔" وہ کچھ نہیں بولی۔ بچے کو چادر اوڑھا کر بہت آہستگی سے اس کے پاس سے اُٹھ آئی۔

"اگر بازار جانا تھا تو بچے کو یہیں چھوڑ جاتی۔ خواہ مخواہ اسے اتنا تھکا ڈالا۔"

"یہاں سے تو ارادہ نہیں تھا اماں۔ سوچا تھا درزی کے پاس سے ہو کر واپس آ جاؤں گی۔ بس اچانک ہی خیال آیا تو چلی گئی۔" وہ سارے پیکٹ ارم کے آگے رکھ کر خود بھی اس کے پاس آ بیٹھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ثاقب حسن نے بچے کے لیے کیا کیا لیا ہے۔ اس لیے ایک ایک چیز نکال کر اماں' آپا اور ارم کو دکھانے کے بہانے خود بھی دیکھنے لگی۔

"اس میں کیا ہے؟" ایک بڑا سا پیکٹ اُٹھا کر ارم نے کھولا تو اس میں بیش قیمت

ساڑھی تھی۔وہ خود بھی دیکھ کر حیران ہو گئی۔

''اچھا کیا جو اپنے لیے بھی لے لی۔'' اماں کہہ رہی تھیں۔سعدیہ آپا تعریف کر رہی تھیں۔اور وہ اپنے آپ میں بڑا عجیب محسوس کرتے ہوئے باتھ روم کے بہانے وہاں سے اُٹھ آئی۔

رات جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو ثاقب حسن کا بدلا بدلا روپ اسے الجھاتا رہا۔وہ اس کے خیال کو جھٹکنا چاہتی تھی لیکن ذہن آپ ہی آپ اسے سوچتا چلا گیا۔

''میں نے وہ سب کچھ آپ کے لیے کیا تھا۔'' بار بار اس جملے کی بازگشت اسے اپنے آس پاس سنائی دیتی رہی۔

''میں کیا کروں؟'' بالآخر تھک کر اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔اس کے اور میرے بیچ خلیج حائل ہو چکی ہے۔پھر میں اسے کیوں سوچتی ہوں۔میرے ساتھ تقدیر نے ایسا مذاق کیوں کیا۔اگر ایسا ہونا ہی تھا' سب کچھ چھننا ہی تھا تو پھر ثاقب حسن کی محبت کیوں رہ گئی۔میرا دل اس کے لیے سخت کیوں نہیں ہو جاتا۔میں اس سے متنفر کیوں نہیں ہو جاتی۔وہ بے آواز آنسوؤں سے رونے لگی۔

''میرے خدا! مجھ سے میرا حافظہ چھین لے۔ورنہ جھوٹی محبتوں کا جو فریب ثاقب حسن نے مجھے دیا۔میں بھی اسی جرم کی مرتکب ٹھہروں گی جواد ربانی کو اپنی جھوٹی محبتوں کا فریب دے کر......اور اللہ میاں میں ایسا نہیں چاہتی۔میں کسی کو فریب نہیں دینا چاہتی۔'' وہ یونہی روتے اور اپنے آپ کو سمجھاتے سمجھاتے سو گئی تھی۔

☆☆☆

یہ چند دن جنہیں وہ طویل کر دینا چاہتی تھی' یوں گزرے کہ پتہ بھی نہیں چلا۔اور وہ ایک بار پھر ایجاب و قبول کے مرحلے سے گزر کر آسیہ جواد ربانی بن گئی۔

جواد نے جو اسے اپنی اولین تمنا کہا تھا' وہ غلط نہیں تھا۔اس کے ہر انداز سے ظاہر تھا کہ

وہ اسے پا کر بے حد خوش ہے۔اور اس نے برملا اظہار بھی کیا۔

''آسیہ! میں نارسائیوں کے کرب سے گزر کر تم تک آیا ہوں۔تم شاید اندازہ نہ کر سکو کہ میرے لیے کائنات کے سارے رنگ ماند پڑ گئے تھے۔یہاں تک کہ مجھے اپنی زندگی ہی بے مقصد نظر آنے لگی تھی۔کبھی کبھی میں سوچتا' شاید میری محبتوں میں کوئی کمی رہ گئی ہے جو تم یوں مجھ سے دور ہو گئی ہو لیکن اب میں نے جانا کہ کمی میری محبتوں میں نہیں تھی۔بس قدرت کو میری آزمائش منظور تھی۔'' اس کا حنائی ہاتھ تھام کر بولا۔

''میں جانتا ہوں' فطری طور پر تمہیں میری محبتوں کا یقین مشکل ہی آئے گا لیکن تم آسیہ! ایک عمر مجھے آزمانے میں مت گنوا دینا۔'' وہ اس کے ہاتھوں پر پیشانی ٹکا کر رو پڑی۔

''جواد! میں نے کتاب زندگی کے ایک باب کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔تم پلیز اسے کبھی مت چھیڑنا۔اور جہاں تک تمہاری محبتوں پر یقین کا سوال ہے تو اس کے لیے مجھے ایک عمر گنوانے کی ضرورت نہیں ہے۔میں اب بھی تمہارا یقین کرتی ہوں۔'' وہ خاموشی سے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا رہا تھا۔

پتہ نہیں وہ سچ کہہ رہی تھی یا محض اس کی دل آزاری کے خیال سے اسے یقین بخش رہی تھی۔بہر حال ان اولین لمحوں میں جو کچھ ارادی یا غیر ارادی طور پر اس کی زبان سے ادا ہوا اس پر اسے قائم رہنا تھا۔ویسے بھی وہ فطرتاً ایسی نہیں تھی کہ کسی کو دھوکہ دے یا فریب میں رکھے۔بس یہاں تک تو معاملہ ایسا تھا کہ اسے خود اپنے آپ پر اختیار نہیں تھا۔حالانکہ وہ بہت پہلے سے کوشش کر رہی تھی کہ اپنی کتاب زندگی کے اس باب کو ہمیشہ کے لیے بند کر دے جس کے ہر ہر لفظ میں جھوٹ اور فریب کو اس نے نہایت ایمانداری سے رقم کیا تھا۔اور پھر ہر دوسرے مقام پر ایسی ہوا چلتی کہ کتاب زندگی کے اوراق پھڑ پھڑاتے ہوئے اس بند کیے ہوئے باب کو نظروں کے سامنے لے آتے۔بہر حال.....اب جب کہ جواد کے سنگ نئی زندگی کا آغاز کر ہی چکی تھی تو اپنے آپ کو بہلانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

شروع کے چند دن بلکہ پورا ایک مہینہ اماں نے اسے سمجھا کر بچے کو اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ گو کہ جواد نے شاید اس کی خاطر سرسری طور پر ایک دو بار اماں سے کہا کہ وہ بچے کو لے جاتے ہیں لیکن اماں نے مصلحتاً اسے نہیں بھیجا' یہ کہہ کر کہ وہ ایک دم سے اکیلی ہو جائیں گی۔ بچے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ دوسرے تیسرے دن وہ جواد کے ساتھ شام میں کچھ دیر کے لیے آتی تو بچے سے مل لیتی تھی۔ جواد کے سامنے وہ ضبط کا دامن نہیں چھوڑتی تھی لیکن جہاں موقع ملتا اماں سے اُلجھ پڑتی۔

''میں نے پہلے سے طے کیا تھا اور اسی شرط پر شادی کی تھی کہ بچہ میرے ساتھ رہے گا۔ پھر آپ اسے کیوں نہیں لے جانے دیتیں......؟''

''بیٹا! تمہارا ہی بچہ ہے۔'' اماں اسے سمجھاتیں۔

''اور میں ہمیشہ اسے اپنے پاس نہیں رکھوں گی لیکن مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ابھی یہ کچھ وقت میرے پاس ہی رہے۔ کیا تم نہیں جانتی کہ ابتدائی دنوں میں مرد کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا جبکہ بچہ ابھی اتنا چھوٹا ہے کہ کوئی کام خود سے نہیں کر سکتا۔ اسے مکمل توجہ چاہیے اور تمہاری مکمل توجہ یقیناً تمہیں جواد کی طرف سے غافل کر دے گی اور یہ وہ کبھی برداشت نہیں کرے گا۔''

''لیکن اماں! میرا دھیان ہر وقت اسی کی طرف رہتا ہے۔''

''بس کچھ دن...... جب تک جواد چھٹی پر ہے۔ جیسے ہی وہ آفس جانے لگے تم اسے لے جانا کیونکہ پھر تمہیں سارا دن بچے کے لیے مل جائے گا۔''

اس نے یہاں بھی اماں کی بات مان لی۔ اصل میں پہلی بار جب اس نے اماں کی بات رد کر کے بلکہ سب کے خدشات کو جھٹلا کر اپنی من مانی کرتے ہوئے ثاقب حسن کا ہاتھ تھاما تھا تو اب شاید وہ تلافی کر رہی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ یہ اس کی آزمائش ہے۔ اور وہ کوشش اور صبر سے ہی اس سے نکل سکتی ہے۔

پھر جیسے ہی جواد کی چھٹی ختم ہوئی اور اس نے آفس جانا شروع کر دیا۔ تو وہ بچے کو اپنے ساتھ لے گئی۔ بقول اماں اور سعدیہ آپا کے اسے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اس نے ان کی

اس بات کو بھی پلو سے باندھ لیا۔ صبح جب تک جواد آفس کے لیے نہ نکل جاتا' وہ اس کے گرد منڈلاتی رہتی۔ آفس کی تیاری میں مدد' ناشتہ اور اس کی ایک ایک چیز اُٹھا کر اس کے ہاتھ میں دینا۔ اس دوران کئی بار بچہ اس کے راستے میں آتا لیکن وہ بہت آرام سے اسے کنارے بٹھا دیتی۔ اور پھر جواد کے نکلنے کے بعد ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوتی تھی۔ پتہ نہیں اتنا سا بچہ واقعی ماں کی مجبوری کو سمجھتا تھا یا ہر احساس سے عاری تھا کہ جہاں وہ بٹھا دیتی' بیٹھ جاتا۔ وہ کھانا کھلا دیتی تو کھا لیتا' ورنہ خاص طور پر کسی چیز کے لیے مچلتا نہیں تھا۔ دو سال کا ہو رہا تھا لیکن ابھی تک کوئی لفظ نہیں بولتا تھا۔ اسے تشویش تو تھی لیکن اماں کا کہنا تھا کہ بعض بچے دیر سے بولتے ہیں۔ شام میں جب جواد آتا' تب بھی وہ اسے خاص اہمیت دیتی۔ اس کے ہر کام سے فارغ ہونے کے بعد ہی وہ اطمینان سے بیٹھتی تھی۔ پھر بھی بارہا ایسا ہوتا کہ جب وہ بچے کو کھانا کھلا رہی ہوتی' جواد اسے پکارنے لگتا۔ اس کے کپڑے بدل رہی ہوتی' تب جواد کی پکار۔ اسے سلانے کے لیے تھپک رہی ہوتی تب جواد آواز پر آواز دیے جاتا' یوں جیسے کوئی بہت ضروری کام ہو۔ وہ بھاگ کر جاتی۔

''کیا کر رہی ہو؟'' وہ پوچھتا۔

''بچے کو کھانا کھلا رہی تھی۔'' یہ جرم نہیں تھا لیکن اسے لگتا جیسے وہ کسی بہت بڑے جرم کا اعتراف کر رہی ہو۔

''اچھا پہلے اسے کھلا لو۔'' وہ بے نیازی سے احسانِ عظیم کرتا اور وہ مرے مرے قدموں سے وہیں سے پلٹ جاتی۔

پہلے پہل اس نے اتفاق جانا کہ جواد انجانے میں اسے پکار لیتا ہے۔ لیکن ہر بار اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ غور کرنے لگی۔ اور پھر جان گئی کہ جواد جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے اور پھر محض اپنا ہاتھ اوپر رکھنے کی خاطر کوئی ایسا جملہ کہہ دیتا ہے کہ وہ اس کی ممنون نظر آنے لگے۔ شروع میں وہ واقعی اس کی ممنون ہوئی لیکن اب جبکہ جان گئی تھی تو جب بھی وہ آواز دیتا' اس کے ہاتھ سے ضبط کا دامن چھوٹنے لگتا۔ دل چاہتا وہیں بیٹھے بیٹھے کہہ دے کہ میں نہیں آ سکتی۔ یا پھر بچے سے فارغ

ہونے کے بعد ہی آؤں گی۔ لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ اتنی جلدی زندگی میں تلخیاں گھلنے لگیں۔ اس لیے اپنے آپ کو سمجھا لیتی۔ کچھ وقت اور شاید جواد کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے لیکن جواد کو اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا۔ وہی ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھی۔ اس سے تو کچھ نہیں کہا۔ اماں اور سعدیہ آپا کو گھیر لیا۔

''کیا جرم تھا میرا......؟ یہی ناں کہ میں نے آپ لوگوں کی بات نہ مان کر ثاقب حسن سے شادی کی تھی۔ اور یہ کوئی اتنا بڑا جرم تو نہیں تھا اماں...... کہ جس کی پاداش میں آپ لوگوں نے مجھے اتنی بڑی سزا دے ڈالی۔ میں اگر بچے کو نظر انداز کرنے کا حوصلہ رکھتی تو اسی وقت اسے ثاقب حسن کے پاس کیوں نہ چھوڑ دیتی۔ مجھے بتائیں اماں میں کیا کروں؟ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا۔ آپ سمجھائیں جواد کو، ورنہ کسی دن میں خود اس کا گریبان پکڑ لوں گی کہ جب نبھا نہیں سکتا تھا تو کیوں بچے کو قبول کیا؟''

''آرام سے بیٹا آرام سے۔'' اماں نے اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ایک حد ہوتی ہے اماں برداشت کی! جواد حد سے بڑھ رہا ہے۔ آپ سن لیں۔ مجھے اپنے بچے سے بڑھ کر کسی کا خیال نہیں۔ اگر جواد نے اپنا رویہ نہ بدلا تو میں بچے کو لے کر......''

''آسیہ......!'' سعدیہ آپا نے ٹوک دیا۔

''کیسی باتیں کرتی ہو۔ ابھی تمہاری شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے۔ ہر بات معمول پر آتے کچھ وقت تو لگتا ہی ہے۔ یوں جذباتی ہو کر مت سوچو۔ اور ایسی صورت میں کہ ایک بار تمہارے ساتھ المیہ ہو چکا ہے تو اب تو تمہیں مزید پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ پہلی بار تو لوگوں نے ثاقب حسن کو الزام دیا۔ اب لوگ تمہیں طعنوں کی زد پر رکھ لیں گے۔''

''میں سب سہہ لوں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''کہنا آسان ہے۔ خیر چھوڑو! ذرا تحمل سے میری بات سنو۔'' سعدیہ آپا اپنے دوپٹے

سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''اب تم پھر ماں بننے والی ہو۔ اور مجھے یقین ہے جب جواد کا اپنا بچہ ہوگا تو اسے تمہارے بچے کا بھی احساس ہوگا۔ اور وہ اسے اتنی ہی اہمیت دے گا۔''

''سعدیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' اماں نے تائید کی۔ پھر رازداری سے پوچھنے لگیں۔ ''یہ بتاؤ! جواد تمہارے ساتھ کیسا ہے؟''

''میرے ساتھ تو بہت اچھا ہے۔ خیال بھی بہت رکھتا ہے لیکن......''

''چلو بچے کے ساتھ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ فکر مت کرو۔'' اماں کو اس کی طرف سے اطمینان ہوا تو اسے بھی مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ ایک بار پھر سعدیہ آپا کی بات مان کر اس وقت کا انتظار کرنے لگی، جب جواد خود بچے کا باپ بن کر اس کے بچے کو بھی محبت دینے لگے۔ اور اسی آس میں اس نے اپنے گرد ضبط کے کڑے پہرے بٹھا دیے تھے۔ خالہ اماں البتہ اس کے ساتھ بہت تعاون کر رہی تھیں۔ اور شاید عورت ہونے کے ناتے ہی اس کے احساسات اور اس کی مجبوریاں سمجھتی تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ جواد کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ بچے کو نظر انداز کر دیتی ہے اور ایک ماں کبھی بھی خوشی سے بچے کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس لیے اس وقت میں ہمیشہ بچے کو اپنے پاس بلا لیتیں۔

اس روز وہ جواد کے ساتھ اپنے ہونے والے بچے کے لیے خریداری کر رہی تھی۔ جواد بے حد خوشگوار موڈ میں تھا۔ وہ اکثر ہی جب وہ تنہا اس کے ساتھ ہوتی تھی تو خوشگوار موڈ میں ہی ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ہر چیز بڑے شوق سے خرید رہا تھا کہ ایک جگہ اسے عاقب کے لیے ٹرائی سائیکل دیکھتے ہی وہ الجھ گیا۔

''چلو اب چلتے ہیں۔'' اس نے اپنے خیال میں اس کے لہجے پر غور نہیں کیا۔ ... ... بنی تھی۔

"میرا خیال ہے عاقب پرانی سائیکل پر بیٹھ سکے گا۔"

"اوہو! چلو بھی۔ یہ سب بعد میں لے لینا۔" وہ اس کا ہاتھ کھینچ کر دوسری طرف لے گیا' تب وہ کچھ بھی تو دل چاہا کہہ دے۔۔۔

"جوادربانی! اس بچے کی پرانی سائیکل کے لیے تمہاری جیب سے کچھ نہیں لوں گی۔" وہ کچھ نہیں بولی لیکن اب اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ اپنے آپ کو اس سے بہت دور محسوس کر رہی تھی۔

عجیب موڑ آ گیا تھا اس کی زندگی میں۔ جو واقعی اسے زندگی کا حاصل سمجھتا تھا اور اب بچے کے ساتھ اس کا رویہ دیکھ کر وہ یہ سمجھنے پر مجبور تھی کہ جواد نے محض اس کے حصول کی خاطر بچے اپنانے کی حامی بھری تھی۔ ورنہ وہ بچے کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس مقام پر اسے ثاقب حسن یاد آیا جس نے کہا تھا۔

"میں کسی دوسرے بچے سے نہ پیار کر سکوں گا نہ انصاف۔"

وہ لیلیٰ کی محبت ہی نہیں' عشق کا دعویدار تھا۔ اور اس کی خاطر اپنا آپ لٹانے کو تیار۔ اس کے باوجود وہ کسی معصوم کے ساتھ ناانصافی کرنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس نے میرے ساتھ محبت کی آنکھ مچولی کھیلی۔ مجھے فریب دینا منظور کر لیا۔ جانتا تھا ناں کہ میں تو پھر بھی زندگی میں کہیں نہ کہیں ایڈجسٹ ہو جاؤں گی لیکن پیار کی محرومی اور ناانصافیوں کا شکار ہو کر کوئی بھی معصوم بچہ کبھی زندگی میں کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

"اور ثاقب حسن۔" وہ بلا ارادہ ہی اسے سوچ گئی۔

"جو بات تم نے کسی غیر کے بچے کے لیے پسند نہیں کی' اس کا شکار خود تمہارا اپنا بچہ ہو رہا ہے۔ کیا تم اسے بچا سکتے ہو؟"

"کاش! میں اس بچے کو تمہارے پاس چھوڑنے کا حوصلہ رکھتی تو اپنی محبت کا اس سے اچھا تحفہ میں تمہیں اور کیا دے سکتی تھی بھلا۔" اس نے ثاقب حسن سے کہا تھا۔ اپنی بات یاد آئی تو

اپنا محاسبہ کرنے لگی۔

"ہاں! میں اب بھی یہی کہوں گی کہ میری تمام زندگی کا حاصل وہ دو برس ہیں۔ جو میں نے ثاقب حسن کی سنگت میں گزارے۔" اس نے اپنے آپ سے اعتراف کیا۔

"باوجود اس کے کہ وہ مجھے فریب دیتا رہا لیکن دو برسوں میں کسی ایک پل اس نے مجھے احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ دھوکا دے رہا ہے۔ اور میں بہت پرسکون ہو کر اس کے سنگ چلتی رہی۔ اتنی پرسکون تو میں زندگی میں کبھی نہیں ہوئی۔ پھر کیسے نہ میں ان دو برسوں کو زندگی کا حاصل کہوں۔ جب نہ کوئی خوف تھا نہ کوئی دھڑکا اور نہ کوئی اذیت۔ اور اب تو میں جوادربانی کی محبتیں پا کر بھی اذیتوں کے پل صراط پر کھڑی ہوں۔

اور ثاقب حسن! تمہارا اصلی چہرہ دیکھنے کے بعد بھی میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں کسی نہ کسی پہلو سے سرخرو کرنے کی کوشش کرتی رہی ہوں اور آج تم سچ مچ اس پہلو سے سرخرو ہو گئے ہو کہ تم ایک عورت کی محبت میں مجبور ہو کر کسی معصوم کی دل آزاری کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اور آج جب میری زندگی کی ناؤ کو کسی حد تک کنارا مل گیا ہے...... میں جوادربانی کی محبتوں میں ہاری نہیں ہوں لیکن ہار ضرور جاؤں گی۔ اس لیے کہ میرے ساتھ تو وہ شروع دن سے مخلص ہے۔ اور جن محبتوں میں خلوص کی چاشنی ہو' وہ ایک نہ ایک دن ضرور مقابل کو زیر کر لیتی ہیں۔ اور جس دن میں زیر ہو گئی' اس دن جوادربانی اپنی محبتوں میں سرخرو ہو جائے گا۔ کسی مقام پر تم سرخرو ہوئے اور کسی مقام پر جوادربانی...... اور تم دونوں کے درمیان میں اور میرا بچہ۔ وہ غیر جانبداری سے سوچنے لگی۔

"جس دن میں جوادربانی کی محبتوں میں ہاری' میرے دل سے ہر کسک' ہر خلش آپ ہی آپ مٹ جائے گی اور پھر بچہ......" اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"کیا وہ ہمیشہ اس ہاتھ کا منتظر رہے گا جو شفقت سے اس کے سر پر آ ٹھہرے۔

نہیں! اس کے سر پر ٹھہرنے والا دست شفقت موجود ہے۔ میں اسے اس سے محروم نہیں کروں

گی۔ بس حوصلہ ہی تو چاہیے اور کیا میں بچے کی خاطر اپنے اندر یہ حوصلہ پیدا نہیں کر سکتی۔ جب کہ یہ خدشہ بھی نہیں ہے کہ وہ دوسری عورت لیلیٰ اپنے بچوں کو میرے بچے پر ترجیح دے گی۔ کیونکہ اس کی خالی گود تو اب تک کسی بچے کی منتظر ہے۔ اور ثاقب حسن اس سے بے پناہ محبت کرنے کے باوجود کسی اور کے بچے کو اس کی گود میں نہیں ڈالے گا بجز اپنے بچے کے۔'' اس کی آنکھوں میں ٹھہری ساری نمی پلکوں سے نیچے ڈھلک آئی۔ اس مقام پہ وہ صرف ماں بن کر بچے کی بہتری سوچ رہی تھی۔

نہ گئے دنوں کی رخصت ہوتی محبتیں تھیں اور نہ نئی جگہ بناتی چاہتیں۔ اور ممتا کا گلا گھونٹنا آسان نہیں تھا لیکن کبھی کبھی بچے کی خاطر ماں کو زہر کا پیالہ پینا ہی پڑتا ہے۔ سو اس نے بھی اس کی خاطر جدائی کا زہر پینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

صبح جب وہ جواد کو آفس کی تیاری میں مدد دے رہی تھی تو حسب معمول پہلے اس نے بچے کو کنارے بٹھا دیا تھا لیکن پتہ نہیں کب وہ اپنی جگہ سے اتر کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھا۔ وہ الماری سے جواد کے کپڑے نکال کر لائی' وہ ساتھ تھا۔ وہ اس کے موزے اور رومال اسے تھما رہی تھی' تب بھی وہ ٹانگوں سے لپٹا جا رہا تھا۔

''یہ تم کیا ہر وقت اپنی ماں کے ساتھ لگے رہتے ہو؟'' جواد نے پیر میں موزہ ڈالتے ہوئے اتنی اونچی آواز میں کہا کہ بچہ سہم کر اس کے پیچھے ہو گیا۔ وہ پہلے تو کچھ سمجھی ہی نہیں۔ پھر بھی خاموشی سے بچے کو اٹھا کر اسی جگہ پر بٹھا دیا۔

''ایک تو گونگا کچھ بولتا ہی نہیں۔'' اس کے کہنے پر وہ فوراً بول پڑی۔

''نہیں جواد! یہ گونگا نہیں ہے۔ اماں کہتی ہیں کچھ بچے ایسے ہی دیر سے بولتے ہیں۔''

''کتنی دیر سے اور پھر جو بچے نہیں بولتے وہ بھی اماں اماں تو کرتے ہی ہیں۔ یہ تو کوئی آواز ہی نہیں نکالتا۔'' وہ خاموش ہو رہی۔ اب اس سے کیسے کہتی کہ تم نے کبھی اس پر غور ہی نہیں کیا ورنہ ایسی بات نہ کرتے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ وہ اماں کے بجائے پاپا کہتا ہے۔

جواد کے آفس جانے کے بعد وہ پہلے بچے سے فارغ ہوئی۔ اس کے بعد روزمرہ کے کام نمٹانے لگی اور جب خالہ اماں سودا وغیرہ لانے چلی گئیں تو اس نے دروازہ اچھی طرح بند کیا۔ پھر آ کر ثاقب حسن کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''ہیلو آسیہ!'' ثاقب حسن نے جیسے بہت بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔

''مسز آسیہ جواد!'' اس نے اپنی حیثیت واضح کر دینی مناسب سمجھی۔

''مسز آسیہ......!'' وہ شاید زیرِ لب بڑبڑایا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

''کہیے...... کیسے یاد کیا؟''

''ثاقب حسن! اگر تمہیں یاد ہو تو میں نے کہا تھا کہ کاش میں بچے کو تمہارے پاس چھوڑنے کا حوصلہ رکھتی تو بچہ تمہارے پاس رہنے دیتی۔''

''نہیں۔'' وہ جانے کس خیال میں نہیں کہہ گیا۔

''کیا نہیں... کیا تمہیں یاد نہیں ہے؟''

''میرا مطلب ہے جو کچھ آپ اس وقت کہہ رہی ہیں' اس وقت ایسا نہیں کہا تھا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ واقعی نہیں سمجھی۔

''میرا مطلب ہے جو کچھ آپ نے کہا تھا اس کا ہر لفظ مجھے ازبر ہے۔ اگر نہیں تو دہرا دوں؟'' اس کے خاموش رہنے پر کہنے لگا۔

''آپ نے کہا تھا کاش میں بچے کو تمہارے پاس چھوڑنے کا حوصلہ رکھتی تو اپنی محبت کا اس سے اچھا تحفہ میں تمہیں اور کیا دے سکتی تھی بھلا۔''

''محبتیں فنا ہو گئی ہیں ثاقب حسن!''

''ارے آپ نے تو غالباً اسکے برعکس کچھ کہا تھا۔''

''میری بات چھوڑو۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''میں نے اس وقت بچے کے سلسلے میں کہا ہے۔''

"بچہ ٹھیک تو ہے ناں!"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"پھر؟"

"میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ میں نے اپنے اندر بچے کو تمہارے پاس چھوڑنے کا حوصلہ پیدا کر لیا ہے۔"

"آسیہ!" وہ شاید حیران ہو گیا تھا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا ثاقب حسن! کہ جتنا وقت میں تم سے بچہ چھیننے میں صرف کروں گی اتنے وقت میں تو میں نئی زندگی میں قدم رکھ کر مزید بچے پیدا کر سکتی ہوں۔ اس وقت اگر میں سہولت سے تمہاری بات سُن اور سمجھ لیتی تو شاید مان بھی لیتی لیکن میں بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ اور اب جب کہ میں نئی زندگی میں قدم رکھ چکی ہوں اور کچھ ہی وقت ہے کہ ایک اور معصوم فرشتہ میری گود میں آ سمائے گا تو مجھے تمہاری تہی دامنی کا خیال آ رہا ہے۔"

"کیا واقعی یہی بات ہے؟"

"ہاں اور کیا بات ہو گی بھلا؟" وہ اُلٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"صاف گوئی کے لیے معذرت چاہوں گا مسز آسیہ۔" وہ کہنے لگا۔ "جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ کے شوہر نامدار نے بچے کو قبول نہیں کیا ہو گا۔"

"میرے خدا!" اب حیران ہونے کی باری اس کی تھی۔ پھر بھی فوراً سمجھتے ہوئے بولی۔

"تم غلط سمجھے ہو۔ ایسی بات نہیں ہے۔ بچہ اب بھی میرے پاس بیٹھا ہے۔" وہ اپنی نئی زندگی کے خار دار راستے اسے دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

"پھر آپ بچے سے دستبردار کیوں ہو رہی ہیں۔ بخدا میں نے تو آپ کو مجبور نہیں کیا۔"

"میں نے کہا ناں! مجھے تمہاری تہی دامنی کا خیال آیا۔" وہ اُلجھ کر بولی۔

"نہیں مسز آسیہ! میں یہ ماننے کے لے تیار نہیں ہوں۔ آپ یا تو اپنی پہلی بار

اعتراف کریں کہ اپنی محبت کا تحفہ دے رہی ہیں یا پھر جو میں نے کہا ہے اسے تسلیم کریں۔"

"تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟" وہ ہنس پڑا۔

"دونوں سے......"

"تو پھر جاؤ...... تمہیں بچہ نہیں ملے گا۔"

"آسیہ پلیز! فون بند مت کریں۔" وہ اس کا ارادہ بھانپ کر فوراً بولا۔ پھر اس کی موجودگی کا یقین کر کے کہنے لگا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے آپ سے بحث نہیں کرنی چاہیے تھی۔" وہ خاموش رہی۔

"یہ بتایئے! میں بچے کو لینے کب آؤں اور کیا مجھے آپ کے نئے گھر آنا پڑے گا۔"

"نہیں! میری والدہ کا گھر دیکھا ہے ناں آپ نے۔ کل دوپہر میں وہیں آ جایئے گا۔"

"بہت بہت شکریہ آسیہ......! اور کیا آپ کچھ دیر کے لیے میری بات سُنیں گی؟" پتہ نہیں وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ ریسیور پر گرفت مضبوط کیے خاموش بیٹھی رہی۔

"میں واقعی بچے کی بہت ضرورت محسوس کرنے لگا تھا۔" وہ کہنے لگا۔

"لیلیٰ کے لیے نہیں، خود اپنے لیے۔ اور اس وقت آپ جو احسان مجھ پر کر رہی ہیں اسے میں زندگی بھر کسی طرح بھی نہیں اُتار سکتا۔ بس اتنا کہوں گا آسیہ! کہ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اس احسان کے بدلے نہیں بلکہ اپنے بچے کی ماں کی حیثیت سے اور یقین کریں آسیہ...... مجھے اپنے بچے کی ماں ہر موڑ پر یاد آئی۔ یہ بات میں آپ کو اس دن بھی بتانا چاہتا تھا جس دن آپ سے طارق روڈ پر ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن خاموش اس لیے رہا کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں بچے کے حصول کی خاطر ایک بار پھر آپ کو فریب دے رہا ہوں۔"

"میرے خدا! اب یہ اعتراف کیوں کر رہا ہے؟" اس نے دُکھ کے احساس میں گھر کر

"میں حقیقتاً بہت ندامت محسوس کرتا رہا اور اپنے آپ کو ملامت بھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

''اس تمام عرصے میں کوئی ایک پل سکون کا میسر نہیں آیا۔ لیلیٰ کی محبتوں کے باوجو
اور مجھے لگتا ہے یہ سزا اوپر والا مجھے دے رہا ہے۔ آپ کی دل آزاری کے عوض اور اس روز آسیہ میں
آپ کے سامنے اپنے گناہِ عظیم کا اعتراف کرتے ہوئے تلافی کا راستہ بھی بتانا چاہتا تھا کہ دوبار
مجھ تک آنے کے لیے جو راستہ ہمارے مذہب نے مخصوص کیا ہے۔ آپ اس پر چلنے کا حوصلہ پیدا کر
لیں۔ میں بڑھ کر آپ کو تھامنے کا حوصلہ رکھوں گا۔''

''ثاقب حسن...!'' اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی اور آنکھوں میں ٹھہرے
موتی ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے باہر نکلتے چلے آئے۔

''لیکن میں آپ سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ ایک تو آپ اتنی لاتعلق سی رہیں۔ دوسرے یہ
خیال رہا کہ آپ کو میری ہر بات دھوکا اور فریب لگے گی کہ میں محض بچے کے حصول کی خاطر......''
قدرے توقف کے بعد کہنے لگا۔

''اور آسیہ! بچہ مجھے دینے کے بعد بھی کوئی پرابلم ہو تو میرے دروازے کھلے ہیں۔ لیکن
جو معصوم فرشتہ تمہاری گود میں آنے والا ہے اسے وہیں چھوڑ کر آنا کیونکہ تم جانتی ہو ناں کہ میں کسی
دوسرے کے بچے کے ساتھ انصاف کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔''

وہ جواس کی باتوں سے ایک بار پھر بہکنے لگی تھی۔ اپنے آپ کو مذہب کے مخصوص کیے
راستے پر چلتا محسوس کرتے تصوراتی آنکھ سے دوسری طرف اسے دیکھ رہی تھی اور قریب تھا کہ ایک ہی
جست میں بقیہ راستہ پھلانگ کر اس کی طرف جانے کا فیصلہ کرتی کہ اس کی آخری بات پر ایک دم
ہوش میں آ گئی۔ اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''کمینے' بدذات' دھوکے باز۔'' وہ جو منہ میں آیا کہتی گئی۔

''یہ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان کے دل' ان کے ذہن ایک ہی مٹی سے
بنائے گئے ہیں۔ جن میں ایک ہی طرح کی سوچیں جنم لیتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ثاقب حسن
علی الاعلان دوسرے کے بچے کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اور جواد ربانی میں یہ حوصلہ نہیں۔ اور

ناموں کے فرق نے ہی ان کی شخصیتوں کو قدرے مختلف رنگ دے دیا ہے۔ ورنہ تو یہ سب ایک
سے ہیں۔ بدذات' کمینے اور دھوکے باز۔''

''پاپا!'' بچہ اس کا چہرہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں تھام کر معصومیت سے بولا۔
شاید وہ اس کے رونے سے پریشان ہو گیا تھا۔

''میری جان!'' اس نے بچے کو بازوؤں میں بھینچ لیا۔

''میں صرف تمہاری بہتری کے لیے اور تمہاری شخصیت کو مسخ ہونے سے بچانے کے
لیے تمہیں بھیج رہی ہوں' ورنہ کبھی اپنے سے جدا نہ کرتی۔''

''پاپا!'' بچہ یہی ایک لفظ بولتا تھا۔

''ہاں بیٹا! اپنے پاپا کے پاس جاؤ گے۔'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔ ''وہ
تمہیں بہت پیار کریں گے۔ بہت ساری چیزیں دیں گے' پھر جب تم بڑے ہو جانا تو اپنے ہاتھوں
سے ایک گھر بنانا۔ بہت مضبوط سا گھر۔'' وہ اس وقت ایسی ہی باتیں کر سکتی تھی۔

''یہ سب تو کانچ کے گھروندے ہیں میری جان! ان میں ہم دونوں ایک ساتھ نہیں رہ
سکتے۔ کبھی دیواریں چٹخنے لگتی ہیں اور کبھی چھت۔ اور تم ایسا مضبوط گھر بنانا میرے بچے... جس کی
چھت تلے ہم دونوں رہ سکیں۔''

''پاپا...!'' بچے کا قصور نہیں تھا۔ وہ اس لفظ کے سوا اور کچھ نہیں بول سکتا تھا۔ اور فوری
طور پر اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی' جبھی دانت پیس کر بولی۔

''پاپا کو گولی مارو! بس ہم دونوں رہیں گے۔''

رات میں وہ سب کاموں سے فارغ ہو کر اطمینان سے بچے کی چیزیں سمیٹتی پھر رہی
تھی۔ کچھ دیر تک جواد اسے اِدھر سے اُدھر آتے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر ناگواری سے کہنے لگا۔

''آخر تم کن فضول کاموں میں اُلجھی ہو؟''

''کیوں... تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟'' وہ اطمینان سے پوچھنے لگی۔

''کوئی کام ہوگا جب ہی تمہیں بلاؤں گا .... ؟''

''نہیں ..... ویسے بھی بلا سکتے ہو۔ لیکن ابھی کیونکہ میں اپنا کام کر رہی ہوں' اس لیے فضول تمہارے پاس نہیں بیٹھ سکتی۔''

''فضول میرے پاس نہیں بیٹھ سکتیں اور جو فضول کام کر رہی ہو..... !''

''یہ فضول کام نہیں ہے۔''

''پھر ؟''

''میں بچے کی چیزیں پیک کر رہی ہوں۔'' وہ اس کے کپڑے سوٹ کیس میں رکھتی ہوئی بولی۔

''یہ کام تم صبح بھی کر سکتی ہو۔''

''نہیں جواد! صبح تو اسے جانا ہے۔''

''کیا مطلب..... ! کہاں جانا ہے اسے؟''

''میں بچے کو اس کے باپ کے پاس بھیج رہی ہوں۔'' صبح سے وہ یہ ایک جملہ اطمینان سے کہنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہی تھی۔ پھر بھی اس وقت اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

''آسیہ!'' جواد اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم اور ایسا کیوں کر رہی ہو؟'' اس کے خاموش رہنے پر خود ہی کہنے لگا۔

''صبح میں نے بچے کو ڈانٹ دیا تھا' شاید تم نے برا مانا ہے۔''

''ارے نہیں!'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

''اصل میں صبح لیلیٰ کا فون آیا تھا۔ وہ بہت منت کر رہی تھی کہ میں بچہ اسے دے دوں اور جواد اب جبکہ اللہ میاں مجھے دوبارہ اس نعمت سے نواز رہا ہے تو میں نے سوچا کیوں نہ .....'' اس سے بات پوری نہ کی گئی تو وہ جھک کر سوٹ کیس بند کرنے لگی۔

''چلو! اس بیچاری کا بھی بھلا ہو جائے گا۔'' اسے جواد سے ایسے ہی جواب کی توقع

تھی۔ لیکن اندر کہیں یہ خواہش کہ وہ اسے منع کر دے' سختی سے روک دے..... دم توڑ گئی۔ سوٹ کیس بند کر کے سیدھی کھڑی ہوئی تو اپنے آپ پر قابو پا چکی تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور اب اُسے اسی طرح مسکراہٹوں کا فریب دینا تھا کیونکہ محبتوں پر سے اس کا ایمان اُٹھ چکا تھا۔ دل بالکل خالی تھا۔ نہ گزری محبتوں کا ملال اور نہ نئی محبتوں کا احساس..... کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک نے بچے کے حصول کی خاطر اسے فریب دیا اور دوسرے نے خود اس کے حصول کی خاطر..... اور اب بقیہ زندگی جب تک کہ بچہ بڑا ہو کر اسے اس کانچ کے گھروندے سے نکال کر نہ لے جائے' یہ کھیل اسے کھیلنا تھا۔

☆☆☆

خواب کی مسافت سے

وہ بہت شوق سے انیلا کو مہندی کے تھال میں موم بتیاں سجاتے ہوئے دیکھ رہی تھی کہ عقب سے شوبی اس کی چوٹی کھینچ کر بولا۔

''اے' تمھیں ماموں جان بلا رہے ہیں۔''

''ڈیڈی! کہاں ہیں؟'' اس نے فوراً اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ادھر لاؤنج میں اور ذرا سنبھل کر جانا۔ بہت غصے میں ہیں ماموں جان۔'' شوبی نے آواز رعب دار بنا کر اسے ڈرایا تو وہ سچ مچ سہم گئی۔

''واقعی......؟ کیا کہہ رہے تھے؟''

''کہہ رہے تھے بلاؤ' نیہاں کو' میں ابھی اس کی خبر لیتا ہوں۔ آنکھیں لال سرخ ہو رہی تھیں ان کی اور۔''

''جی نہیں' ڈیڈی کو اتنا غصہ نہیں آتا۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' وہ کہتی ہوئے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو ڈیڈی خاصے خوشگوار موڈ میں پھوپھو اور انکل سے باتیں کر رہے تھے

اور وہ شوبی کو جھٹلانے کے باوجود اندر ہی اندر خائف تھی۔ مطمئن ہو کر بولی۔

''جی ڈیڈی! آپ نے بلایا ہے؟''

''آں ہاں۔ آؤ یہاں میرے پاس بیٹھو اور بتاؤ کہ تمھارا کیا پروگرام ہے؟'' ڈیڈی نے کہا تو وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگی۔

''کیسا پروگرام؟''

''وہ شوبی کہہ رہا تھا کہ تم ابھی یہیں رہنا چاہتی ہو۔''

''نہیں تو۔ میں نے تو شوبی سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔'' اس کی صاف گوئی پر پھوپھو مسکراتے ہوئے بولیں۔

''شوبی ہمیشہ الٹی بات کرتا ہے۔ اصل میں میں صبح انیلا سے کہہ رہی تھی کہ نیہاں کو ابھی میں نہیں جانے دوں گی۔ اتنے عرصے بعد بلکہ اپنے ہوش میں تو سمجھیں پہلی بار یہاں آئی ہے۔ کچھ عرصہ تو رہے۔ کیوں بیٹا! رہو گی ناں ہمارے پاس؟'' پھوپھو نے اسے مخاطب کیا تو وہ اپنا دامن بچاتے ہوئے بولی۔

''ڈیڈی سے پوچھ لیں۔''

''یہ منع نہیں کریں گے۔'' پھوپھو نے یقین سے کہہ کر ڈیڈی کو دیکھا تو وہ ان کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

''ہاں بیٹا! میں آپ کی پھوپھو کی بات نہیں ٹال سکتا۔ آپ رہنا چاہو تو ابھی بتا دو تا کہ میں آپ کی سیٹ کینسل کروا دوں۔'' اس نے جواب دینے سے پہلے پھوپھو کو دیکھا پھر اٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھی اور ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

''جی ڈیڈی! میں ابھی پھوپھو کے پاس رہوں گی۔''

''مجھے پتا تھا۔ میری بیٹی انکار نہیں کرے گی۔'' پھوپھو نے پیار سے اس کا گال تھپکا پھر ڈیڈی سے کہنے لگیں۔ ''تم کب تک پردیس میں رہو گے۔ ماشاءاللہ اولاد جوان ہو گئی ہے اب

یہیں آ جاؤ۔''

''ہاں سوچتا تو میں بھی ہوں۔ اب دیکھیں۔ کب آنا ہوتا ہے۔ اصل میں وہاں بزنس جما ہوا ہے اور یہاں نئے سرے سے۔'' ڈیڈی تفصیل سے شروع ہو گئے تھے اس لئے وہ وہاں سے اٹھ کر دوبارہ کمرے میں آ گئی اور انیلا کے قریب گھٹنے ٹیکتے ہوئے بولی۔

''کتنا بدتمیز ہے شوبی۔ مجھے ڈرا کے رکھ دیا۔''

''تم نے اس کی بات کا یقین ہی کیوں کیا؟'' انیلا ابھی بھی مہندی کے تھال پر جھکی ہوئی تھی۔

''تو کیا وہ ہمیشہ ایسے کرتا ہے......؟''

''ہوں' ویسے کیا کہہ رہے تھے ماموں جان۔''

''وہ جانے کا پوچھ رہے تھے۔ لیکن میں ابھی یہیں رہوں گی۔'' اس نے بتایا تو انیلا خوشی سے چلائی۔

''سچ!''

''ہاں اور اب تو میں مہمان نہیں رہی ناں' اب یہ کام مجھے کرنے دو۔'' وہ اپنے ساتھ مہمانوں والے سلوک سے حقیقتاً بور ہو گئی تھی۔

''یہ کام ختم ہو گیا۔ اسے رہنے دو۔'' انیلا نے تھال گھسیٹ کر کونے میں رکھ دیا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

''تمھیں کام کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو یہ ساری چیزیں سمیٹ دو۔ میں تب تک استری کر لوں۔ لاؤ' تم اپنے کپڑے بھی دے دو۔''

''نہیں میں خود کر لوں گی۔'' وہ سہولت سے منع کر کے کارپٹ پر پھیلی چیزیں سمیٹنے لگی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے نکالے اور استری کرنے کے لئے جمیلہ کے کمرے کا رخ کیا۔

بجیلہ کو کوئی خاتون ابٹن لگانے کے ساتھ سرگوشیوں میں اس سے جانے کیا باتیں کر رہی تھی۔ اس نے سننے کی کوشش نہیں کی البتہ ابٹن لگتے ہوئے شوق سے دیکھنے لگی تھی کہ انیلا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کے دوسرے بازو میں دبے کپڑوں کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''تم یہ پہنو گی؟''

''ہاں' ممی نے کہا تھا۔ مہندی میں گرین کلر پہننا۔ کیا یہ ضروری ہوتا ہے کہ سب گرین کپڑے پہنیں؟'' اس کے سادگی سے پوچھنے پر انیلا نے بغور اسے دیکھا پھر کہنے لگی۔

''تم ناروے کی بجائے شہدادکوٹ سے آئی لگتی ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''کوئی مطلب نہیں۔ چلو استری کرو۔'' انیلا اپنے کپڑے اٹھا کر چلی گئی۔ تو وہ کچھ حیران سی ہو کر اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ اس وقت آٹھ نو سال کی تھی جب ڈیڈی اپنی فرم کی طرف سے دو سال کے اگریمنٹ پر ناروے گئے تھے۔ پھر یہ مدت پوری ہونے کے بعد انہوں نے واپس آنے کی بجائے ایک انگلش فرم جوائن کر لیا اور اسے اور ممی کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ یوں دس گیارہ سال کی عمر میں وہ ناروے گئی تھی تو اسکے بعد اب پھوپھو کے بہت اصرار پر ان کی بیٹی بجیلہ کی شادی میں ڈیڈی اسے لے کر آئے تھے۔ ایک طویل عرصے بعد اپنے عزیزوں میں آ کر وہ بہت خوش تھی اور خصوصاً شادی کی رسومات اس کے لئے بالکل نئی تھیں اس لئے ہر ہر موقعے پر حیران ہونے کے ساتھ وہ بہت انجوائے بھی کر رہی تھی۔ ڈھولک کے ساتھ حلق پھاڑ کر گاتی ہوئی لڑکیوں کے درمیان بیٹھ کر اس نے تالیاں پیٹ پیٹ کر اپنے ہاتھ سرخ کر لئے تھے۔ پھر رات میں بجیلہ کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر بولی۔

''بہت جلن ہو رہی ہے بجیلہ آپی...... ! کیا کروں؟''

''اف! یہ تم نے کیا کیا؟'' بجیلہ نے اس کی کلائیاں تھام لیں۔

''مجھے گانا نہیں آتا تھا ناں۔''

''تو اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ تم۔'' بجیلہ نے سر جھٹکا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

''رکو' کولڈ کریم لگا دیتی ہوں۔''

''صبح تک ٹھیک ہو جائیں گے ناں؟۔'' اس نے اپنے ہاتھ جھٹکتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں' لیکن پھر ایسی حماقت نہیں کرنا۔'' بجیلہ دوبارہ اس جگہ آ کر بیٹھی اور اس کی کلائی پکڑ کر ہاتھ سیدھا کرنے کو کہا پھر اس پر بہت نرمی سے کولڈ کریم لگانے لگی۔ تب ہی شوبی اسے ڈھونڈتا ہوا اندر آیا تو پہلی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی حیران ہو کر بولا۔

''ہائیں! یہ مہندی سفید کب سے آنے لگی ہے؟''

''یہ مہندی نہیں کولڈ کریم ہے۔'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے کسی بچے کو سمجھایا جائے جس پر بجیلہ بے ساختہ ہنسی پھر شوبی کو دیکھ کر بولی۔

''سمجھے شوبی! یہ مہندی نہیں کولڈ کریم ہے۔''

''جی بہت اچھی طرح لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' شوبی نے آنکھوں سے اس کی طرف اشارہ کیا تو بجیلہ اس کا گال چھو کر بولی۔

''بہت سادہ اور معصوم۔''

''حیران کن۔'' شوبی نے ذرا سے کندھے اچکائے پھر ایک دم یاد آنے پر کہنے لگا۔'' لاحول ولاقوۃ میں یہاں باتوں میں کھڑا ہو گیا' چلو نیہاں! آذر بھائی ہمیں آئس کریم کھلانے لے جا رہے ہیں۔''

''سچ۔'' وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ ''بجیلہ آپی! آپ بھی چلیں گی؟''

''نہیں تم جاؤ۔'' بجیلہ نے کہا تو وہ شوبی کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل آئی۔

''کہاں ہیں آذر بھائی؟''

''باہر گاڑی میں انیلا بھی ہے۔ تم چلو میں آتا ہوں۔'' شوبی کہتا ہوا راہداری میں مڑ گیا۔ تو وہ بھاگتی ہوئی لاؤنج سے نکل کر برآمدے میں آئی۔ پھر سیڑھیاں اتر کر اسی رفتار سے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ باڑھ میں دوپٹہ الجھنے سے اس کی گردن کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ جس سے اس کے قدم آپ ہی آپ رک گئے۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک ہاتھ اس کے دوپٹے کو باڑھ سے نکالتا نظر آیا۔

''کون؟'' اس نے ہاتھ سے آگے دیکھنا چاہا لیکن تاریکی میں کچھ نظر نہیں آیا۔ تب بے حد گھبرا کر اس نے دوپٹہ کھینچ لیا اور بھاگ کر گیٹ سے باہر آئی تو انیلا اور آذر کو دیکھ کر جہاں اسکی کچھ ڈھارس بندھی وہاں الجھ بھی گئی۔

''سنو! وہاں کون ہے؟''

''کہاں؟'' انیلا نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ اندر کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''وہاں باڑھ کے اس طرف۔''

''چڑیل۔'' انیلا سے پہلے آذر بول پڑا۔ ''کہیں تم نے اسے چھیڑ تو نہیں دیا؟''

''نہیں میں۔'' وہ خائف سی بس اسی قدر کہہ سکی۔

''اُفوہ! تم تو بہت ہی بے وقوف ہو۔ کوئی چڑیل وڑیل نہیں ہے چلو بیٹھو۔'' انیلا نے اسے کھینچ کر گاڑی میں بٹھایا، پھر خود بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔

''شوبی کہاں رہ گیا؟'' آذر نے اس سے پوچھا تب ہی شوبی آ گیا۔

''چلیں بھائی! سیدھا طارق روڈ۔'' شوبی نے کہا پھر گاڑی میں بیٹھتے ہی کیسٹ آن کر دیا۔

''تمہیں یہاں آ کر کیسا لگ رہا ہے؟'' کچھ دیر بعد انیلا نے اس کی خاموشی محسوس کر کے اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے پوچھا تو وہ جو ابھی تک اس ہاتھ میں الجھی ہوئی تھی چونک کر

بولی۔

''ہاں۔ اچھا لگ رہا ہے اسی لیے تو میں ابھی ڈیڈی کے ساتھ نہیں جا رہی۔ مجھے اپنی خالہ اور ماموں سے بھی ملنا ہے۔ جمیلہ آپی کی شادی ہو جائے پھر جاؤں گی ان کے پاس۔''

''مجھ سے کوئی امید نہیں رکھنا میں تمہیں کہیں نہیں لے جاؤں گا۔'' شوبی نے اسی وقت ٹہار دیا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارے ساتھ جانے کا اور یاد رکھنا کبھی تم ناروے آؤ گے تو ہاں تمہارے ساتھ اس سے بھی برا سلوک کروں گی۔'' اس کی بات پر شوبی زور سے ہنسا تو آذر اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔

''شوبی! یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تمہیں کم از کم اس کے مہمان ہونے کا خیال ضرور کرنا چاہئے۔''

''ارے نہیں آذر بھائی! میں اس کی باتوں کا برا تو نہیں مانتی۔'' وہ شوبی کی ناراضگی کے خیال سے فوراً بول پڑی۔ تو انیلا نے اسے دیکھ کر یوں کندھے اچکائے جیسے پتا نہیں کیا چیز ہے۔

اور وہ کوئی نہ سمجھ آنے والی تو نہیں تھی۔ بناوٹ سے پاک سیدھی سادی عام سی لڑکی اور شاید اس کی سادگی ہی سب کو کھٹک رہی تھی۔ یوں۔ باہر رہنے والوں کا تصور اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ الٹرا ماڈرن، پراسرار اور اپنے ہر انداز سے سب کو مرعوب کرنا۔ جبکہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جب ہی سب حیران تھے۔

پھر اگلے روز جمیلہ کی رخصتی کے بعد جب سب مہمان رخصت ہو گئے تو اس نے جلدی سے کپڑے بدل کر کچن کا رخ کیا۔ کیونکہ جانتی تھی کہ ڈیڈی کافی کے انتظار میں ہوں گے اور ابھی اس نے چولہا جلایا تھا کہ انیلا پکارتی ہوئی آ گئی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''ڈیڈی کے لئے کافی بناؤں گی۔'' اس نے جواب دینے کے ساتھ ہی کیتلی میں پانی

ڈال کر چولہے پر رکھ دی۔

''اور یہ تم نے کپڑے کیوں بدل لئے ابھی تو ہم نے تصویریں کھینچوانی تھیں چلو جاؤ وہی کپڑے پہنو۔ کافی میں بنا دیتی ہوں۔'' انیلا نے اسے چولہے کے پاس سے ہٹنے کا اشارہ کیا وہ عاجزی سے بولی۔

''نہیں انیلا! اب مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ تصویریں پھر کسی دن۔''

''پھر آذر بھائی کا موڈ بدل جائے گا تو وہ کیمرہ بھی نہیں دیں گے۔'' انیلا نے اسے دھکیل کر کچن سے باہر نکالا تو وہ کمرے میں جانے کی بجائے چپکے سے برآمدے میں نکل آئی جہاں آذر کیمرہ لئے کھڑا تھا۔

''آذر بھائی! میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ میرا مطلب ہے اس حلیے میں بری تو نہیں لگ رہی ناں؟'' آذر نے سرتاپا اسے دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

''تم بری لگ ہی نہیں سکتیں۔ آؤ یہاں بیٹھو۔ انیلا کے آنے سے پہلے میں تمھاری ایک تصویر بنا لوں۔''

وہ بہت لاپروائی سے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ تو آذر نے کیمرے کی آنکھ سے اسے دیکھا۔ اس کے سادہ چہرے پر بڑی دلکشی تھی۔ اس نے فوراً بٹن دبا کر اس کا یہ روپ اپنے کیمرے میں محفوظ کیا پھر اس کے قریب آ کر پوچھنے لگا۔

''تمھیں یہاں آئے کتنے دن ہو گئے ہیں؟''

''ایک ہفتہ۔ کیوں؟'' وہ جواب کے ساتھ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ایک ہفتہ یعنی سات دن۔'' آذر نے حیرت کا اظہار کیا پھر اچانک اس کی آنکھوں میں جھانک کر دھیرے سے بولا۔ ''اور میں تمھیں آج دیکھ رہا ہوں۔''

''آ....'' کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ آذر کی آنکھوں سے چھلکتے جذبوں نے اس کی قوت گویائی چھین لی تھی۔ مزید اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ

کر وہ اس کے اندر ہلچل مچاتا ہوا جانے کس سمت نکل گیا تھا۔

''میرے خدا!'' وہ اپنی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی اور ابھی کامیاب نہیں ہوئی تھی کہ انیلا آ گئی۔

''ہائیں! تم یہاں بیٹھی ہو اور وہ آذر بھائی کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے نظریں چرا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ تو انیلا ناراضگی سے کہنے لگی۔

''عجیب ہیں آذر بھائی بھی۔ ذرا سی دیر میں موڈ بدل جاتا ہے ان کا حالانکہ خود کہا تھا انہوں نے کہ چند تصویریں بچی ہیں تم لوگ آ جاؤ اور دیکھو خود ہی غائب بھی ہو گئے۔'' وہ کیا کہتی خاموشی سے دیکھتی رہی تو انیلا جانے کیا سمجھی فوراً معذرت کرتے ہوئے بولی۔

''سوری میں تم پر ناراض نہیں ہو رہی۔ چلو اٹھو سوتے ہیں۔'' وہ اسی خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

اگلے دن ڈیڈی کو واپس جانا تھا۔ وہ اس بہانے سارا دن ان کے ساتھ لگی رہی۔ کتنی بار ان کا سوٹ کیس کھول کر ساری چیزیں نکالیں اور پھر دوبارہ سے رکھیں۔ مقصد خود کو مصروف ظاہر کرنا تھا۔ اصل میں وہ آذر کا سامنا ہونے سے گھبرا رہی تھی۔ کس خوبصورتی سے اس کے جذبوں کو انہیں گیا تھا کہ اس کے بعد جب وہ سونے کیلئے لیٹی تھی تو کتنی دیر تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔

''ہاں تو بیٹا! پھر آپ کا کب تک یہاں رہنے کا پروگرام ہے؟'' جانے سے پہلے ڈیڈی نے اس سے پوچھا تو وہ شوبی کو دیکھ کر شرارت سے بولی۔

''جب تک یہاں کا موسم خوشگوار رہے گا۔''

''پھر تو تم سارا وقت اسی چکر میں رہو گی کہ ایک دن سامان باندھو گی اور دوسرے دن کھولو گی کیونکہ یہاں ہر روز موسم بدلتا ہے۔'' انیلا نے کہا تو پھوپھو اسے ٹوک کر ڈیڈی سے کہنے لگیں۔

''فکر کیوں کرتے ہو؟ اپنے ہی گھر میں ہے۔ اتنی جلدی میں اسے نہیں بھیجوں گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے آپا لیکن اس کی ماں......؟''

''اس کی ماں کو تم سمجھا دینا۔'' پھوپھو نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

''چلو شوبی! سامان گاڑی میں رکھو فلائیٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔''

''او کے بیٹا!'' ڈیڈی نے اسے ایک بازو کے حلقے میں لے لیا تو وہ آہستہ سے بولی۔

''ممی سے کہہ دیجئے گا' میں جلدی آؤں گی۔'' ڈیڈی نے مسکرا کر اس کی پیشانی چ
پھر پھوپھو سے مل کر آذر کے ساتھ باہر نکل گئے تو وہ انیلا کے ساتھ لان میں آ بیٹھی۔ شام ا
پوری طرح نہیں اتری تھی اور بادلوں کی وجہ سے دھوپ بھی نہیں تھی۔ اس لئے سہ پہر کا گمان ہو
تھا۔

''جمیلہ آپی کے جانے سے گھر سونا ہو گیا ہے۔ انیلا چاروں طرف نظریں دوڑا کر
لگی۔'' وہ تو شکر ہے تم موجود ہو ورنہ میں بہت زیادہ محسوس کرتی۔''

''ہوں۔ ویسے تمھاری کیا مصروفیات ہیں؟''

''میں انگلش میں ماسٹرز کر رہی ہوں بس یونیورسٹی جانا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور ک
نہیں۔ کبھی کبھار امی خالہ یا ماموں کے گھر لے جاتی ہیں۔'' انیلا کے بتانے پر اسے بھی یاد آ
فوراً بولی۔

''ہاں مجھے بھی اپنی خالہ اور ماموں سے ملنا ہے۔''

''ابھی تو یہیں ہو' اطمینان سے جانا کسی دن۔'' انیلا نے کہا تب ہی لابی کا دروازہ ک
کر پھوپھو نے اسے پکار کر اس کے فون کا بتایا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''میں ابھی آتی ہوں یا اگر تم اندر چلنا چاہو تو۔''

''نہیں' یہیں ٹھیک ہے۔ تم جاؤ فون اٹینڈ کرو۔''

وہ کہہ کر اوپر بادلوں کی آنکھ مچولی دیکھنے لگی' کچھ سرمئی کچھ سفید بادل ایک دوس
تعاقب کرتے ہوئے بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ اس کی نظریں دور تک ان کے ساتھ س

رہیں پھر جب گردن میں درد ہونے لگا تب اس نے سر نیچے کیا اور ایک ہاتھ سے پہلے ذرا سا گردن کو دبایا پھر اندر جانے کے خیال سے کھڑی ہوئی تو باڑھ کے اس طرف لہراتی سفید چادر نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ اس کے ساتھ ہی اسے اس رات کا واقعہ یاد آ گیا جب اس کا دوپٹہ الجھ گیا تھا اور بالکل غیر ارادی طور پر وہ دھیرے دھیرے اس طرف بڑھنے لگی۔ باڑھ کے قریب رک کر اس نے غور کیا تو وہ بھی اس کوٹھی کا حصہ تھا۔ شاید انیکسی یا پھر دو کمرے الگ کر کے کرایے پر دیے گئے تھے۔ سامنے چھوٹا سا برآمدہ نظر آ رہا تھا۔

اس نے سوچا پکار کر پوچھے ''کوئی ہے؟'' لیکن پھر اپنی سوچ کی نفی کر کے وہ باڑھ میں راستہ تلاش کرنے لگی' چند قدم آگے آتے ہی راستہ مل گیا تو اس نے بس ایک لحظہ سوچا پھر اس راستے سے نکل کر برآمدے میں آئی اور بند دروازے پر ہلکی سی دستک دے ڈالی۔

''آ رہی ہوں۔'' اندر سے کسی عورت کی آواز آئی تو وہ مطمئن سی ہو گئی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر عورت اسے دیکھتے ہی کچھ خائف سی ہو کر بولی۔

''کون... ؟ کون ہو تم؟''

''نیہاں!'' وہ مسکرائی۔'' اندر آ جاؤں؟''

''ہاں' لیکن تم آئی کہاں سے ہو؟'' خاتون کی گھبراہٹ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی جب ہی اطمینان سے باڑھ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''وہاں سے۔'' اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہو کر کمرے کا جائزہ لینے لگی دو فولڈنگ پلنگ ایک اس دیوار کے ساتھ دوسرا اس دیوار کے ساتھ۔ درمیان میں ایک میز جس پر چند کتابیں رکھی تھیں اور مغربی دیوار کے ساتھ ریک میں بے شمار فائلیں' کتابیں اور جانے کیا کیا۔ ان سے نظریں ہٹا کر اس نے کچھ اور دیکھنا چاہا لیکن اور کچھ نہیں تھا۔ تب خاتون کی طرف متوجہ ہو کر وہ یونہی کہہ گئی۔

''یہ آپ کا گھر ہے؟''

"نہیں۔تم کون ہو؟" انہوں نے مختصر جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ ایک پلنگ کے کنارے قدرے تکلف سے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں انیلا کی ماموں زاد ہوں۔انیلا کو تو جانتی ہوں گی آپ؟" خاتون نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"پھر آپ آئیں کیوں نہیں؟ میرا مطلب ہے۔جمیلہ آپی کی شادی میں۔"

"بڑے لوگوں کی شادی میں ہمارا کیا کام۔" خاتون غالباً بے اختیار بولی تھیں جب ہی گھبرا گئیں پھر اپنے آپ وضاحت کرنے لگیں۔

"انہوں نے بلایا تو تھا۔بہت اصرار سے لیکن میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔بہت تیز بخار ہو گیا تھا۔اس لئے نہیں جا سکی۔"

"چلیے اب آیئے گا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔"آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں۔"

"نہیں میرا۔" بات ان کے ہونٹوں میں تھی کہ اس کے عقب سے کسی نے انہیں پکارا۔

"اماں۔"

وہ بے اختیار پلٹی اور پھر قدرے سہم کر الٹے قدموں دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگی۔کیونکہ دروازے میں ایستادہ وہ پیشانی پر شکنیں لئے انتہائی ناگواری سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ آذر کی ماموں زاد ہے۔" اماں نے اس خیال سے فوراً تعارف کروایا کہ کہیں وہ کچھ الٹا سیدھا نا بول دے اور وہ کچھ بولا تو نہیں لیکن خاصے جارحانہ انداز میں اس دروازے سے ہٹ کر سامنے والے دروازے سے نکل کر جانے کہاں غائب ہو گیا تو اماں عاجزی سے بولیں۔

"تم جاؤ بیٹی! اور آئندہ اس طرف نہ آنا۔" وہ پوچھنا چاہتی تھی کیوں؟ لیکن اس کے دوبارہ آ جانے کے خیال نے رکنے ہی نہیں دیا۔تیز قدموں سے باہر نکلی پھر بھاگتی ہوئی باڑھ پھلانگ کر اس طرف آئی تو اس کا دل بہت بری طرح دھڑک رہا تھا۔کچھ دیر وہیں رک کر خود پر قابو

پایا پھر اندر آئی تو انیلا کچن میں سے اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

"میں نے سوچا چائے ہی بنا لوں۔بس ابھی لے کر آ رہی تھی۔"

"چلو یہاں لے آؤ۔" وہ لاؤنج میں ہی صوفے پر ڈھے گئی اور اپنا دھیان بٹانے کی غرض سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔کوئی سندھی پروگرام تھا وہ نا سمجھنے کے باوجود نظریں جما کر بیٹھ گئی۔انیلا چائے لے کر آئی اور ایک کپ اسے تھما کر بیٹھی تو ٹی وی دیکھ کر بے ساختہ ہنستے ہوئے بولی۔

"تم واقعی شہدادکوٹ سے آئی لگتی ہو۔" اس نے ٹھیک سے سنا نہیں جب ہی مسکرا کر رہ گئی۔

☆☆☆

پھر اگلے روز سے اس گھر کی اپنی روٹین شروع ہو گئی۔صبح ناشتے کے بعد سب سے پہلے انیلا یونیورسٹی کے لئے نکلتی، اس کے کچھ دیر بعد شوبی، پھر انکل اور آذر دس بجے کے قریب ایک ساتھ جاتے تھے، تو دوپہر تک وہ ایک طرح سے اکیلی ہی ہو جاتی تھی۔کیونکہ سارا وقت پھوپھو کے ساتھ تو نہیں لگی رہ سکتی تھی۔بس کچن کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹا دیتی۔اس کے بعد اس کمرے سے اس کمرے میں جھانکتی پھرتی۔

یوں چند دنوں ہی میں وہ بور ہو گئی۔خالہ کے گھر جانے کا کہتی تو شوبی کسی کام کا بہانہ کر کے کہیں نکل جاتا اور آذر کو تو آفس سے آنے میں ہی بہت دیر ہو جاتی تھی۔کیونکہ اس نے اور انکل نے ابھی چند مہینے پہلے ہی اپنا بزنس شروع کیا تھا۔بہرحال کچھ دن تو اس نے خود ہی آذر سے کہنے سے گریز کیا کہ وہ تھکا ہارا گھر آتا ہے پھر کہاں اسے لے جائے گا۔لیکن جب شوبی کسی طرح ہاتھ نہیں آیا تو مجبوراً اسے آذر سے ہی کہنا پڑا۔

اس وقت کھانے کے بعد وہ حسبِ عادت کچھ دیر ٹہلنے کی غرض سے لان کی طرف نکلا تھا اور وہ اسی انتظار میں تھی۔اس کے پیچھے چلی آئی۔

"آذر بھائی! مجھے اپنی خالہ کے گھر جانا ہے۔" اس نے کہا تو وہ رُک کر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ آیا وہ اسے اطلاع دے رہی ہے یا اجازت طلب کر رہی ہے۔ جبکہ یہ دونوں باتیں نہیں تھیں۔

"بتائیں ناں کیسے جاؤں؟" وہ اس کے دیکھنے سے الجھ کر بولی۔ تو وہ چونک کر اپنے قیاس پر ذرا سا ہنسا پھر کہنے لگا۔

"شوبی سے کہو وہ لے جائے گا۔"

"اس سے تو میں کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں۔ آپ لے جائیں ناں۔"

"میں؟" اس نے ایک لحظہ رُک کر سوچا پھر وہی ٹالنے والا انداز۔ "ہاں لے جاؤں گا کسی دن۔"

"کسی دن کرتے کرتے تو ناروے پہنچ جاؤں گی۔ اور اگر ایسا ہوا تو ممی بہت ڈانٹیں گی کہ میں اپنے ننھیال والوں سے نہیں ملی۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"پھر کیا کیا جائے۔ تم اپنی خالہ کو فون کر کے یہاں کیوں نہیں بلا لیتی۔" آذر کا مشورہ اسے بالکل پسند نہیں آیا۔

"نہیں' یہ بہت بری بات ہے۔ میں اتنے دنوں سے آئی ہوئی ہوں۔ مجھے خود ان کے پاس جانا چاہئے۔"

"یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے۔ خیر اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو میں کل آفس سے جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔ بلکہ تم تیار رہنا میں کل ضرور تمہیں لے جاؤں گا۔" اس کے یقین دلانے پر وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

"تھینک یو۔ تھینک یو آذر بھائی۔"

"اوں ہوں۔" اس کے بھائی کہنے پر اس نے برا سا منہ بنایا' پھر انگلی سے اندر کی طرف اشارہ کر کے رعب سے بولا۔۔ "چلو اندر جاؤ۔"

"ڈانٹ کیوں رہے ہیں؟" وہ خائف نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

اس کا ارادہ خالہ کے گھر کچھ دن رہنے کا تھا۔ اس لئے اگلے دن سب کے جاتے ہی اس نے پہلے اپنا بیگ تیار کیا۔ اس کے بعد پھوپھو کے پاس آ کر بیٹھی اور انہیں بتایا کہ شام میں آذر کے ساتھ خالہ کے گھر جائے گی تو پھوپھو حیرت سے بولیں۔

"آذر کے ساتھ؟ وہ تو بہت دیر میں آتا ہے اور تھکا ہوا بھی ہوتا ہے۔ تم شوبی کے ساتھ کیوں نہیں چلی جاتیں؟"

"شوبی نہیں لے جا رہا۔ بس میں آذر بھائی کے ساتھ ہی جاؤں گی اور ہاں پھوپھو! میں کچھ دن وہیں رہوں گی' یہاں تو میں بور ہو گئی ہوں۔"

"ہائیں' پھوپھو کے پاس تمہارا دل نہیں لگتا؟" پھوپھو نے فوراً ٹوکا تو وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

"یہ بات نہیں ہے پھوپھو! سب کے جانے کے بعد جو اتنی خاموشی چھا جاتی ہے اس سے میں بور ہوتی ہوں۔ پھر کسی کے پاس فرصت ہی نہیں ہے جو مجھے کہیں گھمانے لے جائے۔"

"کیا کریں بیٹی! ابھی نیا بزنس ہے ورنہ آذر ضرور تمہیں گھماتا پھراتا۔"

"میں جانتی ہوں۔ اس لئے تو زیادہ کہا نہیں۔ اچھا اب آپ یہ بتائیں کھانے میں کیا پکنا ہے؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے فریج میں سالن موجود ہے۔ اس وقت کافی ہو جائے گا' یا اگر تم کوئی خاص ڈش کھانا چاہو تو۔"

"نہیں جو ہے وہی ٹھیک ہے۔" وہ کہتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی۔

انیلا دو بجے آتی تھی اور ابھی گیارہ بجے تھے۔ وقت گزاری کے لئے س نے ٹڈ و یک میگزین اٹھا لیا اور اسے دیکھتی ہوئی برآمدے میں نکل آئی۔ لیکن آج دھوپ میں کچھ شدت تھی جب

ہی اس نے وہاں بیٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور واپس پلٹنے لگی تھی کہ اچانک اس کا دھیان انیکسی کی طرف چلا گیا' اور وہ خاتون جنہوں نے کہا تھا آئندہ اس طرف نہیں آنا اور ان کی بات یاد آنے کے باوجود وہ اس طرف چل پڑی۔

''کون؟'' اس کی دستک کے جواب میں اندر سے ان ہی کی آواز آئی۔

''میں ہوں آنٹی' نیہاں۔'' اس نے کچھ ڈرتے ڈرتے کہا تو چند لمحوں بعد دروازہ کھل گیا۔

''سوری آپ نے منع کیا تھا لیکن میں آ گئی۔'' اس نے چھوٹتے ہی معذرت کے ساتھ کہا۔

''اندر آ جاؤ۔'' خاتون نے ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا پھر اس کے ساتھ ایک پلنگ پر آ بیٹھیں تو کہنے لگیں۔ ''میں نے اس لئے منع کیا تھا کہ تمھاری پھوپھو کو برا لگے گا۔ انہیں بتا کر آئی ہو؟''

''نہیں اور انہیں کیوں برا لگے گا؟'' اس نے سادگی سے پوچھا لیکن وہ سنی ان سنی کر کے بات بدل گئیں۔

''تم لوگ شاید کہیں باہر رہتے تھے۔ اب یہیں آ گئے ہو؟''

''نہیں' جمیلہ آپی کی شادی میں بس ڈیڈی کے ساتھ آئی اور ڈیڈی تو واپس بھی چلے گئے۔ آپ جانتی ہیں میرے ممی ڈیڈی کو؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ہاں! جب یہاں تھے تو کبھی ملاقات ہو جاتی تھی۔ اس وقت تم بہت چھوٹی سی تھیں اور پتا نہیں تم تھیں یا تمھاری بہن۔'' انہوں نے یاد کرتے ہوئے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''میری کوئی بہن نہیں ہے۔''

''اچھا پھر تم ہی ہو گی۔ تمھاری امی نہیں آئیں؟''

''نہیں' انہیں آنا تھا لیکن چھوٹے بھائی کے امتحان شروع ہو گئے۔ اس کی وجہ سے وہ

بھی رک گئیں۔ اب میں جاؤں گی تو شاید وہ آنے کا پروگرام بنائیں۔ آپ کیا شروع سے یہیں رہتی ہیں؟'' دونوں طرف سے جواب کے ساتھ سوال بھی ہو رہے تھے۔

''نہیں چوتھا سال ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ مہربانی ہے سلیمان بھائی کی جو سر چھپانے کو جگہ دے دی۔'' انہوں نے آہ بھر کر کہا تو اس نے کچھ دیر رک کر پوچھا۔

''آپ رشتہ دار ہیں انکل کی؟''

''میرے جیٹھ ہیں یہ۔ جیٹھ سمجھتی ہو؟ میرے شوہر کے بڑے بھائی۔ تمھاری پھوپھو میری جٹھانی ہیں۔'' انہوں نے پورا رشتہ سمجھایا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

''یعنی آپ انیلا کی چچی ہیں۔''

''ہاں چچی' چچی ہوں۔'' وہ جیسے اس کے سمجھ جانے پر خوش ہوئیں۔ لیکن اس کی حیرت ہنوز تھی۔

''پھر آپ یہاں کیوں رہتی ہیں......؟ میرا مطلب ہے ان کے ساتھ کیوں نہیں؟''

''یہ' یہ ساتھ ہی تو ہے۔ ایک ہی گھر ہے ناں۔'' وہ جانے کیوں بوکھلا گئی تھیں۔ ''تم یہ بات ادھر نہیں کہنا۔ بس سمجھو' ہم ساتھ رہتے ہیں۔''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔'' اس نے الجھ کر نفی میں سر ہلایا۔ پھر اپنے آپ کہنے لگی۔ ''یہ ساتھ تو نہیں ہے۔ نہ ادھر سے کوئی یہاں آتا ہے نہ آپ ادھر جاتی ہیں۔ جمیلہ آپی کی شادی میں بھی نہیں گئیں۔ اچھا اب سمجھی' پھوپھو کے ساتھ آپ کی لڑائی ہو گی۔''

''نہیں بیٹی! میری کسی کے ساتھ لڑائی نہیں ہے۔ میں قسمت کی ماری کہاں کسی سے لڑتی ہوں۔ اچھا تم بیٹھو' میں تمھارے لئے شربت بنا لاتی ہوں۔'' وہ اس موضوع سے ہٹنے کی خاطر اٹھنے لگی تھیں کہ اس نے روک دیا۔

''نہیں پلیز' آپ کوئی تکلف نہیں کریں۔ میں بس جا رہی ہوں۔ پھر آؤں گی۔''

"ہیں!" اس کی دوبارہ آمد پر پریشانی کا بے ساختہ اظہار تھا لیکن فوراً سنبھل کر بولیں۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، ضرور آنا۔"

"آج تو میں اپنی خالہ کے گھر جا رہی ہوں۔ کچھ دن بعد آؤں گی۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور یہ سوچتی ہوئی آئی کہ پھوپھو سے ان کے بارے میں پوچھے گی لیکن پھوپھو کے پاس پڑوس کی کوئی خاتون موجود تھیں جن کی وجہ سے اس کا دھیان ہٹ گیا اور دوبارہ یاد اس وقت آیا جب وہ آذر کے ساتھ خالہ کے گھر جا رہی تھی۔

"آذر بھائی! وہ آپ کی چچی جان آپ لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں رہتیں؟" اس کے پوچھنے پر آذر نے چونک کر اسے دیکھا پھر قدرے ناگواری سے پوچھنے لگا۔

"تم نے انہیں کہاں دیکھ لیا ہے۔"

"انیکسی میں، میں آج گئی تھی ان کے پاس۔" وہ سادگی سے بتا کر ان کی تعریف کرنے لگی۔ "بہت اچھی، محبت کرنے والی خاتون ہیں۔"

"اور اور کون تھا وہاں؟" آذر کی ناگواری ہنوز تھی اور وہ پتا نہیں سمجھ نہیں رہی تھی یا قصداً نظر انداز کر رہی تھی۔

"کوئی نہیں، اکیلی تھیں۔ میں کافی دیر ان کے پاس بیٹھی۔ وہ ممی ڈیڈی کو بھی جانتی ہیں۔"

"ہوں۔" آذر نے پرسوچ انداز میں ہوں کی آواز نکالی۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ آپ کے ساتھ کیوں نہیں رہتیں؟ پھوپھو بھی اکیلی ہوتی ہیں اور وہ بھی، دونوں ساتھ رہیں گی تو۔"

"نہیں رہنا چاہتیں وہ ہمارے ساتھ۔" ضبط کرتے کرتے بھی وہ غصے سے بولا۔ "چھوٹے گھر کی ہیں ناں۔ بہت شوق ہے انہیں مظلوم بننے کا سب کی ہمدردیاں سمیٹنا چاہتی ہیں۔ اسی لئے انیکسی میں پڑی ہیں۔ تاکہ سب سے کہہ سکیں کہ ہم نے انہیں کونے میں ڈال دیا۔"

"نہیں آذر بھائی! وہ تو اس پر بھی شکر کر رہی تھیں کہ انہیں سر چھپانے کو جگہ مل گئی۔ کہہ رہی تھیں مہربانی ہے انکل کی۔" وہ اس کے غصے سے خائف ہو کر بولی تو اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"ہونہہ! پہلے پہل ایسی ہی باتیں کرتی ہیں۔ پھر اپنی قسمت کا رونا روتی ہیں، بہت چالاک عورت ہیں اور ان کا انتہائی بدتمیز اور بدمزاج بیٹا غائر احمد وہ تو اس چکر میں ہے کہ ہم سب کو نکال کر سارے گھر پر قبضہ کر لے۔" وہ ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے زہرخند سے بول رہا تھا۔

"ان کا بیٹا۔" اس کی نظروں میں وہ دراز قامت آن سمایا جو اسے دیکھتے ہی خاصے جارحانہ انداز میں باہر نکل گیا تھا۔

"ہاں، آوارہ بدمعاش، پتا نہیں کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو۔ تم ذرا ہوشیار رہنا اور تمہیں کیا ضرورت تھی اس طرف جانے کی؟"

"وہ...... میں تو بس۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

"دوبارہ نہیں جانا، سمجھیں۔" اس نے پہلے متنبہ کیا پھر ایک دم نرم پڑ کر کہنے لگا۔

"میں نہیں چاہتا کہ وہ اجڈ تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی کرے اگر ایسا ہوا تو میں اسے شوٹ کر دوں گا۔"

"اف!" وہ بری طرح سہم گئی۔ "میں اب ادھر نہیں جاؤں گی۔"

"خیر اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" آذر کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ جب ہی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "تم میری کزن ہو یا اس سے زیادہ کچھ اور کہوں۔"

"اور کیا؟" اس نے بے خیالی میں پوچھا لیکن جب اس کے ہونٹوں میں دبی معنی خیز مسکراہٹ دیکھی تو سٹپٹا گئی اور فوراً اپنا چہرہ دوسری سمت موڑ لیا۔

"اچھا سنو، خالہ کے گھر کتنے دن رہو گی؟" قدرے توقف سے آذر نے اسے متوجہ کر کے پوچھا۔

''پتا نہیں، میرا مطلب ہے اگر دل لگ گیا تو زیادہ دن ورنہ۔''

''کیا؟ کیا لگ گیا۔'' آذر نے موڑ کاٹنے کے بعد اسے گھورا تو وہ ہنسی دبا کر بولی۔

''دل۔''

''خبردار جو کہیں اور دل لگایا تو، میں بس کل شام میں ہی تمھیں لینے پہنچ جاؤں گا۔''

''نہیں پلیز اتنی جلدی نہیں۔ خالہ بھی مائنڈ کریں گی، مجھے جس روز آنا ہو گا، آپ کو فون کردوں گی۔'' اس نے عاجزی سے کہا تو وہ نیم پلیٹ دیکھتے ہوئے بولا۔

''جس روز نہیں زیادہ سے زیادہ دو دن۔'' پھر ایک گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر کہنے لگا۔ ''تم فون نہیں کرو گی تب بھی میں آجاؤں گا، اب اترو! آگیا تمھاری خالہ کا گھر۔''

''آپ اندر نہیں چلیں گے؟'' اس نے پچھلی نشست سے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے پوچھا تو جواب دینے کی بجائے وہ اس سے پہلے اتر گیا اور جب تک وہ قریب آتی بیل کا بٹن پش کر چکا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک چار پانچ سال کا بچہ کون کون پوچھتا ہوا آیا اور گیٹ کھول کر باری باری دونوں کو دیکھنے لگا تو وہ اس کے گال چھو کر بولی۔

''مجھے پتا ہے آپ نونی ہو۔'' پھر اسے گود میں اٹھا کر آذر کو اندر چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی ''یہ احمد بھائی کا بیٹا ہے۔ ابھی پچھلے مہینے اس کی برتھ ڈے کی تصویریں ہمارے پاس آئی تھیں۔''

''کون ہے نونی؟'' خالہ پوچھتی ہوئی دروازے سے نکلی تھیں۔

''میں ہوں خالہ نیہاں۔'' وہ نونی کو نیچے اتار کر بھاگ کر خالہ سے لپٹ گئی۔

''آگئیں تمھیں خالہ کی یاد؟ اتنے دنوں سے آئی ہوئی ہو'' خالہ نے اسے بازوؤں میں بھینچنے کے ساتھ پیار بھرا شکوہ بھی کیا۔ پھر وہیں برآمدے میں بچھے تخت پر اسے اپنے ساتھ لے کر بیٹھیں اور بہو کو پکار کر آذر کے لئے کرسی لانے کو کہا تو وہ فوراً کہنے لگا۔

''نہیں بس چلتا ہوں۔ جب نیہاں کو لینے آؤں گا' تب نہ صرف بیٹھوں گا بلکہ چائے بھی پیوں گا۔''

''نیہاں ابھی تو نہیں جائے گی۔'' خالہ نے پھر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تو وہ اسے ہاتھ ہلاتا ہوا وہیں سے پلٹ گیا۔

''یہ تمھاری پھوپھو کا بیٹا تھا؟'' خالہ نے پوچھا تو وہ جو اس کے پیچھے دیکھ رہی تھی' چونک کر بولی۔

''جی!'' پھر اٹھ کر بھابھی سے گلے ملی اور ان کی گود سے ننھی ہما کو لے کر دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''میں بہت دنوں سے آنا چاہ رہی تھی خالہ! لیکن کوئی فارغ ہی نہیں تھا جو مجھے لے آتا ابھی بھی آذر بھائی آفس چھوڑ کر آئے ہیں۔''

''تو تم فون کر دیتیں۔ احمد جا کر تمھیں لے آتا۔''

''میں نے سوچا تھا لیکن، خیر چھوڑیں آتو گئی ہوں اور مجھے یقین ہے یہاں میں بور نہیں ہوں گی۔'' وہ ہما کو گدگدانے لگی اور اس کے ساتھ خود بھی ہنستی چلی گئی۔

☆☆☆

خالہ کے گھر واقعی اس کا دل لگ گیا تھا۔ سارا وقت ہما اور نونی کے ساتھ لگی رہتی۔ نونی کی باتیں اسے بہت اچھی لگتی تھیں۔ بھابھی بھی اچھے مزاج کی تھیں۔ ہنس مکھ اور ملنسار۔ پھر احمد بھائی روزانہ کہیں نہ کہیں لے جارہے تھے۔ حالانکہ وہ بھی آفس سے تھکے ہوئے آتے تھے بس کچھ دیر آرام کرتے پھر تیار ہو جاتے۔ کلفٹن، ہاکس بے، الہ دین پارک، ایک ہفتے میں انہوں نے اسے پورا کراچی گھما ڈالا۔ بچوں کے ساتھ تفریح میں اسے واقعی بہت مزہ آیا۔ جب ہی آذر کو ہر روز کل پر ٹالتی رہی۔ اس وقت وہ بھابھی کے کہنے پر کہیں جانے کیلئے تیار ہو رہی تھی کہ پھر آذر کا فون آگیا۔

''سنو۔ آج میں کچھ نہیں سنوں گا، بس تم تیار رہو میں آرہا ہوں۔'' آذر نے چھوٹتے

ہی کہا تو وہ کھلکھلا کر بولی۔

''میں تیار ہوں آذر بھائی! اور آپ کے پہنچنے سے پہلے یہاں سے نکل بھی چکی ہوں گی۔''

''کیا مطلب، کس کے ساتھ جارہی ہو؟''

''احمد بھائی اور بھابھی کے ساتھ۔''

''ٹھیک ہے پھر میں گھر پہنچتا ہوں۔'' آذر نے غالباً مطمئن ہو کر سلسلہ منقطع کرنا چاہا تھا کہ وہ فوراً چیخی۔

''ایک منٹ۔ میں آپ کے گھر نہیں جارہی۔ احمد بھائی کہیں اور لے جارہے ہیں۔''

''کہیں بھی جاؤ۔'' آذر نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ تو اس کی ساری شوخی ہوگئی۔ کچھ دیر وہیں کھڑی سوچتی رہی پھر بھابھی کے پاس آ کر بولی۔

''سوری بھابھی! میں اب کہیں نہیں جاسکتی۔''

''کیوں؟'' بھابھی نے تعجب سے دیکھا تو وہ نظریں چرا کر کہنے لگی۔

''وہ ابھی انیلا کا فون آیا تھا۔ پھوپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بس اب میں وہیں جاؤں گی، آپ پلیز مجھے وہیں چھوڑ دیجئے گا، میں جانے سے پہلے پھر آؤں گی۔''

''میں کیا کہوں اپنی خالہ سے پوچھو۔'' بھابھی نے کہا تو وہ خالہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور پھر ان سے اجازت لے کر ہی نکلی تھی۔ بھابھی اور بچے کیونکہ تیار تھے۔ اسلئے احمد بھائی نے اپنا پروگرام وہی رہنے دیا۔ بس یہ تھا کہ پہلے اسے پھوپھو کے گھر اتار دیا تو اس نے سب کو سرسری انداز میں اندر چلنے کو کہا۔ زیادہ اصرار یوں نہیں کیا کہ پھوپھو کی بیماری کا بہانا کر چکی تھی اس لئے احمد بھائی نے پھر کسی وقت آنے کو کہا تو وہ جلدی سے بولی۔

''ٹھیک ہے پھر خالہ کو بھی لے کر آئیے گا۔''

''اچھی بات ہے، خدا حافظ۔'' احمد بھائی گاڑی بڑھا لے گئے۔ وہ کچھ دیر رک کر ہاتھ

ہلاتی رہی۔ پھر گیٹ سے اندر داخل ہونے لگی تھی کہ چوکیدار اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔

''صاحب لوگ نہیں ہیں۔''

''پھر، بی بی لوگ تو ہیں ناں؟'' وہ کچھ مگن سے انداز میں کہتی ہوئی اندر آگئی۔ لیکن برآمدے سے آگے سب لاک تھا۔ تب اسے چوکیدار کی بات سمجھ میں آئی اور اس کے ساتھ ہی وہ پریشان بھی ہوگئی۔ پتا نہیں سب لوگ کہاں گئے تھے اور ان کی واپسی کب تک ہونی تھی۔ وہ سوچتی ہوئی بیگ وہیں برآمدے میں رکھ کر واپس چوکیدار کے پاس آکر پوچھنے لگی۔

''سنو، کہاں گئے ہیں سب لوگ؟''

''معلوم نہیں، ام صرف چوکیداری کرتا، جانے آنے کا نہیں پوچھتا۔''

چوکیدار کے جواب سے مایوس ہو کر اس نے گیٹ بند کر دیا اور اپنی جلد بازی پر کڑھتی ہوئی بہت سست روی سے لان میں بیٹھنے جارہی تھی کہ معاً انیلا کی چچی کا خیال آیا اور وہ فوراً اس طرف چل پڑی۔ باڑھ سے گزر کر برآمدے میں آئی تو خلافِ معمول کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے بغیر رکے اندر قدم رکھ دیے لیکن پھر ٹھٹھک کر رک گئی سامنے والے پلنگ پر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ بالکل سیدھا لیٹا تھا۔ اور گو کہ وہ بالکل ہوا کی مانند بنا کسی آہٹ کے داخل ہوئی تھی پھر بھی وہ ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ یوں کہ آنکھوں میں کوئی سوال ابھرا نہ چہرے پر کوئی تاثر بلکہ جیسے کسی نادیدہ ہاتھ نے گردن اس کی طرف موڑ دی ہو۔

''وہ آنٹی کہاں ہیں؟''۔ وہ اس کی خاموش نظروں سے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''کون؟'' آواز پر اس کی بھٹکتی ہوئی نظریں اس پر گئیں تو اور پریشان ہوگئی کیونکہ اس کے ہونٹ ویسے ہی ایک دوسرے پر جمے تھے۔

''آپ کی اماں کیا وہ پھوپھو کے ساتھ گئی ہیں؟'' اس نے بہت ہمت کر کے پوچھا تو اس بار اس کی پیشانی پر واضح لکیریں ابھریں، پھر اٹھ کر بیٹھ گیا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''بیٹھ جائیں، اماں ابھی آتی ہوں گی۔''

''تھینک یو۔'' وہ اس کے شائستہ لہجے سے حوصلہ پا کر دوسرے پلنگ کے کنارے ٹکتے ہوئے کہنے لگی۔ ''ادھر سب لوگ پتا نہیں کہاں گئے ہیں؟ مجھے معلوم نہیں تھا ورنہ میں کل آتی۔''

وہ سر جھکائے پتا نہیں سن بھی رہا تھا کہ نہیں۔

''شام ہو رہی ہے۔ اگر پھوپھو کسی دعوت میں گئی ہیں تو انہیں آنے میں رات ہو جائے گی تب تک میں۔'' وہ اپنے آپ بول کر خاموش ہو گئی۔ تو قدرے توقف سے اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ چائے پئیں گی؟''

''آپ بنائیں گے؟'' اس نے کچھ حیران ہو کر دیکھا تو وہ کوئی جواب دیے بغیر کمرے سے نکل گیا اور وہ الجھ گئی۔ بقول آذر کے انتہائی بدتمیز، بدمزاج اور خود اس نے بھی اس روز اسے کچھ ایسے ہی انداز میں دیکھا تھا۔ جبکہ اب بالکل مختلف لگ رہا تھا۔

''چائے۔'' اس کی آواز پر وہ چونکی اور جلدی سے مگ تھام کر پوچھا۔

''آنٹی نہیں آئیں، کہاں گئی ہیں؟'' اس نے جواب دینا شاید ضروری نہیں سمجھا اور اپنی جگہ بیٹھ کر چائے پینے لگ گیا۔ تو کچھ دیر بعد وہ خاموشی سے گھبرا کر بولی۔

''میں نے شاید آپ کو ڈسٹرب کیا ہے؟ آئی ایم سوری۔ اصل میں سارا گھر لاک ہے۔ میں برآمدے میں یالان میں اکیلی بیٹھتی تو مجھے ڈر لگتا اس لئے میں یہاں چلی آئی اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو۔''

''پلیز۔'' وہ ٹوک کر بولا۔ ''یہ بھی ان کا ہی گھر ہے۔ آپ چاہیں تو مجھے یہاں سے نکال دیں۔''

وہ قدرے خائف ہو کر دیکھنے لگی تھی۔ تب ہی اس کی اماں آگئیں جنہیں دیکھتے ہی اس کے ساتھ وہ بھی کھڑی ہو گئی اور آہستہ سے سلام کیا تو جواب میں وہ دعائیں دیتی ہوئی اپنی چادر تہہ

کرنے لگیں۔ پتا نہیں کہاں سے آ رہی تھیں۔ کچھ تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں۔ چادر تکیے کے نیچے رکھ کر بیٹھیں تب اسے دیکھ کر بولیں۔

''کھڑی کیوں ہو بیٹی؟ بیٹھ جاؤ۔''

''جی۔'' وہ خاموشی سے انہیں دیکھے جا رہی تھی کچھ چونک کر بیٹھ گئی۔

''غائر۔ ایک گلاس پانی دو بیٹا!'' اماں نے اسے مخاطب کر کے کہا لیکن وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

''میں لاتی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی سامنے والے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ آگے کچھ جگہ چھوڑ کر دائیں ہاتھ پر کچن تھا۔ اس نے گلاس اٹھا کر کولر سے ٹھنڈا پانی بھرا اور لے کر اندر آئی تو اماں جانے کیا بات کر رہی تھیں جو اسے دیکھ کر خاموش ہو گئیں تو اچانک ماں بیٹے کے درمیان اسے اپنا آپ انتہائی غیر اہم سا لگا اور یہ خیال کہ اس کی وجہ سے وہ کوئی ضروری بات کرنے سے رہ گئے ہیں۔ وہ پانی کا گلاس اماں کو تھماتے ہی جانے کیلئے تیار ہو گئی۔

''میں چلتی ہوں آنٹی! شاید پھوپھو آ گئی ہوں۔''

''آئیں گی تو گاڑی کی آواز آپ کو یہیں سنائی دے جائے گی۔'' اماں سے پہلے وہ بول پڑا۔ ''ویسے اگر جانا چاہیں تو آپ کی مرضی۔''

''کیا بات ہے کہاں جانا ہے؟'' اماں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے باری باری دونوں کو دیکھا تو وہ قدرے ہچکچا کر بولی۔

''کہیں نہیں۔ وہ پھوپھو کے گھر میں کوئی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے سب کہیں گئے ہوئے ہیں۔''

''تمہیں نہیں لے گئے؟'' اماں نے تعجب سے پوچھا۔

''میں یہاں نہیں تھی، ان کے جانے کے بعد آئی ہوں۔''

''ہاں تو بیٹھو ناں۔ جب آ جائیں گے سب، تب چلی جانا۔ کوئی فکر کی بات نہیں

ہے۔اسے بھی اپنا ہی گھر سمجھو۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھادیا۔ پھر گلاس خالی کر کے غائزکو تھماتے ہوئے اس سے پوچھنے لگیں۔

''تم اس وقت جاؤ گے تو آؤ گے کب؟''

''کل اسی وقت یا پھر پرسوں صبح۔'' وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔تو اس نے یونہی پوچھ لیا۔

''کہاں جارہے ہیں؟''

''پتا نہیں۔'' اماں نے لاعلمی کے ساتھ بات بدل دی۔

''تم خالہ سے ملنے گئی تھیں۔کیسی ہیں تمھاری خالہ اوران کے بچے۔''

''سب ٹھیک ہیں۔ان کا پوتا نونی بہت ہی شرارتی ہے۔'' وہ اب ٹانگیں اوپر سمیٹ کر آرام سے بیٹھ گئی اور یونہی بات سے بات نکلتی چلی گئی تو وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔نو بجے اماں اس سے کھانے کا پوچھ کر اٹھنے لگیں تو وہ انہیں روک کر بولی۔

''مجھے بتائیں' کیا کرنا ہے؟''

''کچھ نہیں کرنا بیٹی! سالن رکھا ہے۔وہی گرم کروں گی اور دو تین روٹیاں ڈالنی ہیں۔''

''میں ڈال دیتی ہوں۔آپ بیٹھیں۔'' وہ ان کے روکتے روکتے بھی اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور کچھ ہی دیر بعد روٹی اور سالن لے کر آ گئی۔تو اماں نے جلدی سے وہیں پلنگ پر دستر خوان بچھادیا۔

''آپ کا بیٹا کہیں جاب کرتا ہے؟'' کھانے کے دوران اچانک کسی خیال کے تحت اس نے پوچھا۔

''نہیں' دو سال سے کوشش کر رہا ہے لیکن پتا نہیں قسمت میں کیا ہے جو نوکری مل کے نہیں دے رہی۔'' انہوں نے آہ بھر کر کہا تو اس نے فوراً مشورہ دیا۔

''آپ انکل سے کہیں ناں وہ اپنی فیکٹری میں لگا دیں گے۔'' انہوں نے کوئی جواب

نہیں دیا بلکہ یوں بن گئیں جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں اور قدرے توقف سے وہ اپنے طور پر ہمدردی جتا کر کہنے لگی۔

''اچھا ہے ناں آنٹی! کسی کام سے لگ جائیں گے تو بری صحبت سے بچ جائیں گے۔یہ اچھی بات تو نہیں ہے۔انہیں آپ کا احساس کرنا چاہئے۔'' اماں حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئیں وہ اپنی سادگی میں جانے کیا کچھ کہے جارہی تھی تبھی شوبی اسے پکارتا ہوا اندر آ گیا۔

''واؤ......!یہاں کھانا کھایا جارہا ہے۔''

''آؤ تم بھی کھاؤ۔'' اس نے کھسک کر شوبی کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی لیکن وہ ناک چڑھا کر بولا۔

''جناب! ہم ابھی فائیو اسٹار میں ڈنر کر کے آرہے ہیں۔چلو تمھیں امی بلا رہی ہیں۔''

''آرہی ہوں۔ویسے تمھیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔'' اس نے دستر خوان سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''تمھارا بیگ وہاں برآمدے میں رکھا ہوا ہے۔جسے دیکھتے ہی آذر بھائی نے مجھے ادھر دوڑادیا۔''

''ابھی تو کہہ رہے تھے' پھوپھو بلا رہی ہیں۔'' اس نے فوراً ٹوکا۔

''کوئی بھی بلا رہا ہے۔جلدی چلو۔'' شوبی کی عجلت کو وہ قصداً نظرانداز کر گئی۔

''تم جاؤ بیٹی! ورنہ تمھاری پھوپھو ناراض ہوں گی۔'' وہ پتھان سنی کر کے کھڑی رہی اور ان سے گلاس لے کر رکھنے کے بعد دوبارہ آنے کا کہتی ہوئی اس طرف آئی تو آگے ڈرائیو وے پر آذر ادھر سے اُدھر ٹہل کر اسی کا انتظار کر رہا تھا۔اسے دیکھتے ہی لپک کر اس کے پاس آیا اور قدرے غصے سے بولا۔

''میں نے تمھیں ادھر جانے سے منع کیا تھا۔''

''پھر کہاں جاتی؟ اکیلے یہاں بیٹھتے ہوئے مجھے ڈر لگ رہا تھا۔'' اس نے سادگی سے کہا تو وہ ایک دم نرم پڑ گیا۔

''تم آئیں کیسے' آئی مین تم تو کہیں اور جا رہی تھیں؟''

''آپ ناراض جو ہو گئے تھے۔ جب ہی میں نے احمد بھائی سے کہا مجھے یہاں چھوڑ دیں۔'' اس نے منہ پھلا کر کہا اور وہ بہت خوش ہو گیا۔

''تو تمھیں میری ناراضگی کی پروا ہے۔ ویری گڈ۔ چلو اسی خوشی میں تمھیں آئس کریم کھلا دوں۔ جاؤ امی سے کہہ آؤ کہ تم میرے ساتھ جا رہی ہو۔''

''انیلا کو بھی لے آؤں گی۔'' وہ کہہ کر بھاگنے لگی تھی کہ اس نے ہاتھ پکڑ لیا۔

''اسٹوپڈ! یہیں رکو تم۔ میں بتا کر آتا ہوں۔'' وہ تیز قدموں سے اندر چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں واپس بھی آ گیا۔

''کھانا بھی تو نہیں کھایا ہو گا تم نے؟'' گیٹ سے گاڑی نکالتے ہی آذر کو اس کے کھانے کا خیال آیا۔

''نہیں' آنٹی کے ساتھ کھا لیا تھا۔ بہت اچھا سالن بنایا تھا انہوں نے اور پتا ہے آذر بھائی!''

''مائی گاڈ۔ یہ تم مجھے بھائی کہنا کب چھوڑو گی۔'' اس نے بالآخر ٹوک دیا تو وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

پھر شاید وہ تھکا ہوا تھا جب ہی قریبی کولڈ کارنر سے آئس کریم لے کر گاڑی واپس گھر کے راستے پر ڈال دی تو اس نے کچھ حیران ہو کر دیکھا پھر کہنے لگی۔

''بہت کنجوس ہیں آپ۔ ایک آئس کریم اور گھمایا بھی نہیں۔

''سوری یار! اصل میں صبح سے اب تک ایک لمحہ آرام کا نہیں ملا۔ خیر اب تم کہتی ہو تو۔

''نہیں۔ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''بس سیدھے گھر چلیں۔ مجھے بھی آپ لوگوں کے انتظار نے تھکا دیا ہے۔ پتا ہے جب آپ نے فون کیا تھا۔ میں اسی وقت آ گئی تھی اور تب سے آنٹی کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہوں۔ کمر اکڑ گئی ہے۔''

''کیا باتیں کرتی رہیں وہ تمھارے ساتھ؟'' آذر نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا تو وہ بھی لاپروائی سے بولی۔

''وہی عام سی باتیں تھیں۔ تمھارے ڈیڈی کیا کرتے ہیں اور ممی کیسی ہیں۔ تم کون سی کلاس میں پڑھتی ہو وغیرہ وغیرہ۔''

''اور وہ غائز نہیں تھا؟'' اس نے مرر میں ایک گہری نظر اس پر ڈال کر پوچھا۔

''جب میں گئی تھی اس وقت تھا پھر کچھ دیر بعد کہیں چلا گیا تھا۔ آنٹی بہت پریشان ہیں اس کے لئے۔ اسے کہیں جاب نہیں مل رہی ناں۔ آپ کیوں نہیں اسے کوئی جاب دلا دیتے۔'' وہ اپنی فطری سادگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''وہ کرنا چاہے تب تو۔ میں کیا ابو بھی کئی بار اس سے کہہ چکے ہیں لیکن وہ سنتا ہی نہیں۔ اصل میں اس کے دماغ میں آوارگی رچ گئی ہے۔ وہ کہاں کہیں پابند ہو کر کام کر سکتا ہے اور ساری بات ہے احساس کی۔ اسے اپنی ماں کا بھی احساس نہیں ہے۔''

آذر بہت تاسف سے بول رہا تھا۔ جیسے غائز کے معاملے میں وہ بے بس ہو اور وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ پھر گھر آنے پر وہ اسے دیکھ کر بولا۔

''چلو تم زیادہ نہ سوچو۔ یہ تمھارا مسئلہ نہیں ہے۔''

''او کے باس!'' وہ مسکراتی ہوئی اس سے پہلے اندر بھاگ گئی۔

☆☆☆

پھر اگلے دن سے ہی آذر نے جلدی آنا شروع کر دیا اور بغیر آرام کئے اسے کہیں نہ کہیں گھمانے لے جاتا۔ اب پتا نہیں اس کا کنجوس کہنا کھلا تھا یا کوئی اور بات' کچھ بھی تھا بہر حال

چند دنوں میں وہ اس پر یوں چھا گیا تھا کہ اس سے ہٹ کر وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں پا رہی تھی۔ یہاں تک کہ واپسی کا خیال بھی اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ دوپہر کی نیند لے کر اٹھی تو بس یہی خیال تھا کہ آذر آنے والا ہو گا اور اس کے آنے سے پہلے اسے تیار رہنا چاہئے ورنہ وہ ناراض ہو گا اور اس کی ذرا سی ناراضگی سچ مچ اس کی جان پر بنا دیتی تھی۔ اس لئے اٹھنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے کپڑے نکالے اور واش روم میں بند ہو گئی۔ کچھ دیر بعد نکلی تو انیلا انتظار میں کھڑی تھی فوراً بولی۔

''جلدی جاؤ۔ تمھاری ممی کا فون ہے۔'' وہ بھاگ کر لاؤنج میں آئی تو پھوپھو بات کر رہی تھیں۔ اسے دیکھا تو ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ممی سے بات کرو۔''

''ہیلو، ہیلو ممی کیسی ہیں آپ اور ڈیڈی اور عمیر......؟'' وہ ایک ہی سانس میں سب کا پوچھ لینا چاہتی تھی۔

''سب ٹھیک ہیں بیٹا! تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟'' ممی کے ٹوکنے پر وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''نہیں تو ممی! اصل میں بھاگتی ہوئی آئی ہوں۔ اس لئے سانس پھول رہا ہے۔''

''اچھا بیٹھ جاؤ آرام سے' مجھے ضروری بات کرنی ہے۔'' ممی نے کہا تو اس نے اپنے پیچھے دیکھا پھر پھوپھو کے اٹھنے پر ان ہی کی جگہ پر بیٹھ گئی۔

''جی ممی! کہیے کیا بات ہے۔''

''بیٹا! وہ تمھاری پھوپھو کا خط آیا ہے ہمارے پاس۔ انہوں نے تمھارے لئے آذر کا پرپوزل دیا ہے۔'' ممی نے خاموش ہو کر غالباً تاثرات جاننا چاہے لیکن وہ فوراً کچھ نہیں بولی۔ ایک تو فطری جھجک تھی دوسرے دل بھی بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

''تم سن رہی ہو ناں بیٹا؟ تمھارے ڈیڈی تو آذر کی تعریف کر رہے ہیں۔ تم بتاؤ کیسے

ہے وہ اور سب گھر والے......؟ کیا تم وہاں ایڈجسٹ ہو سکتی ہو......؟'' ممی اسے متوجہ کر کے پوچھا تو وہ سنبھل کر بولی۔

''سب لوگ بہت اچھے ہیں ممی! بہت خیال رکھتے ہیں میرا۔''

''اس کا مطلب ہے تمھیں اس پرپوزل پر کوئی اعتراض نہیں اور اعتراض تو میں بھی نہیں کر رہی لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ تم اچھی طرح سوچ لو۔ کیونکہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ سمجھ رہی ہو ناں۔''

''جی!'' وہ پورے دھیان سے سن رہی تھی جب ہی کچھ چونک کر بس جی کہہ سکی۔

''او کے۔ میں تم سے دوبارہ بات کرنے کے بعد تمھاری پھوپھو کو جواب دوں گی۔ اس دوران تم ہر پہلو سے سوچ لو بلکہ اچھی طرح دیکھ بھی لو کہ وہ ماحول تمھارے لئے بالکل اجنبی تو نہیں۔ اصل میں بیٹا اتنے سال ہو گئے ہیں' اس لئے مجھے نہیں معلوم وہاں کتنی تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے لوگ۔''

ممی کی بات جاری تھی لیکن لائن کٹ گئی۔ اس نے کچھ مایوس ہو کر ریسیور کو دیکھا پھر کریڈل پر رکھ کر صوفے کی بیک پر سر ٹکایا تو سامنے آذر پر نظر پڑی۔ وہ پتا نہیں کب آیا تھا یا شاید ابھی۔ اس کے دیکھنے پر آگے آتے ہوئے بولا۔

''کون تھا جسے اتنے انہماک سے سن رہی تھیں؟''

''آپ کے خیال میں کون ہو سکتا ہے۔'' اس نے کچھ شریر مسکراہٹ کے ساتھ الٹا اس سے پوچھا۔ تو وہ بھنویں اچکا کر بولا۔

''ہو سکتا ہے یعنی مذکر۔ نو نو' میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن میں تو یہاں موجود ہوں۔'' وہ گھورنے لگا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تو آپ جیلس بھی ہوتے ہیں۔''

''تمھارے معاملے میں۔'' وہ فوراً بولا۔

''جلدی بتاؤ کون تھا؟''

''ممی۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''کہہ رہی تھیں فوراً واپس آ جاؤ۔''

''کیوں؟'' اس کے کیوں میں احتجاج تھا۔ وہ بمشکل مسکراہٹ چھپا کر کہنے لگی۔

''کیوں کا کیا مطلب۔ مجھے جانا نہیں ہے کیا؟ ہمیشہ کے لئے تو نہیں آئی۔''

''اور اگر میں کہوں ہمیشہ کے لئے یہیں رہ جاؤ تو......؟''

وہ اس کے مقابل آ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ غیر محسوس طریقے سے رخ موڑ گئی اور اس سمت دھیرے دھیرے آگے بڑھتی چلی گئی۔ پھر لاؤنج سے نکلنے سے پہلے بولی تھی۔

''رہ جاؤں گی۔''

☆☆☆

ممی نے جب دوبارہ اس سے پوچھا تھا تب بھی اس کا وہی جواب تھا کہ سب بہت اچھے ہیں۔ یہ ایک طرح سے اس کی رضامندی تھی۔ جسے سمجھتے ہوئے ممی نے پھوپھو سے ہامی بھری۔ اس کے بعد طے یہ پایا کہ وہ خالہ کے گھر چلی جائے اور پھر ایک ڈیڑھ مہینے میں ممی ڈیڈی اور عمیر آئیں گے تو اسے وہیں سے رخصت کریں گے' یوں اگلے دن ہی وہ خالہ کے گھر جانے کی تیاری کرنے لگی' اپنی ساری چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی کہ عقب سے انیلا اس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر بولی۔

''واپس تو یہیں آؤ گی۔ پھر کیوں اتنی مغز ماری کر رہی ہو۔''

''لو میں تو تمھارے خیال سے کہہ رہی ہوں کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ سب پھیلا کر چلی گئی۔''

وہ سوٹ کیس بند کرتے ہوئے بولی۔

''میں تو کہتی ہوں۔ تم جاؤ ہی نا۔ یہیں رہو آرام سے۔ جب ماموں جان اور ممانی

جان کے آنے کا ہوگا تب ایک دو دن پہلے چلی جانا

''جناب! ممی فون کر چکی ہیں خالہ کو جب ہی تو کل احمد بھائی لینے آئیں گے اور پھر مجھے بھی یہی ٹھیک لگ رہا ہے۔''

''کیوں اب شرم آنے لگی ہے آذر بھائی سے؟'' انیلا کے گدگدانے پر وہ سچ مچ شرما گئی تھی۔

اگلے روز احمد بھائی کے انتظار میں وہ لاؤنج میں آ بیٹھی۔ انہوں نے دس بجے آنے کو کہا تھا اور سامنے وال کلاک دس بجا رہی تھی۔ پھوپھو اپنے کمرے میں پتا نہیں کیا کر رہی تھیں۔ وہ ان کے پاس جانے کے لئے کھڑی ہوئی لیکن پھر احمد بھائی کو دیکھنے باہر نکل آئی۔ گیٹ بند تھا اس نے پنجوں پر اونچا ہو کر باہر نظر دوڑائی۔ دور دور تک کسی گاڑی کا نام ونشان نہیں تھا۔ تب وہ اندر جانے کی بجائے انیکسی کی طرف آ گئی کہ کھڑے کھڑے آنٹی سے مل لے۔ دروازہ ذرا سا کھلا تھا۔ اس نے ہلکی سی دستک کے ساتھ انہیں پکارا اور ان کے آ جاؤ کہنے پر اندر داخل ہوئی تو پہلی نظر اس پر پڑی جو ریک کے پاس کھڑا کتابوں میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے فوراً اس کی طرف سے نظریں ہٹا کر اس کی اماں کو سلام کیا۔

''جیتی رہو' خوش رہو۔ آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے دعاؤں کے ساتھ اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ معذرت کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''سوری آنٹی! بیٹھ نہیں سکتی' اصل میں میں جا رہی تھی تو سوچا آپ سے مل لوں۔''

''کہاں' واپس ناروے جا رہی ہو؟'' ان کے پوچھنے پر وہ بے اختیار بولی تھی۔

''نہیں' وہاں تو اب پتا نہیں جانا ہوگا بھی کہ نہیں۔''

''کیوں' تمھارے ماں باپ یہیں آ رہے ہیں؟''

''جی۔ بس تھوڑے دنوں کے لئے پھر چلے جائیں گے۔''

''اور تم؟'' انہوں نے الجھ کر دیکھا تو وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''میں پھوپھو کے پاس آجاؤں گی ہمیشہ کے لئے۔''

''ہمیشہ کے لئے۔''انہوں نے پرسوچ انداز میں دہرایا پھر ایک دم سمجھ کر مسکرائیں۔

''تو شادی ہو رہی ہے تمھاری......مبارک ہو!''

وہ ذرا سا مسکرائی بھی کہ اس کی آواز پر چونک گئی۔

''اماں!۔ میری ہر چیز یونہی کھو جاتی ہے۔''اس کے ساتھ ہی اس نے پلٹ کر ایک موٹی سی کتاب ٹیبل پر پٹخی تھی۔ جس سے وہ قدرے خائف ہوئی اور اماں پریشان۔

''کیا' کیا کھو گیا ہے؟ مجھے بتاؤ۔''

''اب کیا بتاؤں۔ دیر ہو گئی۔'' وہ خاصا ناراض سا کمرے سے نکل گیا۔ تو اس کے دوبارہ اندر آنے سے پہلے ہی وہ اس کی اماں کو خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلی آئی۔ آگے احمد بھائی آئے بیٹھے تھے۔

''کہاں چلی گئی تھیں۔'' پھوپھو نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''بس ذرا آنٹی سے ملنے۔'' وہ اسی قدر کہہ کر احمد بھائی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''چلیں احمد بھائی! میں تو بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''بیٹا! پہلے ان سے چائے پانی کا تو پوچھو۔'' پھوپھو نے اس سے کہا تو احمد بھائی فوراً بول پڑے۔

''جی نہیں شکریہ۔ مجھے ابھی آفس بھی جانا ہے۔ چلو نیہاں! جو بیگ وغیرہ ہے' لے آؤ۔'' اس کے ساتھ ہی وہ کھڑے ہو گئے تو وہ جلدی سے جا کر اپنا سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی لے آئی۔

''تو تمھیں پھوپھو کا گھر راس آ گیا ہے؟'' احمد بھائی نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا تو اس نے شاید سنا نہیں یا سمجھی نہیں تھی۔

''جی۔''

''ویری گڈ۔'' احمد بھائی اس کا جی' اعتراف میں سمجھ کر مسکرائے پھر کہنے لگے۔

''میں زیادہ تو نہیں جانتا تمھاری پھوپھو کے گھر والوں کو بھی۔ کبھی کبھار کہیں آذر سے سرسری ملاقات ہو جاتی ہے۔ اچھا ہینڈسم لڑکا ہے اور کچھ مغرور بھی ہے یا ہو سکتا ہے یہ محض میرا خیال ہو۔ تمھیں کیسا لگتا ہے؟''

''نہیں مجھے تو مغرور نہیں لگتے۔'' اس نے اپنی ازلی سادگی سے کہا۔ تو احمد بھائی بس ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

وہ پہلے خالہ کے ہاں آئی تھی تو بہت اچھا وقت گزر رہا تھا۔ خصوصاً احمد بھائی کے بچوں کے ساتھ' ابھی بھی سارا دن ان ہی کے ساتھ لگی رہتی لیکن اب جیسے وقت گزر کے نہیں دے رہا تھا۔ آذر کا فون آتا تو وہ بھی یہی کہتا تھا اور شکوہ بھی کرتا کہ وہ خالہ کے ہاں کیوں چلی گئی اور واپسی پر اصرار کرتا تو اس سے وہ یہی کہتی کہ اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں بس ڈیڈی آنے والے ہیں۔

پھر جس روز ممی ڈیڈی اور عمیر آئے اس دن سے اس کی شادی کی شاپنگ شروع ہو گئی۔ تب پھر جیسے دن بھاگنے لگے تھے۔ احمد بھائی نے بڑی فراخدلی سے اپنی گاڑی ان کے تصرف میں دے دی تھی۔ ڈیڈی تو ایک دن بھی مشکل سے خالہ کے ہاں رہے تھے اور اگلے دن پھوپھو کے پاس چلے گئے۔ عمیر کو شوبی آ کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ تو پھر وہ بھی وہیں کا ہو رہا۔ کیونکہ خالہ کے ہاں اس کو کمپنی دینے والا کوئی نہیں تھا اس لئے ممی نے اسے ٹوکا اور جو خریداری کرنی ہوتی خالہ کے ساتھ چلی جاتیں۔ اسے صرف اپنی خاص چیزوں سے دلچسپی تھی۔ پھر بھی روزانہ ممی اور خالہ کے ساتھ جانا پڑتا کیونکہ گاڑی وہی ڈرائیو کرتی تھی۔ اس وقت وہ ممی اور خالہ کے ساتھ جانے لگی تو نونی ساتھ چلنے کی ضد کرنے لگا' بھابھی نے اسے بہت بہلانے کی کوشش کی لیکن وہ مچل مچل کر رونے لگا تھا۔ تب وہ اسے بھابھی کی گود سے جھپٹتے ہوئے بولی۔

''لے چلتے ہیں ناں خالہ! تنگ نہیں کرے گا۔''

"تنگ کرنے کی بات نہیں ہے بیٹا! ہم کہاں تک اسے اٹھائے پھریں گے' اتنے رش میں خود سے تو یہ چلے گا نہیں۔" خالہ نے کہا تو وہ نونی کو چمکارتے ہوئے بولی۔

"کوئی نہیں نونی اور میں گاڑی میں بیٹھے رہیں گے' ٹھیک ہے ناں نونی؟"

"اچھا چلو' دیر ہو رہی ہے۔" ممی نے اسے آگے دھکیلا تو وہ نونی کا ہاتھ پکڑ کر بھابھی کو ٹاٹا کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

ممی کو آج جیولر کے پاس جانا تھا اور اب تو اسے کافی حد تک راستے یاد ہو گئے تھے۔ بڑے آرام سے طارق روڈ پہنچ گئی اس کے بعد خالہ نے جہاں کہا وہاں گاڑی روک دی۔ پھر ممی اور خالہ اتر کر چلی گئیں تو اس نے نونی کو بہلانے کے لئے اسے غبارے خرید کر دے دیے اور خود اپنی بنائی ہوئی لسٹ نکال کر دیکھنے لگی۔ جس میں اس نے اپنی چند ضروری چیزیں لکھی تھیں۔ لیکن پھر نونی کی وجہ سے اس نے آج کی تاریخ میں اپنی خریداری ملتوی کر دی اور لسٹ دوبارہ پرس میں ڈال کر نونی کو دیکھا تو وہ سامنے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"آئس کریم۔"

"کھاؤ گے۔ رکو میں لے کر آتی ہوں۔" اس نے پرس میں سے پیسے نکالے پھر نونی کو آرام سے بیٹھنے کی تاکید کرتے ہوئے اتر کر آئی اور دوکان کے اندر بڑے سے ڈیپ فریزر کے اندر جھکے ہوئے شخص کو مخاطب کر کے بولی۔

"سنیں۔ دو کون دے دیں۔" وہ شاید پہلے ہی آئس کریم نکال رہا تھا' جب سیدھا ہو کر پلٹا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں چار پانچ پیک تھے۔ جنہیں دیکھ کر وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بات اس کے ہونٹوں میں رہ گئی اور آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئی تھیں۔ جبکہ غائر احمد بالکل نارمل تھا۔ اس کی حیرت بھی یکسر نظر انداز کر گیا اور شاید اسے بھی جب ہی اس سے پہلے آنے والے کسٹمر کو ان کی مطلوبہ آئس کریم تھمائی پھر اس کے سامنے دو کون رکھ کر پلٹنے لگا تھا کہ اس نے بے اختیار پکار لیا۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"یہ آپ کی شاپ؟"

"جی نہیں۔ میں یہاں ملازم ہوں۔ آپ کو کچھ اور چاہئے!" اس نے بے نیازی سے پوچھا۔

"نو تھینکس۔" وہ قدرے الجھتی ہوئی آئس کریم اٹھا کر دوبارہ گاڑی میں آ بیٹھی اور نونی کے ہاتھ میں کون آئس کریم تھماتے ہوئے اسے اپنے ہاتھ میں پیسے نظر آئے تو پریشان سی ہو گئی۔

"اف کیا سوچتا ہو گا۔ پیسے بھی نہیں دیے۔" وہ اپنے آپ سے خجل سی ہو کر فوراً واپس گئی اور کاؤنٹر پر سو کا نوٹ رکھتے ہوئے بولی۔

"آئی ایم سوری۔ میں پیسے دینا بھول گئی تھی۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے سو کا نوٹ اٹھا کر دراز میں ڈالا اور بقیہ پیسے گن کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ جنہیں لے کر وہ پھر گاڑی میں آ گئی لیکن اس کی طرف سے دھیان نہیں ہٹا سکی۔ بار بار گردن موڑ کر ادھر دیکھتی۔ وہ بڑی مستعدی سے کسٹمرز کو ڈیل کر رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر تو ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے پتا چلتا کہ وہ اس کام سے خوش ہے یا ناخوش پھر بھی جانے کیوں وہ اس سے ہمدردی محسوس کرنے لگی تھی۔ جبکہ اس کا ذہن متضاد سوچوں میں گھر گیا تھا۔ کبھی اسکی ماں کا خیال آتا' کبھی آذر کی باتیں جو اس نے غائر کے بارے میں کہی تھیں اور وہ خود پتا نہیں کیسا لگ رہا تھا۔ شاید اس کام کے لئے انتہائی ناموزوں۔

"پھوپھو! دادی!" نونی نے اس کا ہاتھ ہلا کر کہا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کے اشارے کی سمت ادھر سے ممی اور خالہ آ رہی تھیں۔

"تھینکس گاڈ!" اس نے گہری سانس کھینچتے ہوئے کہا اور پھر ان دونوں کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی

☆☆☆

پھر یونہی مصروفیات میں بقیہ دن بھی گزر گئے اور وہ خالہ کے گھر سے وداع ہو کر پھوپھو کے گھر میں آ سمائی۔ شاید قسمت اسی کو کہتے ہیں کہ جمیلہ کی شادی میں ناروے سے آتے ہوئے اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آگے اس کی زندگی کا نیا سفر اس کا منتظر ہے اور اس سفر کے آغاز پر وہ بہرحال بے حد خوش تھی اور پتا نہیں اسے اپنی خوشی میں مگن ہو کر انیکسی میں مقیم اس ماں بیٹے کا خیال نہیں آیا یا آذر نے اس کے ہر خیال پر گرفت کر دی تھی کہ کسی وقت بھی اس نے یہ نہیں سوچا کہ اس کی شادی میں وہ دونوں آئے بھی تھے کہ نہیں اور ان کی بابت وہ سوال بھی اسی وقت کر سکتی تھی جب اس کا دھیان ادھر جاتا۔ شاید ابتدائی دنوں کی محبت کا نشہ تھا جو باڑھ کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی اسے کچھ یاد نہیں آتا تھا۔ بہرحال پہلا ہفتہ عزیز رشتہ داروں کی دعوتوں میں جاتے آتے گزر گیا اس کے بعد ممی ڈیڈی نے واپس ناروے جانے کی تیاری شروع کر دی تو اس تمام عرصے میں اسے پہلی بار یہ خیال آیا کہ وہ اپنے ممی ڈیڈی سے کتنی دور آ گئی ہے۔ اور اب سالوں نہیں تو کم سے کم بھی ایک سال بعد ان سے مل سکے گی۔

''ممی! اب آپ ڈیڈی کو فورس کیجئے گا کہ وہ اپنا بزنس وائنڈ اپ کر کے یہیں آ جائیں۔'' اس نے ممی کی پیکنگ میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہوئے کہا تو وہ مایوسی سے بولیں۔

''چاہتی تو میں بھی یہی ہوں بیٹا! لیکن عمیر کی تعلیم مکمل ہونے تک تو ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''عمیر کی تعلیم بھی ابھی تین چار سال ہیں تو کیا اتنا عرصہ میں؟''

''نہیں، نہیں بیٹا! اس دوران تمھارے ڈیڈی آئیں گے تمھارے پاس اور ہو سکتا ہے میرا چکر بھی لگ جائے۔'' ممی نے فوراً اسے تسلی دی پھر کہنے لگیں۔

''ویسے اللہ کا شکر ہے یہاں کا ماحول کافی تبدیل ہو گیا ہے۔ تم انشاء اللہ جلدی ایڈجسٹ کر لو گی۔''

''میری فکر نہیں کریں۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے سب لوگ کتنے اچھے ہیں۔ کتنا خیال

رکھتے ہیں میرا۔'' اس نے اپنی طرف سے مزید اطمینان دلانے کی خاطر کہا۔

''ہوں۔ چلو اب یہ کام چھوڑو اور میرے ساتھ ذرا خالہ کے ہاں چلو تمھارے ڈیڈی اور عمیر تو پتا نہیں کب آئیں گے، صبح سے نکلے ہوئے ہیں۔'' ممی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ ایک نظر اپنے کپڑوں پر ڈال کر بولی۔

''میں چینج کر لوں، تب تک آپ پھوپھو کو بتا دیں۔'' پھر جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی،

''لیکن ممی! ہم جائیں گے کیسے؟ گاڑی تو ڈیڈی لے گئے ہیں اور دوسری انکل کے پاس ہے۔''

''تمھاری پھوپھو ٹیکسی منگوا دیں گی۔ تم جاؤ جلدی کرو۔'' ممی کی عجلت پر وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور کچھ ہی دیر میں تیار ہو کر نکلی تو ممی پھوپھو کے ساتھ لابی سے باہر جا رہی تھیں، وہ ان کے پیچھے چل پڑی۔

پھوپھو کے کہنے پر چوکیدار ٹیکسی لے آیا تھا۔ وہ اپنا جھلملاتا دوپٹہ سنبھالتی ممی کے ساتھ بیٹھنے لگی تھی کہ ایک دم انیکسی کا چھوٹا گیٹ کھول کر وہ باہر نکلا تھا۔ بڑی عجلت میں تھا لیکن اسے دیکھ کر بالکل غیر ارادی طور پر نہ صرف رکا بلکہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''شادی مبارک۔''

''تھینک یو۔'' اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''آپ آئے تھے؟''

''آپ نے بلایا تھا؟'' سوال تھا یا شکوہ وہ سمجھ نہیں سکی پھر بھی خجل سی ہوئی۔

''میں نے نہیں پھوپھو نے تو بلایا ہو گا......؟ لیکن میں نے تو آپ کی اماں کو بھی نہیں دیکھا۔ ٹھیک تو ہیں ناں؟''

''جی ہاں بالکل ٹھیک ہیں۔'' وہ کہہ کر پلٹا اور تیز تیز قدموں سے چلتا چلا گیا۔

''کون تھا یہ؟'' اس کے بیٹھتے ہی ممی نے اس سے پوچھا تو وہ جو ابھی تک اس کے پیچھے دیکھ رہی تھی چونک کر بولی۔

''آذر کا کزن ہے۔ فرسٹ کزن''

''یہاں رہتا ہے؟'' ممی نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

''جی انیکسی میں یہ اور اس کی اماں رہتی ہیں۔ بہت اچھی خاتون ہیں میں ملی ہوں ان سے۔ آپ کو بھی جانتی ہیں۔ بتا رہی تھیں کہ جب آپ یہاں کراچی میں تھیں تو پھوپھو کے گھر ان کی آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ کو یاد نہیں ہے۔'' اس نے سادگی سے بتا کر آخر میں پوچھا تو ممی ذہن پر زور دیتے ہوئے بولیں۔

''اچھا ہاں آذر کے چچا' ان کی تو شاید ڈیتھ ہو گئی ہے۔''

''جی۔''

''تو ان کی بیوی اور یہ بیٹا یہاں تمھاری پھوپھو کے گھر میں رہتے ہیں بتایا نہیں تمھاری پھوپھو نے مجھے اپنی دیورانی کے بارے میں اور میرا سامنا بھی نہیں ہوا ان سے یا شاید ہوا ہو تو میں پہچان نہیں سکی۔'' ممی نے سوچتے ہوئے انداز میں بول رہی تھیں۔

''نہیں ممی! وہ اس طرف نہیں آتیں اور میں نے پھوپھو کو بھی ان کے پاس جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' اس نے کہا تو ممی نے کچھ بے دھیانی میں اسے دیکھا پھر کہنے لگیں۔

''ہو گی کوئی بات' تمھیں بہرحال ان کے معاملات میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیسے معاملات......؟''

''یہی کہ وہ ایک دوسرے کے پاس آتی جاتی ہیں یا نہیں۔'' ممی سرسری انداز میں کہہ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگیں تو وہ سر جھٹک کر ٹیکسی ڈرائیور کو راستہ بتانے لگی۔

☆☆☆

ممی، ڈیڈی چلے گئے تو اس گھر کی وہی روٹین شروع ہو گئی بس یہ ہوا کہ آذر آفس سے جلدی گھر آنے لگا۔ اور کچھ دیر آرام کے بعد اسے کہیں نہ کہیں لے جانے کے لیے تیار ہو جاتا اور گو کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی احمد بھائی نے سارا شہر گھمایا تھا' لیکن اب آذر کے ساتھ تو ہر جگہ پہلے

سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ خصوصاً ہاکس بے۔ آج وہ اس کے ساتھ دوسری بار آئی تھی' وہی اونچی لہروں سے ٹکراتا پانی تھا جسے دیکھ کر اس کا دل اندر ہی اندر کانپنے لگتا تھا' ایک انجانا سا خوف وہ اب بھی محسوس کر رہی تھی لیکن اس سے زیادہ اسے آذر کا ساتھ اچھا لگ رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو مضبوطی سے تھام کر چلتے ہوئے کہنے لگی۔

''پتا ہے آذر' جب میں احمد بھائی اور بھابھی کے ساتھ یہاں آئی تھی تو مجھے بہت ڈر لگا اور میں نے فوراً واپسی کے لیے شور مچا دیا تھا۔''

''اچھا۔'' آذر اس کے چہرے پر نظر ڈال کر ذرا سا ہنسا۔

''ڈر تو تمھیں ابھی بھی لگ رہا ہے۔''

''ہاں!'' وہ سادگی سے اعتراف کرتے ہوئے بولی۔

''لیکن میں اب واپسی کے لیے شور نہیں مچاؤں گی۔''

''اس لیے کہ میں تمھارے ساتھ ہوں' میں۔'' آذر کا انداز اپنی اہمیت جتانے والا تھا۔ وہ اپنی سادگی میں سمجھی نہیں۔ مسکراتی ہوئی بولی۔

''یہی بات ہے۔ ورنہ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو۔''

''اور کون؟'' آذر نے رک کر اسے دیکھا تو اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

''کوئی بھی......احمد بھائی' شوبی یا غائز احمد۔'' آخری نام پر وہ خود حیران سی ہو گئی کہ وہ اس کے ہونٹوں پر آ گیا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ ایک دو بار بس سرسری سی بات ہوئی تھی۔

''غائز۔'' آذر کی پیشانی پر بے شمار لکیریں نمودار ہو گئیں۔

''وہ آوارہ' لوفر' تم نے اس کا نام کیسے لیا؟''

''پتا نہیں۔'' وہ خود حیران تھی۔ پھر آذر کی پیشانی پر لکیریں دیکھ کر اندر ہی اندر کچھ سہمی بھی ہو گئی جب ہی بات بناتے ہوئے بولی۔

''شاید پھوپھو آج اس کا ذکر کر رہی تھیں۔ خیر چھوڑیں' یہ بتائیں گاڑی میں کچھ کھانے

کو بھی ہے کہ نہیں۔''

''نہیں، تمھیں بھوک لگی ہے؟۔''

''ہاں۔''

''چلو پھر گھر چلتے ہیں۔'' آذر نے فوراً قدم واپس موڑ لیے تو اس کی تقلید کرتی ہوئی وہ کچھ الجھی سی گئی۔ یہ تو سمجھ رہی تھی کی غائر کے نام پر اس کا موڈ خراب ہوا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس پر کیا جتانا چاہتا ہے۔ گھر آ کر بھی وہ ایسے ہی اکھڑا اکھڑا سا رہا پھر رات کا کھانا کھاتے ہی خلاف معمول اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا تو وہ پریشان ہو کر اس کے پیچھے بھاگی آئی۔

''آذر! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟۔''

''ہوں۔'' اس نے مختصر جواب کے ساتھ مزید آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

''پلیز ایسے نہیں کریں۔ مجھے بتائیں کیا ہوا ہے.....؟ کیا مجھ سے ناراض ہیں؟'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''نہیں، ناراضگی کس بات کی؟ بس ذرا تھک گیا ہوں اور یہ تم کیوں رونے لگیں.....؟''

اس نے بازو ذرا سا نیچے کر کے اسے دیکھا پھر وہی بازو اس کی گردن میں ڈال دیا تو وہ اس کے سینے میں منہ چھپا کر بولی۔

''میں رو نہیں رہی۔ لیکن اگر آپ ناراض ہوئے تو میں بہت روؤں گی۔''

''اچھا فی الحال میرا تمھیں رلانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ جاؤ جلدی سے چائے لے آؤ اور دیکھنا میں سگریٹ لاؤنج میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ بھی لے آنا۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولا۔ تو وہ پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟ اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آپ ناراض تو نہیں ہیں ناں؟''

''کم آن نیہاں! کیا بچوں جیسی باتیں کرتی ہو.....؟ چلو جاؤ!'' اس کے ہلکے پھلکے انداز

میں ٹوکنے پر وہ فوراً اٹھ گئی۔

☆☆☆

یونہی کتنے دن گزر گئے۔ اس نے گھر کے کاموں میں پھوپھو کا ہاتھ بٹانا شروع کیا تو پھر آہستہ آہستہ پھوپھو سب کچھ اس پر چھوڑتی گئیں۔ صبح کے ناشتے سے رات کے کھانے تک۔ انیلا کو صبح یونیورسٹی جانے کی جلدی ہوتی تھی اس لئے وہ اپنی تیاری میں لگی رہتی۔ دوپہر میں روزانہ بسوں میں دھکے کھانے کا رونا روتی ہوئی آتی اور کھانا کھا کر آرام سے سو جاتی۔ پھر شام میں اس کے پاس سمسٹر کی تیاری کا بہانہ ہوتا۔

اور اس نے شروع میں تو خیال نہیں کیا لیکن جب سمجھنے لگی تب بھی صرف کڑھ کر رہ گئی۔ کیونکہ وہ گھر میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتی تھی اور شاید اس لئے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی کہ اس کا میکہ یہاں سے بہت دور تھا۔ گو کہ ممی نے جاتے ہوئے بار بار اس سے کہا تھا کہ جب تک وہ باہر ہیں، یہاں وہ خالہ کے گھر کو اپنا گھر سمجھے اور ان کے پاس ضرور آتی جاتی رہے تا کہ اسے اکیلے پن کا احساس نہ ہو۔

اور ابتدائی دنوں میں تو اس نے ممی کی بات پر عمل بھی کیا تھا۔ جب آذر اسے کہیں گھمانے لے جاتا تو واپسی میں وہ کچھ دیر کے لئے خالہ کے پاس جانے کی ضد کرتی اور دو تین بار اس کی بات ماننے کے بعد پھر وہ ٹالنے لگا تھا اس لئے اس نے بھی کہنا چھوڑ دیا تھا۔ وہی بات کہ وہ بدمزگی نہیں چاہتی تھی اور ابھی بھی اس نے پھوپھو اور انیلا کی بے حسی سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کسی دن آذر کو احساس ہوگا تو وہی کم از کم انیلا کو ضرور ٹوکے گا۔ لیکن آذر کو احساس تو کیا ہوتا اس کا وہ بھی اپنے ذرا ذرا سے کام کے لئے اسے دوڑانے لگا تھا اور چاہتا تھا منہ سے بات نکلتے ہی پوری ہو جائے۔ جہاں ذرا سی دیر ہوئی سب کے سامنے اسے سخت سست کہنا شروع کر دیتا۔

وہ ایک ایک کی صورت دیکھتی کہ کوئی تو اس کی طرف داری میں کچھ کہے لیکن ایسے میں سب انجان بن جاتے۔ ایک صرف سجیلہ تھی جو اسے گھن چکر بنے دیکھ کر انیلا کو ٹوکتی تھی کہ وہ کیوں

نہیں اس کا ہاتھ بٹاتی اور ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا کیونکہ نجیلہ ہر روز تو نہیں آتی تھی۔

بہرحال بہت کم عرصے میں ہی پھوپھو کا گھر اس کے لئے روایتی سسرال بن گیا تھا اور وہ اپنی ازلی سادگی سے مات کھا گئی تھی دوسرے اسے واقعی آذر سے محبت تھی اور محبت میں شاید وہ اور بھی بہت کچھ سہہ سکتی تھی۔ اس لئے جب بھی ممی کا فون آتا' وہ ان سے یہی کہتی کہ وہ یہاں خوش ہے اور سب لوگ ابھی بھی اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اگر ممی سامنے ہوتیں تو کبھی اس کی بات کا یقین نہ کرتیں' کیونکہ کام کی زیادتی سے زیادہ سب کی بے حسی نے اسکے سادہ و معصوم چہرے کی شادابی چھین لی تھی۔

مزید ستم...... آذر سب دیکھتے سب جاننے کے باوجود بھی اس وقت سب کے سامنے بہت انجان بن کر اس سے کہنے لگا۔

''میرا خیال ہے نیہاں! تمھیں یہاں کی آب و ہوا راس نہیں آئی جب ہی دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہو۔''

''لو پہلے کون سی موٹی تازی تھی۔ جب آئی تھی تب بھی ایسی ہی تھی۔'' اس سے پہلے پھوپھو بول پڑیں اور انیلا نے ان کی تائید ضروری سمجھی۔

''اور کیا ذرا نہیں بدلی۔ ویسی کی ویسی ہے۔ البتہ مزاج بدل گیا ہے۔ پہلے ہنستی بولتی تھی۔ اب پتا نہیں کیوں چپ چپ رہتی ہے۔'' آخر میں انیلا کے انداز میں جانے کیسی معنی خیزی تھی کہ وہ چونک کر بولی۔

''نہیں تو' چپ تو نہیں رہتی میں۔ بس یہ ہے کہ دیواروں سے نہیں بولتی۔''

''بول لیا کرو ان کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' شوبی چائے کا آخری گھونٹ لے کر اٹھتے ہوئے بولا۔

''میں تو چلا' دیر ہو رہی ہے۔''

''رکنا شوبی! میں تمھارے ساتھ جاؤں گی۔'' انیلا فوراً کرسی دھکیل کر اٹھی اور بھاگ کر

اپنے کمرے سے بیگ لے کر شوبی کے پیچھے نکل گئی تو وہ آذر کو متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔

''آپ کے لئے چائے اور بنا دوں؟'' آذر نے جواب دینے سے پہلے رسٹ واچ پر نظر ڈالی پھر اسے چائے بنانے کا اشارہ کر کے اخبار اٹھا لیا۔

''تمھارے ابو آج جلدی چلے گئے۔'' پھوپھو نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

''ہاں کچھ نئے کانٹریکٹ سائن کرنے ہیں انہیں۔''

''بتا رہے تھے۔'' پھوپھو کہتی ہوئی چلی گئیں۔

اس نے چائے کا کپ آذر کے سامنے رکھا پھر برتن سمیٹ کر ٹیبل صاف کی۔ اس کے بعد کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''آذر! بہت دنوں سے میں خالہ کے ہاں نہیں گئی۔ آج شام لے چلیں ناں۔''

''ہوں' لے چلوں گا۔'' اس نے مصروف انداز میں جواب دیا تو وہ زور دے کر بولی۔

''آج' آج شام۔''

''آج....'' اس نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا تھا کہ پھوپھو گھبرائی ہوئی آ گئیں۔

''آذر! جلدی چلو' نجیلہ نے بلایا ہے۔ اس کی ساس بھی یہاں نہیں ہے اکیلی پریشان ہو رہی ہے۔ جلدی اٹھو' اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔''

''میں' میں بھی چلوں پھوپھو؟'' ان کی گھبراہٹ دیکھ کر وہ ان سے زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔

''تم کیا کرو گی؟'' پھوپھو نے پہلے تند لہجے میں کہا پھر ایک دم نرم پڑ گئیں۔

''نہیں تم یہیں رکو۔ انیلا یونیورسٹی سے آئے گی تو اکیلی پریشان ہو گی۔''

''اور میں اکیلی۔'' وہ بس اسی قدر سوچ سکی۔ کیونکہ اگلے پل پھوپھو کی ہدایات شروع ہو گئی تھیں جو گیٹ سے نکلنے تک جاری رہیں۔

"فکر نہیں کرو۔ میں امی کو چھوڑ کر آ جاؤں گا۔" آذر کو شاید اس کی سہمی ہوئی شکل پر رحم آ گیا تھا۔ جب ہی تسلی دیتا گیا۔

وہ گیٹ بند کر کے اندر آئی تو گو کہ کچھ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اپنا دھیان بٹانے کی خاطر وہ روزمرہ کے کاموں میں لگ گئی۔ آذر نے کہا تھا کہ وہ پھوپھو کو چھوڑ کر آ جائے گا لیکن گیارہ بجے وہ کاموں سے فارغ بھی ہو گئی اور وہ نہیں آیا۔ فون تک نہیں کیا۔ اس نے دو تین بار جمیلہ کے گھر کا نمبر ملایا لیکن ادھر شاید کوئی نہیں تھا۔ جب ہی بیل بجتی رہی اور کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ ہاسپٹل کا اسے پتا نہیں تھا ورنہ وہاں بھی ٹرائی کر لیتی۔ البتہ آفس کی طرف اس کا بالکل دھیان نہیں گیا کہ وہاں سے معلوم کرے کہ آذر پھوپھو کو چھوڑ کر آفس پہنچ گیا ہے یا ابھی تک ان ہی کے ساتھ ہے۔ بس جمیلہ کے گھر ہی ٹرائی کرتی رہی اور اپنے آپ پریشان ہوتی رہی۔ اکیلی ہونے کی وجہ سے واہموں میں گھری تھی اور جب کسی طرح اپنا دھیان نہیں بٹا سکی تب گھبرا کر انیکسی کی طرف نکل آئی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو ہلکی سی آواز آئی۔

"کھلا ہے آ جاؤ۔" اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ دھکیلا اور اندر داخل ہوئی تو پہلی نظر میں اسے کوئی نظر نہیں آیا۔

"آنٹی!" اس نے پکارا تب لحاف میں حرکت ہوئی پھر انہوں نے چہرہ باہر نکالا تو وہ فوراً ان کے قریب جا کر بولی۔

"کیا ہوا ہے آپ کی طبیعت خراب ہے کیا؟"

"ہاں بخار ہو گیا ہے۔" انہیں شاید بہت سردی لگ رہی تھی۔ کپکپاتی آواز میں بولیں۔

"بدن میں بہت درد ہے۔ ٹوٹ رہا ہے۔"

"دوائی؟" وہ بے اختیار بیٹھ کر لحاف کے اوپر سے ان کا بدن دبانے لگی۔

"عائز گیا ہے لینے۔ آتا ہو گا۔"

"میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔" وہ انہیں غنودگی میں جاتے دیکھ کر جلدی سے

کچن میں چلی گئی اور منٹوں میں چائے بنا کر واپس آئی تو کمرے میں ان کی تیز سانسوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"آنٹی! آنٹی! اٹھیں چائے پی لیں، سردی کم ہو جائے گی۔" وہ گھبرا کر انہیں پکارنے لگی تب ہی وہ آ گیا۔ کچھ دیر دروازے میں رک کر اسے دیکھتا رہا پھر ذرا سا کھانس کر اپنی آمد سے خبردار کیا تو وہ ایسی ہی گھبراہٹ میں اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

"آنٹی اٹھ نہیں رہیں۔ یہ چائے....." اس نے آگے آ کر اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا پھر ماں کے قریب بیٹھ کر ان کا کندھا ہلاتے ہوئے بولا۔

"اماں! اٹھیں میں دوا لے آیا ہوں اور دیکھیں یہ چائے انہوں نے آپ کے لیے بنائی ہے پہلے یہ پی لیں۔" اس نے بہت احتیاط سے انہیں سہارا دے کر بٹھایا پھر اپنے ہاتھ سے گھونٹ گھونٹ چائے پلاتا ہوا اس سے بولا۔

"آپ پلیز بیٹھ جائیں۔"

"جی۔" اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا پھر درمیان میں اس کی میز کے کنارے ٹکتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کب سے طبیعت خراب ہے ان کی؟"

"پتا نہیں، یہ بتاتی کب ہیں جب بالکل ڈھے جاتی ہیں۔ مجھے تو تب پتا چلتا ہے۔" وہ جیسے اپنے آپ سے بول رہا تھا۔

"کچھ ہو تو بتاؤں۔ کل شام تک تو اچھی بھلی تھی۔ رات میں سردی لگی اور صبح تک بخار آ گیا۔"

"ہاں آپ کو ہمیشہ اچانک ہی بخار آتا ہے۔ چلیں یہ دوا لیں اور آرام سے سو جائیں۔ کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ انہیں ایک ایک ٹیبلٹ دینے کے ساتھ بولتا جا رہا تھا۔

"میں اپنے کھانے کا انتظام کروں گا اور آپ کے لئے دلیہ بھی بنا دوں گا۔"

’’لیکن تمھیں تو۔‘‘ انہوں نے اس قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

’’کہیں نہیں جانا مجھے آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر۔‘‘

’’چلے جاؤ بیٹا! شاید آج قسمت مہربان ہو جائے۔‘‘ انہوں نے عاجزی سے کہا تو وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

’’بس رہنے دیں۔ اپنی قسمت میں صرف خواری لکھی ہے۔‘‘ اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گیا تو وہ بلا ارادہ اس کے پیچھے دیکھنے لگی تھی۔

’’مجھے بھی آج ہی بیمار ہونا تھا۔‘‘ اس کی اماں کی بڑبڑاہٹ پر وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

’’جی مجھ سے کچھ کہا؟‘‘

’’تم سے کیا کہوں بیٹی۔ شادی کے بعد پہلی بار آئی ہو۔ تم سے چائے پانی کا بھی نہیں پوچھ سکتی۔‘‘ وہ دوبارہ لیٹتے ہوئے بولیں۔

’’آپ شرمندہ کر رہی ہیں آنٹی! مجھے تو بہت پہلے آنا چاہیے تھا۔‘‘

وہ واقعی اپنے نہ آنے پر شرمندہ تھی۔ انہوں نے ایک بار پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر آنکھیں بند کر لیں اور کچھ ہی دیر میں ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور احتیاط سے دروازہ کھول کر کمرے سے نکلی تو آگے برآمدے میں وہ جانے کس سوچ میں کھڑا تھا۔ پہلے اس نے سوچا خاموشی سے نکل جائے لیکن پھر خیال آنے پر رک کر پوچھنے لگی۔

’’سنیں، آپ کو کہاں جانا تھا؟‘‘ اس کے دیکھنے پر قدرے سٹپٹا کر بولی۔

’’وہ میرا مطلب ہے اگر آپ کو کسی ضروری کام سے جانا ہے تو ضرور جائیں۔ آنٹی کی فکر نہیں کریں۔ انہیں میں دیکھ لوں گی، دلیہ بنا کر بھی کھلا دوں گی انہیں اور وقت پر دوا بھی دے دوں گی۔‘‘

’’شیور!‘‘ اس کی آنکھوں میں حد درجہ بے یقینی سمٹ آئی تھی۔

’’شیور، آپ اطمینان سے جائیں۔ ابھی آنٹی سو رہی ہیں۔ میں ایک گھنٹے بعد دلیہ لے آؤں گی۔‘‘ اس نے یقین دلایا۔

’’لیکن مجھے آنے میں دیر ہو سکتی ہے۔ شام یا شاید رات۔‘‘ وہ شش و پنج میں اسے دیکھنے لگا۔

’’نو پرابلم، میں ادھر چکر لگاتی رہوں گی آپ کے آنے تک۔‘‘

’’تھینک یو۔‘‘ وہ ممنونیت سے کہہ کر اندر چلا گیا تو برآمدے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے کافی وقت گزرنے کا احساس ہوا۔ پھر آذر کا خیال آتے ہی اس نے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ ڈرائیو وے پر گاڑی نہیں تھی اور گیٹ بھی اس طرح بند تھا پھر بھی اندر آتے ہی اس نے بے اختیار آذر کو پکارا اور کوئی جواب نہیں آیا تو بجائے اطمینان کے وہ نئے سرے سے پریشانی میں گھر گئی۔

دو بج رہے تھے۔ انیلا بھی آنے والی تھی اور اس کا خیال کر کے وہ روٹی ڈالنے کے ارادے سے اٹھی تھی کہ فون کی بیل پر پھر بیٹھ گئی۔ اور ریسیور اٹھا کر جیسے ہی ہیلو کہا ادھر سے آذر بے حد تند لہجے میں بولا۔

’’زندہ ہو تم؟‘‘

’’جی۔‘‘ وہ سمجھی نہیں۔

’’صبح سے فون کر کر کے تھک گیا ہوں کیا کانوں میں روئی ٹھونس کر بیٹھی تھیں یا جان بوجھ کر......‘‘

’’سوری، سوری آذر! وہ میں ذرا آنٹی کے پاس چلی گئی تھی۔‘‘ اس نے سمجھتے ہی معذرت کے ساتھ کہا۔ لیکن اس کا لہجہ نہیں بدلا۔

’’کون آنٹی؟‘‘

’’آپ کی چچی جان۔ وہ بیچاری بہت بیمار ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ لیکن اس

سے پہلے میں نے آپ کا انتظار کیا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ پھوپھو کو چھوڑ کر آ جائیں گے کہاں ہیں پھوپھو اور جمیلہ آپی؟'' اس نے صاف گوئی سے بتایا۔

''تمھیں کیا......؟ تم جاؤ بیماروں کی تیمارداری کرو۔'' آذر نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ریسیور رکھ کر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ رہی تھی کہ انیلا آ گئی اور اسے روتے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

''نیہاں! کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ دل گرفتہ سی بس یہ کہہ سکی۔

''کچھ نہیں۔ تو رو کیوں رہی ہو اور امی کہاں ہیں؟'' انیلا کو خاموشی کا احساس ہوا تو ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

''پھوپھو جمیلہ آپی کی طرف گئی ہیں بلکہ ان کے ساتھ ہاسپٹل۔ صبح تمھارے جانے کے کچھ دیر بعد ہی آذر انہیں لے گئے تھے۔ پھر میں آنٹی کے پاس چلی گئی۔' اس نے تفصیل سے ساری بات بتائی جسے سکون سے سننے کے بعد انیلا کہنے لگی۔

''ٹھیک تو ناراض ہوئے ہیں آذر بھائی۔ تمھیں کیا ضرورت تھی چچی کے پاس جانے کی......؟ کبھی تم نے ہم میں سے کسی کو جاتے ہوئے دیکھا ہے یا وہ آتی ہیں۔ پھر تم کیوں......؟''

''میں اکیلی تھی۔'' وہ فوراً بولی۔

''یہ کوئی جواز نہیں ہے نیہاں۔ اپنے گھر میں یقیناً اور خصوصاً امی کی غیر موجودگی میں اس گھر کی ساری ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے اور تم سارا گھر کھلا چھوڑ کر وہاں جا بیٹھیں۔ کیا لگتی ہیں وہ تمھاری۔؟'' انیلا کے تنبیہی انداز پر وہ جز بز سی ہو گئی۔

''مجھے نہیں پتا۔''

''دیکھو میں تمھیں سمجھا رہی ہوں کہ۔'' فون کی بیل سے انیلا کی بات ادھوری رہ گئی اور شاید اس کا دھیان اس طرف لگا ہوا تھا جب ہی جھپٹنے کے انداز میں ریسیور اٹھا لیا۔ تو...

غائب دماغی سے انیلا کو دیکھنے لگی۔

''جی آذر بھائی۔ کہیے کیا خبر ہے؟''

''سچ۔''

''آپ کو بھی مبارک ہو اور فوراً گاڑی بھیج دیں۔ ہم ابھی جائیں گے۔''

''جی یہیں موجود ہے بات کریں گے؟''

''اچھا خدا حافظ۔'' انیلا نے فون رکھ کر اسے دیکھا پھر ایک دم کھلکھلا کر بولی۔

''مبارک ہو جمیلہ آپی کا بیٹا ہوا ہے۔''

''جمیلہ آپی کا بیٹا!'' وہ اچانک خوشگوار سے احساس میں گھر کر اس سے پہلے کی ہر بات بھول گئی اور فوراً اٹھتے ہوئے بولی۔

''میں جلدی سے روٹی ڈال لوں پھر میں بھی چلوں گی۔''

''ہاں جلدی کرو آذر بھائی خود آ رہے ہیں۔'' انیلا کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگی تو اس نے کچن کا رخ کیا۔

اور ایسی ہی افراتفری میں وہ یہ بھول گئی کہ وہ شخص اپنی بیمار ماں کو صرف اس کی ذمہ داری پر چھوڑ کر گیا ہے اور وہ بھی اس کے کہنے پر وہ شام تک جمیلہ کے پاس رہی۔ آذر اسے اور انیلا کو ہاسپٹل چھوڑ کر خود آفس چلا گیا تھا اور شام میں واپسی پر ان دونوں کو لیتا ہوا گھر آیا تو آگے رات کے کھانے کی تیاری کے مرحلے سے گزرتے ہوئے بھی اسے کچھ یاد نہیں آیا کہ اس بیمار عورت کو بھی کچھ کھلانا ہے اور دوا بھی دینی ہے۔

کھانا تیار ہو گیا اور انکل کے آنے پر اس نے ٹیبل پر بھی لگا دیا ایک تو ہاسپٹل میں بیٹھے بیٹھے اس کی کمر اکڑ گئی تھی اور دوسرے آتے ہی کچن میں کھڑے کھڑے ٹانگیں بھی شل ہو گئیں۔ بڑی مشکل سے سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اس کے بعد اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ اتنی جلدی اس کا سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بس اکڑی ہوئی کمر سیدھی کرنے کا خیال تھا کچھ آذر ے

لئے کافی بھی بنائی تھی لیکن نیند کا ایسا جھونکا آیا کہ دوسرے ہی پل وہ بے خبر ہوگئی۔

پھر رات کا جانے کون سا پہر تھا جب کچھ ملی جلی آوازوں سے اس کی آنکھ کھل گئی تو فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کمرے میں ٹیوب لائٹ روشن تھی اور دروازہ بھی ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنے برابر نظر ڈالی تو آذر موجود نہیں تھا۔ تب اچانک پوری طرح بیدار ہو کر وہ اٹھ بیٹھی اور بیڈ کارنر سے گھڑی اٹھا کر ٹائم دیکھا رات کے تین بجے تھے اور اس وقت سردی میں آذر کا کمرے سے نکلنا اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ گھڑی واپس رکھ کر اس کے لئے جانے کا سوچنے لگی تھی کہ گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سے پریشان ہو کر فوراً لحاف پھینک کر کھڑی ہوگئی اور تقریباً بھاگتی ہوئی پہلے لاؤنج سے برآمدے میں نکلی تو وہاں آذر کو کھڑے دیکھ کر بھی وہ فوراً خود پر قابو نہیں پا سکی اور اس کا بازو تھام کر گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی۔

''کیا ہوا آذر۔ اس وقت باہر کون گیا ہے؟''

''شوبی۔ امی کو لینے گیا ہے۔'' آذر نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ مزید الجھ گئی۔

''کیوں......؟ میرا مطلب ہے' اتنی رات کو...... جمیلہ آپی تو ٹھیک ہیں ناں اور ان کا بچہ؟''

''سب ٹھیک ہیں۔ تم جا کر سوؤ۔ سردی میں ایسے ہی اٹھ کر چلی آئی ہو جاؤ' امی آجائیں گی تب میں تمہیں اٹھا دوں گا۔ چائے وغیرہ بنا دینا۔'' وہ اپنا بازو اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکالتے ہوئے بولا۔ تو وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے گئی۔

''سنا نہیں تم نے اندر جاؤ۔'' وہ دانت پیس کر دھاڑا۔

''اور آپ۔'' وہ سہم کر بس ایک قدم پیچھے ہٹی تو وہ اسی انداز میں بولا۔

''میں ادھر جا رہا ہوں غائر کے پاس۔ اس کی اماں کا انتقال ہو گیا ہے سمجھیں۔''

اس کی سماعتوں میں جیسے پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا گیا تھا۔ کتنی دیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے

اسے دیکھتی رہی پھر ایک دلدوز چیخ کے ساتھ اپنی پیشانی دیوار پر دے ماری۔

''نیہاں!'' آذر نے ایک ہی جست میں اسے کندھوں سے تھام کر اپنی طرف کھینچا لیکن وہ تو جیسے پاگل ہوگئی تھی۔ چیخ چیخ کر رونے کے ساتھ جانے کیا کچھ بولے جا رہی تھی۔

''میں نے مارا ہے۔ کھانا نہیں دیا' دوا نہیں دی۔''

''نیہاں' ہوش کرو۔''

آذر اسے جھنجھوڑنے لگا لیکن وہ ہوش کھو بیٹھی تھی پوری قوت سے چیخنے کے ساتھ خود کو اس کی گرفت سے نکالنے کے لئے ہاتھ بھی چلا رہی تھی اور اس کی چیخوں کی آواز پر ادھر سے انیلا اٹھ کر آگئی اور انیکسی کی طرف سے انکل بھاگے آئے جبکہ وہ باڑھ کے پاس ہی رک کر دیکھنے لگا تھا۔ پتا نہیں وہ اس کی ماں کے مرنے پر رو رہی تھی یا اپنی کوتاہی پر۔ اس کا دل چاہا بھاگ کر اس کی گردن دبوچ لے اور اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے۔ جیسے اس کی اماں خاموش ہوگئی تھیں۔

''اماں!'' اس کے دل میں ٹیسیں اٹھنے لگیں اور آنکھیں دھندلا گئیں تو وہ وہیں سے پلٹ گیا تھا۔

''اندر چلو نیہاں!'' آذر اسے گھسیٹ رہا تھا۔ لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ تب انکل نے وہیں لا کر انجکشن اس کے بازو میں چبھو دیا تو وہ چند لمحوں میں بے دم ہو کر آذر کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

☆☆☆

جب اسے ہوش آیا خالہ اس کے قریب بیٹھی دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ ان کی انگلیوں کے لمس میں وہی ممی جیسی نرمی اور محبت تھی۔ وہ کچھ دیر اس محبت کو محسوس کرتی رہی پھر آہستہ سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔

''آپ کب آئیں خالہ......؟''

''میں نہیں' تم آئی ہو آذر چھوڑ کر گیا ہے تمہیں میرے پاس۔'' خالہ نے کہا تو اس کی

نظریں ان کے چہرے سے ہٹ کر کمرے میں چاروں طرف بھٹکنے لگیں اور پھر یکلخت اس کا ذہن بیدار ہو گیا۔

"خالہ! وہ فائزہ کی اماں آپ جانتی ہیں انہیں وہ بہت بیمار تھیں۔ میں نے انہیں دوا نہیں دی اور وہ بے چاری مر گئیں۔" وہ دکھ سے بولتے ہوئے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر سسکنے لگی تو خالہ ایک دم پریشان ہو گئیں۔

"نہیں نہیں بیٹی! ایسا نہیں کہتے یہ خدائی کام ہیں۔ ان کا وقت پورا ہو گیا تھا چلی گئیں۔ تم اپنے دل پر بوجھ مت ڈالو۔"

"کیسے نہیں خالہ۔ میں نے خود فائزہ سے کہا تھا کہ میں اس کی اماں کو دلیہ بنا کر کھلاؤں گی اور وقت پر دوا بھی دوں گی پھر میں ادھر گئی ہی نہیں۔ جمیلہ آپی کے پاس ہاسپٹل چلی گئی تھی اور شام میں آ کر بھی مجھے یاد نہیں رہا۔ سارا دن وہ بے چاری۔" احساس جرم اسے بری طرح تڑپا رہا تھا۔

"اس میں تمہارا کیا قصور ہے بیٹی! وہ جوان کے اصل رشتہ دار ہیں انہوں نے کیا کیا ان کے لئے؟ اصل میں ان کا فرض بنتا تھا۔ اور انہیں کوئی پرواہ ہی نہیں۔ تم خواہ مخواہ ہلکان ہو رہی ہو۔ چلو اٹھو منہ ہاتھ دھو۔ میں نازی سے کہتی ہوں تمہارے لئے کھانا گرم کرے۔"

خالہ کو غالباً اصل صورت حال سمجھ میں نہیں آئی تھی جب ہی اسے بری الذمہ قرار دے رہی تھیں لیکن وہ کسی طرح خود کو بری نہیں کر سکی۔ اس کے برعکس اس کے اندر احساس جرم بڑھتا جا رہا تھا۔

سارا دن وقفے وقفے سے وہ روتی رہی تھی جس سے اس کی آنکھیں سرخ ہونے کے ساتھ سوج بھی گئی تھیں۔ البتہ آنسو اب خشک ہو گئے تھے کہ وہ اگر رونا چاہتی تب بھی آنکھیں خالی ہی رہتیں۔ ایسی ہی خالی خالی آنکھوں سے وہ چھت کو گھور رہی تھی کہ جب آذر کمرے میں داخل ہوا پھر بیڈ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ بہت خاموشی سے چھت سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگی تو اس کی آنکھوں کی سرخی اور سوجن پر وہ قدرے ٹھٹکا پھر کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ رات تمہیں کیا ہو گیا تھا.....؟ اتنا تو کوئی اپنے بہت قریبی عزیز کے مرنے پر نہیں روتا۔ جتنا تم۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر سگریٹ سلگا کر بولا۔

"میرا خیال ہے تمہاری ان سے کوئی دور کی رشتہ داری بھی نہیں تھی۔"

"نہیں تھی، لیکن آپ کے حوالے سے ہو گئی تھی۔ لیکن بات یہاں رشتہ داری کی نہیں ہے آذر۔ انسانیت کی ہے۔ احساس کی ہے۔"

وہ بہت دکھ سے کہہ کر پلکیں موند گئی تو کتنی دیر بعد آذر کی آواز سنائی دی۔

"اب کیا پروگرام ہے تمہارا.....؟ یہیں رہو گی یا چلو گی میرے ساتھ؟"

"یہاں کتنے دن رہنا ہے۔ آخر واپس تو جانا ہے۔" اس نے سوچا اور اسے کچھ کہے بغیر لحاف سے نکل کر کھڑی ہو گئی اور ہاتھوں سے بال ٹھیک کر رہی تھی کہ بھابھی چائے لے کر آ گئیں۔

"ناحق زحمت کی آپ نے، ہم جا رہے ہیں۔" آذر نے ایک نظر ٹرے پر ڈال کر کہا تو بھابھی نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"ہم سے کیا مطلب؟ نیہاں بھی۔"

"جی میری طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے یہ خود جانے کے لئے تیار ہو گئی ہیں۔"

آذر نے فوراً اپنا دامن بچایا تو وہ اس کی بات رکھنے کی خاطر کہنے لگی۔

"جی بھابھی! میں خود جا رہی ہوں۔ ایسے وقت میں مجھے وہیں ہونا چاہئے۔ گھر میں لوگوں کا آنا جانا ہو گا، سب پوچھیں گے۔"

"یہ تو ہے۔" بھابھی اس کی تائید کرتے ہوئے بولیں۔

"بہرحال اپنا خیال رکھنا اور ہاں کھانا بس تیار ہے کھا کر جائیے گا آپ لوگ۔"

''سوری' اتنی دیر نہیں رک سکتا' پھر کبھی فرصت سے آئیں گے تو کھانا کھالیں گے۔ ابھی یہ چائے ٹھیک ہے۔'' وہ حد درجہ غیریت برت رہا تھا۔

''آپ چائے پئیں' میں خالہ سے مل لوں۔''

وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ اور خالہ کے پاس بس کھڑے کھڑے ہی کچھ باتیں کی تھیں کہ وہ آ گیا پھر وہیں سے وہ اس کے ساتھ باہر نکل آئی اور تمام راستہ خود کو سمجھاتی رہی کہ اسے خود پر قابو رکھنا چاہیے اور اب اسے رونا بھی نہیں ہے۔ لیکن جیسے ہی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اس کا دل ڈوبنے لگا' یوں محسوس ہوا ابھی باڑھ میں سے نکل کر وہ سامنے آ کھڑا ہو گا اور کہے گا۔

''جو ذمہ داری تم نبھا نہیں سکتی تھیں وہ اپنے سر کیوں لی تھی؟''

''کیا ہوا...... اترنا نہیں ہے؟'' آذر نے ٹوکا تب وہ جلدی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتری اور تیز تیز قدموں سے اندر آ گئی۔ انیلا اور شوبی ٹی وی آن کیے بیٹھے تھے اور پھوپھو تیز تیز فون پر جانے کس سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی کہ شاید کوئی اس سے مخاطب ہو لیکن ایک سرسری نظر کے بعد دوبارہ کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تب وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے بیگانے کیسے ہو جاتے ہیں......؟ یہ وہی لوگ تھے جب وہ ناروے سے آئی تھی تو سارا وقت اس کے ساتھ لگے رہتے تھے اور اب اتنے اجنبی ہو گئے تھے کہ حال پوچھنا بھی شاید اپنی توہین سمجھتے تھے۔ پتا نہیں یہ لوگ ہمیشہ سے ایسے تھے یا اس سے کسی بات کا بدلہ لے رہے تھے۔

''ہو سکتا ہے ممی ڈیڈی سے کوئی پرانی دشمنی ہو......؟''

اس نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے سوچا تو اسے ممی کی باتیں یاد آنے لگیں جو آذر کے پرپوزل پر انہوں نے بار بار اس سے کہا تھا کہ وہ اچھی طرح سوچ لے اور دیکھ بھی لے کہ آیا وہ اس ماحول میں ایڈجسٹ کر سکتی ہے یا نہیں۔

''نیہاں!'' پھوپھو کی پکار پر اس کی سوچیں منتشر ہو گئیں اور وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی تو دوسری ار کے ساتھ ہی پھوپھو اندر آتے ہوئے بولیں۔

''سنا ہے رات تمہیں کوئی دورہ پڑا تھا۔ بہت شور مچایا تم نے۔ کیا ہوا تھا؟'' وہ کیا کہتی۔ تہائی تاسف سے انہیں دیکھے گئی۔

''مجھے تو ابھی بھی تم ٹھیک نہیں لگ رہیں' آذر کہاں رہ گیا تمہیں اسی وقت ڈاکٹر کو دکھاتا تو اچھا تھا ورنہ رات میں کہیں......؟''

''مجھے کچھ نہیں ہوا پھوپھو! بس وہ آنٹی کی ڈیتھ سے۔'' وہ فوراً بولی تھی کہ خاموش ہو ئی۔

''ہاں جتنی عمر تھی اس کی گزار گئی۔ ہم تو اب کے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں۔ پہلے اگر غائر ا کی بیماری کا بتاتا تو کچھ دوا دارو بھی کر دیتے۔ لیکن وہ لڑکا تو جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہ......؟ ہونہہ......!''

آخر میں انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا اور وہ شاید ان کا انداز سمجھی نہیں جب ہی سادگی ے بولی۔

''دوا تو وہ بھی لائے تھے لیکن۔''

اور لیکن کے ساتھ ہی جرم کے احساس نے پھر اسے گرفت میں لے لیا تھا کہ پھوپھو ، پتا نہیں کیا کہا اور کیا بڑبڑاتی ہوئی گئیں۔ اسے کچھ سنائی نہیں دیا۔ گم صم انہیں دیکھتی رہی پھر ، میں منہ چھپا کر لیٹی تو نہ کھانے پر بلائے جانے پر اٹھی نہ آذر کے آنے پر اور وہ بھی اسے سوتا ھ کر سو گیا تھا۔

پھر صبح وہ نہ صرف معمول کے مطابق اٹھ گئی بلکہ ناشتا بنانے کے لئے کچن میں بھی جا تی تھی۔ کیونکہ سمجھ گئی تھی کہ یہاں اس کی ناز برداری کرنے والا کوئی نہیں اور واقعی کسی نے جھوٹے ھی نہیں کہا کہ اسے ابھی آرام کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس بڑی ڈھٹائی سے ناشتا کر کے سب

روانہ ہو گئے یہاں تک کہ پھوپھو بھی بجیلہ آپی کے پاس جانے کو تیار ہو گئیں تو وہ ان سے بڑی عاجزی سے بولی۔

''آپ نہیں جائیں پھوپھو! مجھے اکیلے ڈر لگے گا۔''

''ہائیں' اپنے گھر میں ڈر کیسا۔ باہر چوکیدار موجود ہے۔ میں اسے تاکید کر جاؤں گی کہ میری واپسی تک کوئی گھر میں نہ آئے۔ چلو تم گیٹ اندر سے بند کر لو۔'' پھوپھو کے نروٹھے انداز پر وہ مزید کچھ نہیں کہہ سکی۔ البتہ بڑی آس سے آذر کو دیکھا تو وہ الٹا اسے سمجھانے لگا۔

''بجیلہ ہاسپٹل میں اکیلی ہے۔ کب کس چیز کی ضرورت پڑ جائے اسے۔ امی کا اس کے پاس ہونا ضروری ہے۔ چلیں امی! مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''ہاں! چلو نیہاں! تم گیٹ بند کر دو۔'' پھوپھو بڑے فاتحانہ انداز میں آگے چل پڑیں۔ بے شک وہ اپنے بیٹے پر حق رکھتی تھیں لیکن وہ اس کا ناجائز استعمال کر رہی تھیں۔

اس نے بہت خاموشی سے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا پھر ان کے پیچھے گیٹ بند کر کے پلٹی تو بے اختیار نظریں باڑھ کے اس طرف بھٹکنے لگیں۔ جہاں سوگواری سی ویرانی چھائی تھی۔ وہ کسی معمول کی طرح اس طرف چل پڑی۔ چونکہ اس وقت جب دروازہ ہاتھ لگنے سے ہی کھلتا چلا گیا۔ آگے ہی وہ پلنگ پر اسی طرح دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے سیدھا لیٹا تھا جیسے اس نے پہلے دیکھا تھا۔ لیکن اب اس نے دروازہ کھلنے کی آواز پر بھی گردن اس کی طرف نہیں موڑی نہ ہی اس کی آنکھوں میں کوئی حرکت ہوئی تھی۔

''غائر!'' اس نے ساری ہمتیں مجتمع کر کے اسے پکارا تب وہ ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی سرخ انگارہ آنکھیں جانے شدت گریہ کے باعث تھیں یا ضبط کے۔ یا ہو سکتا ہے۔ رت جگے کی لالی ہو جس نے اس کے اندر مجرمانہ احساس کو سوا کر دیا۔ بے اختیار ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''مجھے معاف کر دو پلیز۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

''میں بہت بری ہوں بلکہ مجرم ہوں۔ آپ جو چاہے سزا دے لیں مجھے۔ میں...... میں......'' اس کے گلے میں گولہ سا اٹک گیا۔ سسکیں چھپ پڑیں۔ تو انتہائی بے بسی سے دانتوں سے نچلا ہونٹ کاٹنے لگی لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ مزید چہرہ دوسری سمت موڑ لیا تو اس نے دھندلائی آنکھوں سے اس کی اماں کے خالی پلنگ کو دیکھا پھر ایک دم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کتنی دیر بعد جب آنسو اپنے آپ تھمے تب اس نے دیکھا وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ پتا نہیں' کچن میں یا کہیں باہر نکل گیا تھا۔ گویا اسے معاف نہیں کیا تھا۔ جب ہی تو کچھ کہے بغیر چلا گیا تھا جس سے وہ مزید دل گرفتہ ہو کر واپس چلی آئی۔

* * *

اور پھر اس کے لئے ایک ایک پل عذاب ہو گیا۔ اپنے طور پر بہت کوشش کرتی کہ اس واقعے کو بھول جائے۔ لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ نہ ہی وہ خود کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو سکی کہ اس عورت کی زندگی اتنی ہی تھی۔ وہ وقت پر دوا دیتی تب بھی اسے جانا تھا۔ اس کے برعکس جرم کا احساس زیادہ تھا۔ جو اسے چین نہیں لینے دیتا تھا۔ حالانکہ وہ واقعی قصوروار نہیں تھی۔ لیکن ہمیشہ نرم دل اور حساس جس نے دانستہ کبھی کسی کو معمولی زک بھی نہیں پہنچائی تھی اس کے لئے یہ اتفاقی حادثہ روگ بن گیا تھا۔ اگر غائر احمد معاف کر دیتا تو شاید کچھ چین مل جاتا لیکن وہ تو اس روز کے بعد سے پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ دن میں ایک بار وہ ضرور اس کے دروازے پر جاتی اور ہر بار دروازہ وا کے ملتا۔ اس گھر میں کسی کو پروا ہی نہیں تھی۔ بلکہ پہلے بھی اس ماں بیٹے کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ جیسے سرے سے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو اور خود اس نے جب بھی ذکر کیا تو اسے خاصی ناگواری کا سامنا کرنا پڑا اس لئے وہ کسی سے اس بارے میں پوچھتے ہوئے ڈرتی تھی۔ لیکن جب کافی دن ہو گئے تب اس رات بہت ہمت کر کے آذر سے پوچھ لیا۔

''آذر! وہ جو انیکسی میں آپ کا کزن تھا وہ کہیں چلا گیا کیا؟''

"نہیں تو کیوں؟" آذر نے حسب سابق پیشانی پر بل ڈال کر اسے دیکھا تو وہ اپنے ناخنوں سے کھیلتی ہوئی بولی۔

"بس یونہی۔ مجھے اس کی اماں کا خیال آ گیا تھا۔ کیسے اچانک چلی گئیں جانے کیا کیا ارمان، ہوں گے ان کے دل میں......!"

"کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نالائق بیٹوں کی مائیں یونہی ارمان دل میں لئے چلی جاتی ہیں۔" آذر کے لہجے میں استہزا تھا۔ جسے محسوس کر کے وہ بے اختیار بولی۔

"لیکن ان کا بیٹا نالائق تو نہیں ہے۔"

"تمھیں کیا پتا؟ اول درجے کا آوارہ اوباش ہے اس کا غم تو لے گیا اس کی ماں کو۔"

"نہیں آذر! وہ تو۔" وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ اس کی چبھتی ہوئی نظروں سے ایک دم خاموش ہو گئی۔

"تمھیں اس سے کیا ہمدردی ہے؟"

آذر کا لہجہ بھی چبھتا ہوا تھا اور ایسے میں وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ کتنی اذیت میں ہے جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہ غائر احمد سے معافی مانگنا چاہتی ہے اور اس کے معاف کر دینے کے بعد ہی وہ پرسکون ہو سکے گی۔ لیکن آذر یہ سب کہاں سمجھ سکتا تھا۔ الٹا اسے لتاڑ کر رکھ دیتا اس لئے اس نے خاموشی اختیار کر لی اور بالکل غیر محسوس طریقے سے رخ موڑ کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"اب اس وقت کیا کر رہی ہو۔ سو جاؤ۔" آذر نے اس کی خاموشی کا کوئی نوٹس نہیں لیا تو اس نے بھی کچھ ان سنی کر کے الماری کے اندر سر گھسا لیا اور ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگی اسے کچھ لینا نہیں تھا بس دل جو بہت رونے کو چاہ رہا تھا اسے سمجھانے کے لئے وہ کتنی دیر اس کی طرف پیٹھ موڑے کھڑی رہی یہاں تک کہ وہ تھک گئی۔ لیکن دل سنبھل کے نہیں دیا۔ تب الماری بند کر کے وہ اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

"آذر! میں مر جاؤں گی، مجھے۔" اسے سوتے دیکھ کر بقیہ الفاظ اس کے ہونٹوں میں رہ گئے۔ سینے تک کمبل اوڑھے کتنا بے خبر تھا وہ۔ اس کا دل چاہا زوردار چیخ کے ساتھ اسے اٹھا دے اور پوچھے کہ وہ اس کے ساتھ دکھ سکھ شیئر کیوں نہیں کرتا......؟ اسے اتنا اکیلا کیوں کر دیا ہے......؟ وہ کس کے پاس جائے کس سے احوال کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرے......؟ زندگی کا شریک ہونے کے ناتے کم از کم وہ تو پوچھ سکتا ہے کہ وہ اتنی بے کل کیوں پھرتی ہے......؟ کیا بات اسے پریشان کر رہی ہے......؟ اور وہ خود سے بتانا چاہتی ہے تب بھی کوئی نہیں سنتا۔

"میرے خدا! میں کیا کروں......؟" وہ اپنے دکھ پر آنسو بہاتی لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آئی۔ اس کے اندر بے حد گھٹن تھی۔ جسے کم کرنے کے لئے اس نے لاؤنج کے یخ بستہ ماحول میں کچھ گہرے گہرے سانس لئے پھر اچانک ایک خیال آیا اور اس نے بس ایک لمحہ سوچا تھا۔ اس کے بعد بہت احتیاط سے لاؤنج سے نکلی اور تیز قدموں سے انیکسی کی طرف چل پڑی۔ دن میں تو وہ نہیں ملتا تھا۔ اس وقت بھی اس کا دروازہ بند تھا۔ وہ پہلے مایوس ہوئی پھر ہلکی سی دستک دے ڈالی۔

"کون؟" فوراً پوچھا گیا تو اس نے اپنے بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہنے کی بجائے دوبارہ دستک دی اور جس طرح فوراً پوچھا گیا تھا اسی طرح دوسری دستک کے ساتھ ہی فوراً دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا تھا۔

"آپ......!"

"آئی ایم سوری! لیکن میں کیا کروں۔ دن میں آپ......"

"آپ کو اس وقت نہیں آنا چاہئے تھا پلیز۔" اس نے ٹوکنے کے ساتھ ہی دروازہ بند کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن اس سے پہلے وہ جلدی سے دہلیز پر پاؤں رکھ کر اندر داخل ہو گئی اور ایک بار پھر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"مجھے معاف کر دیں ورنہ میں مر جاؤں گی۔ آپ سوچ نہیں سکتے میں کتنی اذیت میں

ہوں۔ خدا کے لئے مجھے اس اذیت سے نکال لیں۔ آپ صرف آپ ہی نکال سکتے ہیں۔''

بے تحاشا آنسوؤں کے ساتھ وہ کچھ بے ربط بول رہی تھی اور وہ آسانی سے سمجھ سکتا تھا لیکن اس کا ذہن اول تو اس کی آمد پر ہی کچھ ماؤف ہو گیا تھا اس پر یہ خیال کہ کوئی آ گیا تو...... اور اس تو کے بعد کا تصور ہی روح فرسا تھا اسلئے وہ اس کی صرف آواز سن رہا تھا۔ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

''میرا یقین کریں، مجھ سے دانستہ کوتاہی نہیں ہوئی۔ پھر بھی آپ چاہیں تو مجھے سزا دے سکتے ہیں۔ میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔ مجھ سے یہ اذیت برداشت نہیں ہوتی۔ آپ خاموش کیوں ہیں......؟ کچھ تو کہیں۔''

اس نے بہت عاجزی سے اس کا بازو تھام کر ہلایا تو وہ جو اس کی آنکھوں کے ساگر میں ڈوب رہا تھا چونکنے کے ساتھ ہی اسے سامنے سے دھکیل کر باہر نکلتا چلا گیا۔

''غازی احمد!'' اسے پکارنے کے لئے اس کے صرف ہونٹ ہل کر رہ گئے آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ تو اپنی اس کوشش میں ناکامی پر وہ وہیں اس کی اماں کے پلنگ پر ڈھے گئی اور بہت دیر بعد جب دل کچھ قابو میں آیا تب وہ بوجھل قدموں سے واپس آئی تو لاؤنج میں سب کو بیٹھے دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ابھی ناکردہ گناہ کی سزا تمام نہیں ہوئی تھی کہ دوسرا پل صراط آ گیا تھا۔

''کر آئیں منہ کالا۔ میں پوچھتی ہوں کیا کمی ہے میرے بیٹے میں جو تم بھاگ بھاگ کر اس کے پاس جاتی ہو۔'' پھوپھو زہر خند سے کہتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔ ان کی تقلید میں آذر اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھاگ کر اس کا بازو تھام کر بولی۔

''خدا کے لئے آذر مجھے غلط نہیں سمجھیں۔''

''چٹاخ۔'' آذر کے زوردار تھپڑ نے اسے چکرا دیا تھا۔ آنسو پلکوں میں ہی جم کر رہ گئے اور الفاظ ہونٹوں میں۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ باہر سے آنے والی لڑکیاں ایک کے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ لیکن تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔'' پھوپھو آذر سے مخاطب ہو کر اس کی ذات و کردار کے پرخچے اڑانے میں لگیں۔

''اب دیکھ لیا تم نے اپنی آنکھوں سے۔ دن میں کتنی بار مجھے چکر دے کر ادھر جاتی ہے اور اب رات میں بھی اس کو چین نہیں ہے۔''

''اف اتنی ذلت، ایسی رسوائی...... کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔'' اس کا سر جھک گیا اور پلکوں پر جمے آنسو قطرہ قطرہ ٹپک کر کارپٹ میں جذب ہونے لگے۔

''پوچھو اس سے یہ وہاں کیا کرنے گئی تھی۔'' پھوپھو آذر کو مزید اکسا رہی تھیں اور وہ پوچھنے کے بجائے ایک دم اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر بولا۔

''ذلیل لڑکی! اس دو کوڑی کے شخص کے ساتھ اپنی عزت و غیرت نیلام کرتے تمہیں شرم نہیں آئی۔ بھول گئیں تم کہ یہ ناروے نہیں پاکستان ہے۔ یہاں وہ کچھ نہیں ہوتا جو تم وہاں کر آئی ہو۔''

وہ ہاتھ سے زیادہ اس کی زبان کے نشتروں سے چھلنی ہو رہی تھی لیکن اپنی صفائی میں اس نے مزید ایک لفظ نہیں کہا بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ آذر کا بس نہیں چل رہا تھا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ جب اس کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تو اسے دور دھکیل کر چلایا۔

''دور کرو اسے میری نظروں سے ورنہ میں شوٹ کر دوں گا اسے اور اس حرامزادے کو بھی شوبی! نکلواؤ اسے باہر اور اس کے باپ کو بلاؤ۔ جو خود نہیں سنبھال سکا اسے تو ہمارے پاس چھوڑ گیا۔''

''ہاں ضرور اس نے وہاں کوئی گل کھلایا ہوگا جو۔''

پھوپھو بھی شروع ہو گئیں اور اس میں اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں تھی۔ بمشکل خود کو

گھسیٹتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھنے لگی تو شوبی جانے خود سے یا کسی کے اشارے پر فوراً حرکت میں آ گیا اور اس کے گیٹ تک پہنچنے سے پہلے گاڑی باہر نکال لی۔ پھر اس کے آنے پر دروازہ کھول کر زبردستی سے بٹھایا تھا۔

☆☆☆

اسے خالہ کے گھر میں ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اس دوران خالہ جان' احمد بھائی اور بھابھی بھی اس سے پوچھ کر تھک گئی تھیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے......؟ ایسی کیا بات ہو گئی تھی جو رات کے تیسرے پہر شوبی اسے چھوڑ گیا تھا۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر چپ کی ایسی مہر لگی تھی جو ٹوٹ کے نہیں دی۔ اس لئے نہیں کہ اس نے کوئی گناہ کیا تھا یا اپنے کیے پر شرمندہ تھی بلکہ پھوپھو اور سب گھر والوں سے زیادہ آذر کی بدگمانی نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔ کتنا مان تھا اسے اس شخص پر جس کی محبت میں وہ سب کے بدصورت رویوں کو برداشت کر رہی تھی اور اس نے تصدیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھی بلکہ چھوٹتے ہی کہہ دیا کہ وہ اس کی عزت وغیرت نیلام کر آئی ہے۔ اف اتنا بھیانک الزام اور اتنے یقین کے ساتھ کہ وہ اپنی بقیہ ساری زندگی کی تپسیا سے بھی اسے نہیں دھو سکتی تھی۔ پھر وہ کیوں اپنی بے گناہی کی قسمیں کھائے۔

وہ سارا وقت سوچتی اور کڑھتی رہتی اور اس کے اندر دکھ تو تھا ساتھ تنفر بھی شامل ہونے لگا تھا اور اسی تنفر میں اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں کہے گی۔ آذر کو خود اپنے کہے پر نادم ہو کر آنا ہو گا اور وہ تو نہیں آیا ناروے سے ڈیڈی آ گئے۔ پتا نہیں پھوپھو نے انہیں کیا کہہ کر بلایا تھا اور وہ سیدھا آئے بھی ان ہی کے پاس تھے اس لئے کہ انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ خالہ جان کے گھر ہے ورنہ شاید پہلے اس کے پاس آتے اور اس کے تمام حالات سنتے۔ اب پھوپھو نے جانے ان سے کیا کہا تھا جو وہ اس کے پاس آئے تو ناراض سے تھے۔

''تم یہاں کب سے ہو؟'' جب خالہ جان باپ بیٹی کو اکیلا چھوڑ کر اٹھ گئیں تب انہوں نے اس سے پوچھا تو وہ بظاہر سکون سے بولی۔

''دس دن ہو گئے ہیں۔''

''کیوں؟''

''یہ تو آپ پھوپھو سے اور آذر سے پوچھیں ڈیڈی! میں اس کا جواب نہیں دے سکتی۔'' اس نے منہ پھلا کر کہا تو ڈیڈی نرم پڑتے ہوئے کہنے لگے۔

''بیٹا! چھوٹے موٹے جھگڑے ہر گھر میں ہوتے ہیں۔ تمہیں اپنا گھر نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔ اس طرح تو معاملہ اور خراب ہو جاتا ہے۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں ڈیڈی! میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔''

''پھر تمہارا یہاں آنے کا مطلب؟'' ڈیڈی اس کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

''آپ پھوپھو سے کیوں نہیں پوچھتے۔'' وہ عاجزی سے گویا ہوئی۔

''ان کا کہنا ہے تمہارا اور آذر کا آپس میں کوئی جھگڑا ہوا تھا جس سے تم ناراض ہو کر چلی آئیں اور یہ کہ تم اگر اس انتظار میں ہو کہ تمہیں کوئی منانے آئے گا تو ایسا نہیں ہو گا۔ تم نے خود گھر چھوڑا ہے اس لئے تم خود ہی واپس جاؤ گی۔ اسے تم ان کی ضد سمجھو یا کچھ بھی۔ غلط نہیں ہے۔ غلط قدم تم نے اٹھایا ہے ان کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلیں اس لئے تمہیں ان سے معافی مانگنی ہو گی۔'' ڈیڈی کو صحیح بات کا علم نہیں تھا۔ اس لئے پھوپھو کی طرف داری کرتے ہوئے اس پر ناراض ہو رہے تھے۔

''میں ایک بار نہیں سو بار معافی مانگنے کو تیار ہوں اگر جو پھوپھو اور آذر مجھ پر لگایا ہوا بہتان واپس لیں یا سچ ثابت کر دکھائیں۔'' وہ ایک دم حقیقت بتانے پر آمادہ ہو کر کہنے لگی۔

''میرا جرم یہ ہے کہ میں غائر احمد سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگنے گئی تھی۔ اس پر پھوپھو اور آذر نے بھی میری کردار کشی کی اور یہاں تک کہا کہ ناروے میں میں ایسے ہی کسی گناہ کی مرتکب ہوئی ہوں جو آپ مجھے یہاں لا کر ان کے سر تھوپ گئے۔ اس کے بعد آپ بتائیں میں کیسے وہاں رکتی جبکہ آذر مجھ پر تشدد بھی کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بالوں سے گھسیٹا اور۔''

"بس بیٹا!" ڈیڈی نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا اور کتنی دیر خود پر ضبط کرنے کے بعد بولے' تب بھی ان کی آواز میں غصہ تھا۔

"کیا سمجھا تھا انہوں نے تمھیں؟ یتیم' لاوارث' کوئی تمھارا پوچھنے والا نہیں۔ میں تمھیں ان کے سر تھوپ گیا یا انہوں نے...! اور بیٹا تم نے اتنا وقت کیسے گزارا' کبھی اشارتاً بھی کچھ نہیں بتایا۔ ہر دوسرے ہفتے تمھاری ممی تمھیں فون کرتی رہی ہیں۔ ان سے بھی کچھ نہیں کہا کس بات کا خوف تھا تمھیں؟"

"کسی بات کا خوف نہیں تھا ڈیڈی! بس میں چاہتی تھی کہ گھر کے ماحول میں کوئی کشیدگی نہ ہو اور گھر کی بات باہر نہ جائے' اس لئے میں سب کے بدصورت رویوں کو اگنور کرتی رہی اور پھر میرا خیال تھا کسی دن سب کو خود ہی احساس ہو جائے گا لیکن اس کے برعکس سب نے یہ سمجھ لیا جیسے میں مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر ہوں اور ان کی زیادتیاں سہنے پر مجبور۔"

وہ دکھ سے بتا رہی تھی۔ ڈیڈی نے اسے اپنے ساتھ لگا کر تسلی دی پھر غائر احمد کی والدہ کے انتقال سے ساری تفصیل سننے کے بعد کہنے لگے۔

"تم ابھی یہیں رہو میں تمھاری پھوپھو سے بات کرنے کے بعد تمھیں لے جاؤں گا۔"

"کہاں؟" اس نے چونک کر پوچھا تو ڈیڈی نے جانے سنا نہیں یا قصداً جواب دینے سے گریز کیا۔ اٹھتے ہوئے بولے۔

"میں چلتا ہوں۔ صبح آؤں گا اور بیٹا! تم اپنے ذہن پر مزید بوجھ مت ڈالو اپنا خیال رکھو۔ اوکے۔"

اس نے ذرا سا سر ہلایا اور ان کے پیچھے دروازے تک جا کر پلٹ آئی کیونکہ آگے وہ خالہ جان کو ساری تفصیل بتانے کھڑے ہو گئے تھے اس کے بعد پتا نہیں وہ کب گئے......؟ وہ نونی کو اس کا ہوم ورک کروانے میں لگ گئی تھی۔

پھر صبح ناشتے کے بعد سے ہی وہ ڈیڈی کا انتظار کرنے لگی اور پتا نہیں کیا بات تھی کہ صبح

سے دوپہر ہو گئی وہ خود آئے نہ فون کیا جس سے وہ خاصی متوحش سی ہو کر جانے کیا کیا قیاس کرنے لگی۔ خالہ جان نے اس کی بے چینی دیکھتے ہوئے ایک دو بار کہا کہ وہ فون کر کے معلوم کرتی ہیں لیکن اس نے انہیں روک دیا اور اپنا دھیان بٹانے کے لئے ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ چار بجے کے قریب جب اسے کافی وقت گزرنے کا احساس ہوا تب ڈیڈی بھی آ گئے۔ ان کے چہرے پر کوئی غیر معمولی تاثر نہیں تھا جس سے وہ ٹھٹھکتی یا کچھ قیاس کرتی۔ البتہ ان کے اکیلے آنے پر اس کی چھٹی حس الارم بجانے لگی تھی۔ پھر بھی اس نے فوراً کوئی سوال نہیں کیا اور ان کے بیٹھنے کے بعد پوچھنے لگی۔

"آپ کے لئے چائے لاؤں ڈیڈی؟"

"ابھی نہیں بیٹا!" ڈیڈی اسے جواب دے کر خالہ جان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔

"میں تو بہت بے فکر تھا کہ میری بیٹی اپنوں میں ہے لیکن یہاں تو خون ہی سفید ہو گئے ہیں۔ آپا کو اور کوئی رشتہ یاد ہی نہیں صرف نیہاں کی ساس بن کر بات کر رہی ہیں اور وہ بھی اس طرح جیسے ہماری ان کے سامنے کوئی حیثیت' کوئی حقیقت نہ ہو۔ کہتی ہیں چھوڑ جاؤ بیٹی کو یہاں ہم اسے برداشت کر لیں گے اور اسے بھی ہمارا احسان سمجھو ورنہ ایسی لڑکیوں کو۔"

ڈیڈی اس کی موجودگی کی وجہ سے خاموش ہوئے۔

"تم نے کیا کہا؟" خالہ جان نے پوچھا تو ڈیڈی گہری سانس کھینچ کر رہ گئے جس سے ان کی بے بسی ظاہر ہو رہی تھی۔ تب اس نے قریب ہو کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"ڈیڈی! اگر آپ کہیں گے تو میں چلی جاؤں گی پھوپھو کے گھر۔"

"نہیں بیٹا!" ڈیڈی فوراً بولے۔

"نہیں میں صاف انکار کر آیا ہوں کہ وہ اگر اپنی تنگ نظری پر نادم ہو کر آئیں گے تب بھی میں تمھیں نہیں بھیجوں گا تم میرے ساتھ چلو گی۔"

''ناروے......؟'' اس نے حیران ہو کر دیکھا۔

''ہاں میں نے تمھاری ممی سے فون پر بات کی ہے۔ انہوں نے بھی یہی کہا ہے کہ میں تمھیں ساتھ لے کر آؤں۔'' ڈیڈی کے حتمی انداز پر خالہ جان تشویش سے بولیں۔

''اس طرح تو معاملہ اور بگڑ جائے گا۔''

''اس کے یہاں رہنے سے بھی ٹھیک نہیں ہوگا اور جو سلوک انہوں نے یہاں کے ساتھ کیا ہے اس سے میں اسے دوبارہ وہاں بھیجنا ہی نہیں چاہتا اگر آذر کو بیوی کا خیال ہوگا تو اسے وہیں آنا ہوگا ناروے میں سیٹ کر دوں گا اسے وہاں پر۔ یہاں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' ڈیڈی کا انداز ہنوز تھا۔ ''تم تیاری کرو بیٹا' تمھارا پاسپورٹ کہاں ہے؟''

''ظاہر ہے وہیں ہوگا۔ یہاں تو یہ تن کے تین کپڑوں میں آئی تھی۔'' اس کی بجائے خالہ جان نے کہا تو ڈیڈی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگے۔

''ٹھیک ہے میں وہاں سے پاسپورٹ لے لوں گا اور کوئی اپنا سامان تمھیں لینا ہو تو بتا دو۔''

اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ گو کہ وہ خود بھی متنفر تھی اور یہ طے تھا کہ جب تک آذر اس کی پارسائی کا یقین کر کے اس کے پاس نہیں آئے گا وہ اس گھر میں نہیں جائے گی لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وہ یہ ملک ہی چھوڑ جائے۔ پتا نہیں ڈیڈی نے غصے میں یہ فیصلہ کیا تھا یا انہیں اس میں اس کی بہتری نظر آئی تھی۔ وہ بہر حال خوش نہیں تھی اور اس نے سوچ لیا کہ اب جب ڈیڈی اسے ساتھ لے جانے کی بات کریں گے تو وہ انہیں منع کر دے گی لیکن اگلے روز جب ڈیڈی آئے تو ان کے چہرے پر تھکن' آزردگی اور محسوس کیا جانے والا دکھ تھا جس سے وہ اپنے آپ میں ندامت محسوس کرنے لگی کہ اس کی وجہ سے انہیں توہین آمیز رویوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور مزید ان کی کسی بات سے اختلاف کر کے وہ انہیں اور دکھ نہیں دے سکتی تھی اس لئے ان کے ساتھ جانے پر

آمادہ ہو کر پوچھنے لگی۔

''میرا پاسپورٹ مل گیا ڈیڈی! کب جانا ہے؟''

''تمھیں ابھی کچھ دن یہیں رہنا ہوگا بیٹا کیونکہ آذر نے تمھارا پاسپورٹ ضائع کر دیا ہے البتہ میری سیٹ کنفرم ہو گئی ہے آج رات گیارہ بجے کی فلائیٹ ہے میں انشاء اللہ ایک ہفتے میں تمھارا پاسپورٹ اور ٹکٹ بھی بھجوا دوں گا۔ تم کسی بات کی فکر نہیں کرنا۔ جتنے دن یہاں ہو خوش رہو اور اپنی خالہ جان کی خدمت کرو۔''

ڈیڈی نے کہا تو وہ انکی پہلی بات سے ہی کچھ اطمینان سے ہو گئی تھی اس لئے مسکرا کر بولی۔

''خالہ جان تو مجھے چائے تک نہیں بنانے دیتیں۔ بالکل مہمان سمجھتی ہیں حالانکہ اتنے دنوں سے میں رہ رہی ہوں ان کے پاس۔''

''ہوں!'' ڈیڈی غالباً کچھ اور سوچنے لگے تھے جبھی ہوں کی آواز نکال کر رہ گئے تو اس نے خالہ جان کو دیکھا اور ان کے اشارے پر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ جانتی تھی ڈیڈی اپنے کہنے کے مطابق ایک یا زیادہ سے زیادہ دو ہفتے میں اس کا پاسپورٹ اور ٹکٹ بھجوا دیں گے پھر اسے ہر صورت جانا ہوگا اور وہ ابھی بھی کشش و پنج میں تھی۔ پتا نہیں ڈیڈی نے آذر کو اس کے ناروے جانے کا بتایا تھا یا نہیں اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا اور وہ اپنے طور پر سوچ رہی تھی کہ جب آذر کو معلوم ہوگا تو وہ ضرور اسے روکنے کی کوشش کرے گا۔ ایک کوشش تو وہ اس کا پاسپورٹ ضائع کر کے کر ہی چکا تھا اور لاشعوری طور پر وہ اس کی اگلی کوشش کی منتظر تھی کہ شاید وہ آ جائے اپنے کیے پر نادم ہو کر یا اس کی محبت میں اس وقت وہ اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ خالہ جان ٹوکتی ہوئی کہنے لگیں۔

''کیوں اپنے دماغ پر بوجھ ڈالتی ہو۔ اس طرح تو صحت خراب ہو جائے گی تمھاری۔

ہنسا بولا کرو۔"

"ایک بات پوچھوں خالہ جان؟" وہ ان کی بات ان سنی کرتی ہوئی بولی۔

"ضرور پوچھو۔"

"اگر میرے پاسپورٹ اور ٹکٹ سے پہلے آذر آ گئے مجھے لینے تو......" وہ ادھوری بات چھوڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو خالہ جان نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولیں۔

"وہ نہیں آئے گا بیٹی!"

"فرض کریں۔"

"کیا فرض کروں۔ جب اس نے ناتا ہی توڑ دیا۔" خالہ جان نے ایک دم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا لیکن اسے بڑی زور کا دھچکا لگا تھا۔

"کیا کیا کہا آپ نے...... ناتا توڑ دیا اس نے۔ کیسے؟ بتائیں ناں خالہ جان کیا کہا ہے اس نے؟" وہ ان کا بازو جھنجھوڑنے لگی۔

"طلاق دے دی ہے اس نے تمھیں۔" خالہ جان جیسے بہت مجبور ہو کر بولی تھیں اور وہ سناٹے میں آگئی۔

"کیا کریں بیٹی! سب نصیب کی بات ہے۔ خیر تم اسے جی کا روگ نہ بناؤ اللہ سلامت رکھے تمھارے ماں باپ کو تمھارے لئے کوئی کمی تھوڑی ہے۔"

خالہ جان اب اسے تسلی دینے لگی تھیں اور اس کی آنکھیں جل تھل ہوگئیں۔

"نہ نہ بیٹی...... روؤ نہیں۔" خالہ جان نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"میں تو جمیلہ آپی کی شادی میں آئی تھی اور شاید یہ ایک بہانہ تھا اصل میں تو میرے نصیب میں یہ سب لکھا تھا اور کاتب تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے......؟" اسی رات بہت رو چکنے کے بعد اس کی سوچیں اس رخ بہہ نکلیں تو اس نے سب کے قصور معاف کر دیئے لیکن اپنی

قسمت سے وہ ابھی بھی شاکی تھی کہ اس نے تو کبھی کسی کا برا نہیں سوچا تھا پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟

"شاید غائز احمد۔" اس کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا تھا اور پھر اس کا دل ڈوبنے لگا کہ کہیں یہ اس کوتاہی کی سزا تو نہیں اور پھر اس نے اس خیال کو جھٹکنے کی بہت کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

شدت گریہ اور رات دیر سے سونے کے باعث صبح اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئیں تھیں۔ چہرہ بھی مرجھایا ہوا تھا اور سبب ظاہر ہے سب کو معلوم تھا اس لئے کسی نے ٹوکا نہیں البتہ اس کا دھیان بٹانے اور بہلانے کے لئے احمد بھائی نے آفس سے چھٹی کر لی اور سارا دن اس کے ساتھ کیرم کھیلتے رہے شام ہوئی تو ساحل پر جانے کا پروگرام بنالیا اور گو کہ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن وہ سمجھ رہی تھی کہ سب اس کی دلجوئی کی خاطر یہ سب کر رہے ہیں اس لئے اس نے منع نہیں کیا اور کافی حد تک خود کو سنبھال بھی لیا کہ وہ اگر کسی کو کچھ دے نہیں سکتی تو پریشانی کا سبب بھی کیوں بنے۔

یوں ساحل پر سورج ڈوبنے تک وہ بھابھی کے ساتھ گیلی ریت پر ٹہلتی اور انہیں اپنی ناروے کی دوستوں کے قصے سناتی رہی پھر پلے لینڈ میں نونی کے ساتھ جھولے پر بھی بیٹھی تھی۔ واپسی میں احمد بھائی چائنیز لے گئے اور وہاں سے نکلتے ہی اس نے طارق روڈ سے آئس کریم کھانے کی فرمائش کر ڈالی۔ اس وقت اسے خود نہیں معلوم تھا کہ اسکے منہ سے طارق روڈ کیوں نکلا جب احمد بھائی گاڑی پارک کر کے اتر گئے تب ان کے پیچھے دیکھتے ہوئے اسے اپنا یہاں آنا سمجھ میں آیا تھا۔ بھابھی پتا نہیں کیا کہہ رہی تھیں اس نے سنا ہی نہیں اور انہیں ابھی آتی ہوں کہتی ہوئی فوراً اتر کر اس دکان کی طرف چل پڑی جہاں ایک بار اس نے غائز احمد کو دیکھا تھا۔ وہاں ابھی بھی کوئی بڑے سے ڈیپ فریزر کے اندر جھکا غالباً آئسکریم نکال رہا تھا۔ وہ شیشے کے کارنر پر ہاتھ جما کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد جب وہ سیدھا ہو کر پلٹا تو اسکا زور زور سے دھڑکتا

ہوا دل ٹھہر گیا اور کچھ مایوسی سے اس کی نظریں دوکان کے اندر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔

''جی بی بی۔ آپ کو کیا چاہیے؟'' سیلز مین نے کسٹمرز سے فارغ ہو کر اس سے پوچھا تو بے اختیار اس کے ہونٹوں سے گہری سانس خارج ہوئی اور پہلے نفی میں سر ہلایا پھر خیال آنے پر رک کر پوچھنے لگی۔

''وہ غائر احمد نہیں آئے آج......؟''

''کون غائر؟'' سیلز مین سرسری انداز میں پوچھ کر دوسرے کسٹمرز کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''سنیں' وہ یہاں کام کر رہے تھے۔'' اسے پکار کر کہنا پڑا۔

''سوری میں نہیں جانتا۔ ادھر سے معلوم کر لیں۔'' سیلز مین نے کاؤنٹر کی طرف اشارہ کیا تو اس نے کاؤنٹر پر آ کر جلدی جلدی غائر احمد کا حلیہ بتا کر اس کے بارے میں پوچھا۔

وہ تو چھ آٹھ مہینے پہلے یہاں تھا۔ پھر غالباً اسے جاب مل گئی تھی تو وہ یہاں سے چھوڑ گیا۔

کاؤنٹر پر بیٹھے منیجر نے بتایا تو وہ مایوسی میں گھر کر بولی۔

''کچھ اتا پتا' میرا مطلب ہے کہاں جاب ملی تھی انہیں۔''

''شاید سٹیل مل۔'' منیجر نے یقین سے نہیں کہا تھا پھر بھی وہ دل ہی دل میں اسٹیل مل کا ورد کرتے ہوئے واپس آئی تو احمد بھائی چھوٹتے ہی بولے۔

''بیٹا! کچھ لینا تھا تو مجھ سے کہتیں۔''

''اسٹیل مل کہاں ہے؟'' جو بات اس کے اندر تھی وہی زبان پر آ گئی۔

''اسٹیل مل۔'' احمد بھائی حیران ہوئے۔

''خیریت......! وہاں کیا کام ہے؟''

''بتاؤں گی۔'' وہ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

پھر گھر آتے ہی وہ احمد بھائی کو غائر احمد کے بارے میں بتا کر ان کی منتیں کرنے لگی کہ وہ

اس کے بارے میں اسے معلوم کر کے دیں۔ کیونکہ جانے سے پہلے وہ ایسا نہ کر سکی تو اسے ناروے جا کر بھی چین نہیں آئے گا اور وہ اپنی زندگی میں آنے والی ہر مشکل' ہر آزمائش کو اسی واقعے سے منسوب کرتی رہے گی۔ جس پر احمد بھائی نے اس سے وعدہ کر لیا لیکن اسے سمجھانے سے بھی باز نہیں رہ سکے کہ اسے اس واقعے کو خود پر طاری نہیں کرنا چاہیے اور وہ کیا کرتی ہمیشہ سے ایسی ہی نرم دل تھی ورنہ یہ سوچ سکتی تھی کہ غائر احمد کی وجہ سے اس کی زندگی تباہ ہوئی وہ اگر پہلی بار ہی معاف کر کے اسے احساس جرم سے نکال لیتا تو دوبارہ اسے اسکے پاس جانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ لیکن اس کے برعکس وہ ابھی بھی خود کو قصوروار سمجھ رہی تھی اور اس نے سوچ لیا کہ اگر احمد بھائی اس کے بارے میں معلوم کرنے میں ناکام رہے تو وہ پھوپھو کے گھر فون کر کے ان سے یا انیلا سے کہہ کر اسے بلوا لے گی۔ گو کہ اس سے اس کی پوزیشن مزید خراب ہونے کا ڈر تھا لیکن اب اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ پھوپھو اور ان کے گھر والے کچھ بھی سمجھتے رہیں وہ جب زندگی کی بازی ہار چکی تھی تو پھر باقی کیا رہ جاتا تھا......!

بہر حال تیسرے دن احمد بھائی اسے غائر احمد کے آفس کا نمبر تھماتے ہوئے بولے تھے۔

''میں نہیں سمجھتا کہ اس شخص کے دل میں تمہارے خلاف کوئی بغض ہو گا پھر بھی تم چاہو تو اپنا اطمینان کر لو۔''

اور وہ یہی چاہتی تھی۔ اس لئے اگلے روز احمد بھائی کے آفس جانے کے بعد جب بھابھی معمول کے کاموں میں مصروف ہو گئیں تو وہ لابی سے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھی اور نمبر ڈائل کرتے ہوئے اپنے ذہن میں وہ الفاظ دہرانے لگی جو اسے غائر احمد سے کہنے تھے۔

''ہیلو!'' ادھر سے چوتھی بیل پر ریسیور اٹھایا گیا تھا۔

''جی مجھے غائر صاحب سے بات کرنی ہے۔ میں ان کی۔'' وہیں پر اٹک گئی اور اچھا ہوا

ادھر جو بھی تھا اس نے نوٹس نہیں لیا اور ہولڈ کرنے کا کہہ دیا پھر چند لمحوں بعد اس کی آواز سنائی دی تھی۔

''ہیلو کون؟''

''میں ہوں نیہاں۔'' اس نے بہت سنبھل کر ابھی اسی قدر کہا تھا کہ ادھر سے وہ بول پڑا۔

''اب اور کیا چاہتی ہیں آپ......؟ گھر سے تو نکلوا ہی چکی ہیں اب کیا آفس سے بھی نکلوائیں گی......؟ اگر ایسا کوئی ارادہ ہے تو خدارا پہلے یہ بتا دیجئے کہ میں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا......؟ کس جنم کی دشمنی کا بدلہ لے رہی ہیں آپ مجھ سے......؟''

''آپ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' وہ اس کی باتوں سے پریشان ہو کر بولی۔

''غلط نہ صحیح میں کچھ نہیں سمجھنا چاہتا۔''

ادھر اس نے ریسیور پٹخ دیا تو وہ کتنی دیر یونہی بیٹھی رہ گئی۔ پھر ریسیور رکھ کر ہاتھوں سے سر تھام لیا کہ ابھی ایک جرم کی معافی ملی نہیں اور دوسرا سر پہ ڈال دیا گیا تھا۔

''نیہاں!'' کتنی دیر بعد خالہ جان اسے پکارتی ہوئی آئیں تو وہ اسی طرح سر ہاتھوں میں تھامے بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا بیٹی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' خالہ ایک دم تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تو وہ بے اختیار رو پڑی۔

''میری وجہ سے وہ بھی گھر سے نکالا گیا خالہ جان۔ اس کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔''

''کون...... کس کی بات کر رہی ہو......؟'' خالہ جان نے الجھ کر پوچھا تو وہ اور شدت سے رونے لگی ساتھ بے ربط بول رہی تھی۔

''میں تو پھر ممی ڈیڈی کے پاس چلی جاؤں گی۔ اس کا تو اور کوئی نہیں ہے۔ بالکل اکیلا ہو گیا وہ۔ کوئی اپنا نہیں اس کا۔''

''بیٹا! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ خدا کے لئے رونا بند کرو۔ میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔'' خالہ جان کو اس کے رونے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی اسے چپ کراتے کراتے تھک گئیں لیکن اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے تب انہوں نے بہو کو پکار کر پانی منگوایا اور زبردستی گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا پھر تھوڑا پانی ہاتھ میں لے کر اس کے منہ پر ڈالا اور پکارتی ہوئی کہنے لگیں۔

''نہ جی کو روگ لگاؤ بلکہ شکر کرو کہ ان ظالموں سے چھٹکارا مل گیا ورنہ ساری زندگی سسکتی رہتیں۔'' اس نے ایک بار خالہ جان کو دیکھا پھر صوفے کے بازو پر سر رکھ کر لیٹ گئی اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا جیسے سونا چاہتی ہو اور خالہ جان بھی یہی سمجھ کر بھابھی کو اشارہ کرتی ہوئی اٹھ کر چلی گئیں۔ اور اسے نیند کہاں آتی تھی اس کے دل میں تو اس حرماں نصیب کے لئے درد جاگ اٹھا تھا جو بالکل تنہا ہو گیا تھا اور اس کا ذمہ دار بھی خود کو ٹھہراتے ہوئے وہ اپنے لئے سزا تجویز کرنے لگی تھی۔

دوپہر میں بھابھی کھانے کے لئے اٹھانے آئیں تو گو اسے بالکل بھوک نہیں تھی لیکن خالہ جان کی پریشانی کا خیال کر کے اٹھی۔

شام میں احمد بھائی آئے تو اس کی آزردگی محسوس کرتے ہوئے آؤٹنگ پر لے جانے کے لئے تیار ہو گئے لیکن انہیں اس نے صاف منع کر دیا ایک تو واقعی اس کا کہیں جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا دوسرے وہ نہیں چاہتی تھی کہ سب اپنے کام چھوڑ کر اس کی دلجوئی میں لگے رہیں کہ پھر وہ مہمان سے بلائے جان ہو جائے اور یہ بات اس نے صاف گوئی سے کہہ بھی دی جس پر احمد بھائی بہت ناراض ہوئے تو اس نے فوراً اچھی سی چائے بنا کر انہیں منا بھی لیا۔

☆☆☆

اگلے روز صبح ہی ڈیڈی کا فون آ گیا اور جب انہوں نے کہا کہ وہ آج ہی اس کا پاسپورٹ اور ٹکٹ بھیج رہے ہیں تو وہ جو کل سارا دن اور رات میں بھی اپنے لئے سزا سوچتی رہی

تھی۔ایک دم سے فیصلہ کر کے کہنے لگی۔

''آپ بے شک میرا پاسپورٹ بھیج دیں ڈیڈی! لیکن ٹکٹ کی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ میں اب یہیں رہوں گی پاکستان میں۔''

''کیوں؟'' ڈیڈی نے ناگواری سے پوچھا۔

''کیونکہ میرے دل پر بڑا بوجھ ہے ان گناہوں کا جو جانے یا انجانے میں مجھ سے سرزد ہوئے اور ان کی معافی کے بغیر میں وہاں نہیں آسکتی۔آپ پلیز مجھے یہیں رہنے دیں۔'' اس کی اتنی عاجزی پر ڈیڈی قدرے نرم پڑ گئے۔

''تم سے کوئی گناہ نہیں ہوا بیٹا! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں......؟ لو اپنی ممی سے بات کرو۔''

اور ممی کی ہر بات کے جواب میں وہ یہی کہتی رہی کہ ''اسے یہیں رہنے دیں اگر اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تو وہ مر جائے گی۔'' تب بہت مجبور ہو کر ممی نے اسے اجازت دے دی تھی۔

پھر اس روز سے وہ اخبار میں ''ضرورت ہے'' اشتہار دیکھنے لگی۔ جس پر خالہ جان نے اعتراض کیا تو وہ ان کے ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔

''منع نہیں کریں خالہ جان! میں اگر ناروے میں جاتی تو وہاں بھی یہی کرتی کیونکہ خالی بیٹھے رہنے سے تو میں ذہنی طور پر مفلوج ہو جاؤں گی۔ آپ یہ مت سمجھیں کہ میں خود کو بوجھ تصور کر رہی ہوں ایسا بالکل نہیں ہے۔''

''لیکن بیٹا! تمہاری پھوپھو کو پتا چلے گا تو وہ کتنی باتیں بنائیں گی۔''

''ان کی بات نہیں کریں۔'' اس نے فوراً ٹوک دیا اور خالہ جان کو راضی کرنے کے بعد پھر سے اخبار دیکھنے میں لگ گئی۔

☆☆☆

اسے جاب مل گئی تو پھر دوسرے مہینے وہ گرلز ہاسٹل میں شفٹ ہو گئی اور اس کے لئے

اسے ممی ڈیڈی سے کہلوانا پڑا تھا کیونکہ خالہ جان اور احمد بھائی تو بالکل بھی اس بات کے حق میں نہیں تھے اور ابھی بھی ایسا نہیں تھا کہ اس نے خود کو بوجھ سمجھا ہو بلکہ یہ اس کی اپنے لیے سزا تھی کہ جیسے غائر احمد اکیلا ہو گیا تھا تو وہ بھی ساری محبتوں سے دور اس وقت تک اکیلی رہے گی جب تک وہ شخص اس کے لئے معافی کا اعلان نہیں کر دے گا اور اس کے لئے وہ گاہے بگاہے اسے فون کرنے لگی تھی لیکن ادھر اول تو وہ فون اٹینڈ ہی نہیں کرتا تھا اور اگر اتفاق سے کر بھی لیتا تو اس کی آواز سنتے ہی بند کر دیتا تھا۔ جس سے اس کے اندر مجرمانہ احساس مزید بڑھتا جا رہا تھا کہ وہ واقعی قصوروار ہے جب ہی تو وہ اس کی آواز تک نہیں سننا چاہتا۔

یونہی کتنے دن' ہفتے' مہینے گزر گئے۔ وہ صبح آٹھ بجے آفس کے لئے نکلتی تو پھر شام چھ بجے اس کی واپسی ہوتی تھی اس کے بعد وہ اور کہیں جانے کے قابل ہی نہیں رہتی تھی اور جو ہاسٹل میں دوسری لڑکیاں تھیں ان کے ساتھ بھی اس نے کوئی ربط نہیں رکھا تھا۔ بس ڈائننگ ہال میں سرسری انداز میں سب کے ساتھ ہیلو ہائے کر لیتی۔ حالانکہ وہ ہمیشہ سے بہت محبت کرنے والی اور دوست بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ لیکن یہاں وہ مجبور تھی جو سزا اس نے اپنے لئے تجویز کی تھی اس کی معافی تک اسے تنہائی کے دکھ جھیلنے تھے۔ چھٹی کے دن کتنی بار احمد بھائی اسے لینے آئے لیکن وہ اپنے ہفتہ بھر کے جمع شدہ کاموں کا بہانا کر کے انہیں ٹال دیتی اور اب تو انہوں نے بھی آنا چھوڑ دیا تھا۔ بس فون پر خیر خیریت معلوم کر لیتے۔ ظاہر ہے ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ جب خود ہی اتنی پابند ہو کر رہ گئی تھی تو پھر کوئی کہاں تک اس کا ساتھ دیتا۔

اس وقت وہ احمد بھائی کا فون اٹینڈ کر کے واپس اپنے کمرے میں آئی تو ایک دم یاد آیا کہ اسے جوتے اور سوئیٹر لینا ہے۔ کیونکہ سردی کی لہر اچانک آئی تھی اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ کراچی کا موسم یوں اچانک بدلتا ہے ورنہ پہلے سے انتظام کر رکھتی۔ سارا سامان تو اس کا پھوپھو کے گھر ہی رہ گیا تھا اور اگر وہ چاہتی تو وہاں سے لا سکتی تھی اپنی ایک ایک چیز لیکن وہ اس گھر کے کسی فرد کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے اس نے کبھی ادھر جانے کا سوچا ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو دعا کرتی

تھی کی کبھی سرراہ بھی کوئی نظر نہ آئے۔ بہرحال جوتے اور سوئیٹر کا خیال آتے ہی وہ اسی وقت کپڑے تبدیل کر کے چل پڑی۔ قریبی مارکیٹ بھی ہاسٹل سے تین چار سٹاپ کے فاصلے پر تھی اور اب تو وہ عادی ہوگئی تھی کوئی کام مشکل نہیں لگتا تھا۔

البتہ اکیلی لڑکی کو خصوصاً مارکیٹ میں لوگ جن نظروں سے دیکھتے تھے اس سے وہ بہت پریشان ہوئی تھی۔ اس لئے کسی شدید ضرورت کے تحت ہی مارکیٹ جاتی تھی۔ ابھی اس کی اہم ضرورت جوتے تھے کیونکہ سینڈل کل بس سے اترتے ہوئے ٹوٹ گئی تھی اور اب آنے والی کل آفس جانے کے لئے اس کے پاس اور کوئی سینڈل بھی نہیں تھی۔ اس لئے وہ پہلے شوز کی دکان میں داخل ہوگئی اس کے بعد سوئیٹر خرید کر نکلی تو چند قدم کے بعد اس کا سامنا جمیلہ آپی سے ہوگیا۔ اس نے خاموشی سے گزر جانا چاہا لیکن انہوں نے نہ صرف اس کا رستہ روک لیا بلکہ اسے گلے بھی لگا لیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے رواداری سے پوچھا۔

''تم سناؤ۔ یہاں کیسے نظر آرہی ہو۔ مجھے تو امی نے بتایا تھا کہ تمہیں ماموں جان اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔'' جمیلہ آپی کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ ایک لحظہ توقف سے خود ہی کہنے لگیں۔

''تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا' اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ آذر کو طلاق نہیں دینی چاہئے تھی۔ اگر میں اس وقت وہاں موجود ہوتی تو کبھی ایسا نہ ہونے دیتی کیونکہ قصور تمھارا نہیں غائر احمد کا تھا جس نے تمہیں۔''

''آذر جیسے شقی القلب انسان کے چنگل سے نکالا اور اس کے لئے میں تاعمر اس کی احسان مند رہوں گی۔'' وہ فوراً ان کی بات کاٹ کر کہتی ہوئی تیز تیز قدموں سے چل پڑی تھی۔

پھر رات دیر تک وہ اپنے آپ پر جھنجھلاتی رہی۔ غصہ بھی آرہا تھا کہ اس نے جمیلہ آپی کو کچھ کہنے کا موقع ہی کیوں دیا۔ گو کہ وہ شروع سے باقی سب گھر والوں سے مختلف تھیں۔ لیکن تھیں تو

اس گھر کی فرد۔ جب ہی تو اس سے ہمدردی بھی یوں جتا رہی تھیں جیسے واقعی اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہو۔

''ٹھیک ہے یونہی سہی۔ جو وہ سمجھتے ہیں' سمجھتے رہیں۔ مجھے کیا؟'' وہ بڑی مشکل سے خود کو سمجھا پائی تھی۔

صبح جب ڈائننگ ہال سے ناشتا تیار ہونے کی بیل بجی تب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر بستر سے نکل آئی۔ ڈائننگ ہال میں جانے کا وقت نہیں تھا کیونکہ ساڑھے سات ہو چکے تھے۔ ناشتا کرتی تو آفس سے دیر ہو جاتی جبکہ ابھی تیار بھی ہونا تھا۔ ورنہ روزانہ اس وقت تک وہ تیار ہوتی تھی پھر پندرہ منٹ میں آرام سے ناشتا کر کے وہیں سے نکل جاتی اور اب اتنے وقت میں تیار ہونا مشکل تو تھا لیکن بوکھلاہٹ میں سب کام الٹے ہو رہے تھے اور کل جو جوتے لائی تھی اس کا ڈبہ سامنے رکھا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ آخر میں اس کی تلاش میں پریشان ہو رہی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز سے مزید جھنجھلا کر بولی۔

''کون ہے آجاؤ۔''

''السلام علیکم۔'' وہ بیڈ کے نیچے جھانک رہی تھی کہ مردانہ آواز پر اچھل کر سیدھی ہوئی اور سامنے غائر احمد کو دیکھ کر یک لخط ساکت ہوگئی تھی۔

''شاید میں غلط وقت پر آیا ہوں لیکن۔'' وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آ کر رک گیا پھر ایک اچٹتی نظر کمرے پر ڈال کر بولا۔

''بیٹھنے کو نہیں کہیں گی؟''

اس نے بہت کوشش کی اسے بیٹھنے کا اشارہ ہی کر دے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ تو غائر احمد نے یوں گہری سانس کھینچی جیسے وہ اگر اس کی آمد پسند نہیں کر رہی تب بھی وہ فوراً نہیں جائے گا۔ پھر ایک نظر اس کی پوری کھلی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگا۔

''کہاں سے شروع کروں؟ اس رات سے جب آپ میرے پاس آئی تھیں یا اس

سے بھی پہلے سے گو کہ آپ کو میری داستان حیات سے کوئی دلچسپی ہو گی نہ سروکار پھر بھی میں آپ کو ضرور سناؤں گا۔اور آپ کو سننی پڑے گی۔''

وہ اسے پابند کر کے قدرے بے نیازی سے ٹہلتا ہوا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا اور اسے کھول کر کچھ دیر باہر دیکھنے کے بعد اس کی طرف پلٹ کر کہنے لگا۔

''وہ گھر جہاں میرے تایا تائی یعنی آپ کی پھوپھو جان کا قبضہ ہے وہ میرے دادا کا ہے اور دادا نے اپنی زندگی میں ہی اسے اپنے دونوں بیٹوں کے نام کر دیا تھا۔میرے والد گورنمنٹ ملازم تھے اور ہر سال دو سال بعد ان کی ٹرانسفر کبھی اس شہر کبھی اس شہر ہوتی رہی' کراچی میں بہت کم عرصہ رہے۔شاید اپنی زندگی کے آخری دو سالوں میں۔اس وقت دادا انتقال کر چکے تھے اور تایا جی نے کہہ دیا کہ اس گھر میں میرے والد کا کوئی حصہ نہیں جس پر میرے والد نے کوئی زیادہ احتجاج نہیں کیا تھا۔ایک تو اس لئے کہ وہ بڑے بھائی کا بہت لحاظ کرتے تھے اور دوسرے انہیں یہ خیال بھی تھا کہ وہ بیٹیوں والے ہیں۔لیکن تایا جی نے ہمارا کوئی خیال نہیں کیا یعنی جب میرے والد اچانک دل کے عارضے میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے تو تایا جی نے ازراہ ہمدردی بھی مجھے اور اماں کو اپنے ساتھ چل کر رہنے کو نہیں کہا تھا۔جبکہ وہ دیکھ رہے تھے ہمارے پاس کوئی ٹھکانہ تھا نہ ہی آمدنی کا کوئی ذریعہ۔میں اس وقت انٹر میں پڑھ رہا تھا۔

بہر حال میری اماں کی منتوں کا تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوا لیکن جب لوگ ملامت کرنے لگے تب انہوں نے ہمیں اس شرط پر انیکسی میں رہنے کی اجازت دے دی کہ میں تعلیم چھوڑ کر جلد سے جلد کسی کام سے لگ کر اپنا الگ انتظام کر لوں گا۔

اور میں ضرور ہی ایسا کرتا اگر جو وہ گھر واقعی صرف تایا جی کا ہوتا' انہوں نے اپنی محنت سے بنایا ہوتا۔پھر بھی میرا مستقل وہاں رہنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ خیال کہ میں اس میں اپنی شراکت کا دعویٰ کروں گا لیکن انہیں شاید بلکہ یقیناً یہی خدشہ تھا اس لئے وہ جلد سے جلد ہمیں وہاں سے نکالنا چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے بہت غلط طریقہ اختیار کیا کہ لوگوں میں مجھے

آوارہ' اوباش' نکما اور جانے کیا کیا مشہور کرنے لگے جس سے مجھے بھی ضد ہو گئی کہ میں جب تک اپنی تعلیم مکمل کر کے اچھی جاب حاصل نہیں کر لوں گا اس گھر سے نہیں نکلوں گا اور میں نے اماں کو بھی سمجھا دیا لیکن وہ بے چاری تائی جی کی بدزبانی و بدکلامی سے خائف رہتی تھیں۔''

وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا اور اس کے نظریں جھکانے پر چونک کر مزید گویا ہوا۔

''پھر ایک لڑکی کی آمد ہوئی تو ہمیں خصوصاً اماں کو تائی جی کی روز روز کی بک بک سے نجات مل گئی۔پتا نہیں تائی جی کا ہماری طرف سے دھیان ہٹ گیا تھا یا وہ اس لڑکی سے اپنی اصلیت چھپانا چاہتی تھیں بہر حال ہم ماں بیٹے نے بہت عرصے بعد سکون کا سانس لیا تھا اور اس کے لئے میں اس لڑکی کا شکر گزار تھا جو نرم ہوا کی مانند کبھی دستک دے کر اور کبھی بنا دستک دیئے چلی آتی تھی اور جتنی معصوم تھی اتنی ہی بے خبر۔اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اس کی نرم دستک پر کتنے دروازے کھلتے ہیں۔

وہ اپنی دھن میں جیسے آئی ویسے چلی بھی گئی۔مجھے اس کے جانے کا اتنا دکھ نہیں تھا جتنا اس بات کا کہ وہ ان لوگوں سے ناتا جوڑ بیٹھی تھی جن میں انسانیت' شرافت یہاں تک کہ مروت بھی نام کو نہیں تھی۔جبکہ وہ بڑی محبت کرنے والی حساس لڑکی تھی۔میں اکثر یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا تھا کہ ان ظالموں کے ہاتھوں اس کی معصومیت تار تار نہ ہو جائے اور ایسا کچھ دیکھنے سے پہلے میں وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا اس کے لئے میں نے جاب کی کوششیں تیز تر کر دیں اور میں نے اماں سے بھی کہہ دیا تھا کہ اب وہ یہاں سے چلنے کی تیاری کریں اور انہوں نے واقعی تیاری کر لی کہ جب میں جاب ملنے کی خوشخبری لے کر آیا تو اسی وقت وہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئیں۔

اس وقت کچھ دیر کو مجھے بھی یہ خیال آیا تھا کہ اس لڑکی نے اماں کا خیال نہیں کیا ہو گا لیکن میں زیادہ دیر اسے الزام نہیں دے سکا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اسے اماں کے پاس آنے سے روکنے والے کتنے ظالم ہیں اور ان ظالموں کے لئے میرے دل میں اتنی نفرت بھر گئی تھی کہ جب تیسرے

دن وہ لڑکی مجھ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگنے آئی تو اس وقت میں اسے صرف آذر کی بیوی کی حیثیت سے دیکھ رہا تھا۔ جب ہی مجھے اس کے رونے تڑپنے پر ایک گونہ سکون محسوس ہو رہا تھا اور میں چاہتا تھا کہ آذر آ کر دیکھے کہ اس کی بیوی اس شخص کے قدموں میں بیٹھی ہے جسے وہ ہر مقام پر ذلیل کرتا رہا ہے اور اس سے پہلے کہ میں اپنی اس خواہش کے ہاتھوں مغلوب ہوتا' وہاں سے نکل گیا۔ پھر جب اپنے اندر کے تلاطم کو دبا کر واپس آیا تو وہ نہیں تھی۔

اس کے بعد وہ ایک رات کے دوسرے پہر آئی تو میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اپنے لئے نہیں اس کے لئے کہ اگر کسی کو شبہ ہو گیا تو اس پر زندگی تنگ ہو جائے گی اور وہ پتا نہیں یہ ساری باتیں سوچ کر آئی تھی یا جانتی ہی نہیں تھی کہ اتنی رات کو ایک لڑکی کا گھر سے نکلنا کیا قیامتیں لے آتا ہے خواہ وہ کسی نیک مقصد سے ہی کیوں نہ نکلے۔ میں بہرحال اس قیامت کا تصور کر کے یوں سنائے میں آیا تھا کہ اس کی کوئی بات سنی ہی نہیں اور اسی وقت گھر سے نکل گیا' اگر ذرا سا بھی میں اپنے حواسوں میں ہوتا تو کہہ دیتا اس سے کہ اماں کی موت کی وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ میں ایسا نہیں سوچتا پھر بھی اگر اس کے دل پر کوئی بوجھ ہے تو معاف کرتا ہوں۔ لیکن میں یہ سب نہیں کہہ سکا اور صبح جب یقین ہو گیا کہ وہ احمق لڑکی میرے رویے سے مایوس ہو کر دوبارہ ادھر نہ آنے کا تہیہ کر چکی ہو گی' تب واپس گیا تو آگے آذر اور تائی جان منتظر تھے۔ جنہوں نے مجھے گیٹ سے اندر بھی داخل نہیں ہونے دیا تھا اور جو الزام مجھ پر لگایا اس سے ہی سمجھ گیا کہ اس لڑکی پر کیا بیتی ہو گی۔ لیکن اس پر تو کچھ زیادہ ہی یعنی طلاق کا تو میں نے گمان بھی نہیں کیا تھا اور نہ ہی مجھے معلوم ہو سکا بلکہ میں نے کوشش ہی نہیں کی تھی۔

پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اس کے فون آنے لگے تو میں قصداً اس سے بات کرنے سے گریز کرتا رہا تا کہ مایوس ہو کر وہ یہ سلسلہ بند کر دے اس لئے کہ اگر آذر کو معلوم ہو گیا تو پھر اس کے لئے اور مشکل ہو گی۔ اپنے طور پر میں اسے مشکل سے بچاتا رہا کہ کہیں آذر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لے اور یہ تو مجھے کل ہی معلوم ہوا ہے کہ وہ یہ قدم پہلے ہی اٹھا چکا ہے۔ کل جب آپ مارکیٹ

میں جمیلہ سے بات کر رہی تھیں تو اتفاق سے میں وہیں ایک شوکیس کے پاس کھڑا تھا اس کے بعد آپ چلی گئیں تو میں نے جمیلہ سے سارے حالات سنے تھے اور اسی سے آپ کی خالہ جان کا ایڈریس لیا اور پھر وہاں سے یہاں تک آیا ہوں۔ بظاہر تو یہ سفر اتنا طویل نہیں ہے لیکن۔''

وہ جانے کیوں خاموش ہو گیا لیکن نظریں اسی پر جمی تھیں جن کی تپش اس کے احساسات پر جمی برف پگھلائے دے رہی تھی اور جب وہ نروس ہونے لگی تو غیر محسوس طریقے سے اپنا رخ موڑ گئی اور گھڑی دیکھ کر اپنے آپ سے بولی۔

''اف! اتنی دیر ہو گئی۔''

''بالکل نہیں۔'' وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کے مقابل آ گیا۔

''ٹھیک وقت پر آیا ہوں بس اب اور دیر نہیں کرنی۔ چلو میرے ساتھ۔''

''کہاں؟'' وہ قدرے پریشان ہو گئی۔

''کہاں کا کیا مطلب؟ کیا تم نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہر سزا کے لئے تیار ہو تو میں تمہارے لئے عمر قید کے سارے انتظام کر کے آیا ہوں۔ تمہاری خالہ جان کے گھر ٹھیک گیارہ بجے تمہارے ممی ڈیڈی کا فون آئے گا اور وہ میری تجویز کردہ سزا پر رضامندی کا اظہار کر کے مجھے وہ سارے اختیار سونپ دیں گے جنہیں استعمال کر کے میں تمہیں؟''

وہ شریر مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے بولے جا رہا تھا اور وہ جو پہلے پریشان تھی پھر حیران ہوئی اور آخر میں اس کے معنی خیز جملوں پر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر مسکرائی تھی۔

☆☆☆

ابھی دیر نہیں ہوئی

''زینی! فواد آیا ہے۔'' امی نے کمرے میں جھانک کر زینی کو مخاطب کر کے کہا لیکن وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''ہائے سچ امی! فواد بھائی آئے ہیں؟''

''تو اس میں خوش ہونے والی کون سی بات ہے؟'' زینی نے پیشانی پر بے شار بل ڈال کر اسے دیکھا تو وہ جس طرح کھڑی ہوئی تھی دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اللہ آپی! بس بھی کرو، کیوں بیچارے فواد بھائی کو اتنا عاجز کر رہی ہو چل کر صلح کر لو ان سے۔''

''میری اس سے لڑائی تو نہیں ہے جو صلح کر لوں۔'' زینی کی ناگواری ہنوز تھی۔

''لڑائی نہیں ہے تو پھر یہ سب......'' دروازے پر دستک کی آواز سے وہ بات ادھوری چھوڑ کر ادھر متوجہ ہوئی اور فواد کو دیکھ کر خوش دلی سے بولی۔

''زہے نصیب۔'' فواد مسکراتا ہوا اندر آیا اور بیڈ کے جس کنارے پر زینی بیٹھی تھی۔ اسی

طرف چیئر گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا اس سے مخاطب ہوا۔

''کیسی ہو زینی؟''

''دیکھ لو کتنے آرام سے ہوں۔'' زینی نے گردن اکڑا کر کہا تو ایک لحظہ کو فواد کا چہرہ تاریک ہوا تھا پھر فوراً سنبھل کر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگا۔

''مزید کتنے دن آرام کا ارادہ ہے؟''

''ہمیشہ' میں ہمیشہ آرام سے رہنا چاہتی ہوں۔ بے شک چھوٹا سہی' لیکن پر سکون گھر چاہیے مجھے' جہاں ہر وقت تمہاری ماں بہنوں کی چخ چخ نہ ہو۔'' زینی نے فوراً اپنا مطالبہ دہرا کر فواد کا موڈ بھی خراب کر دیا۔

''بیکار کی ضد چھوڑو زینی! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں ابھی الگ گھر افورڈ نہیں کر سکتا۔''

''تو پھر کیا لینے آئے ہو یہاں! جب اس قابل ہو جاؤ تب آنا۔''

''تب تک تم یہیں بیٹھی رہو گی۔'' فواد کے کڑے تیوروں کا نوٹس لیے بغیر وہ بڑے آرام سے بولی۔

''مجبوری ہے۔''

''یہ مجبوری نہیں ہٹ دھرمی ہے زینی! یا پھر تم میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتیں' اگر یہی بات ہے تو صاف کہو' میں ابھی تمہیں......''

''فواد بھائی پلیز!'' وہ جو خاموش کھڑی تھی فوراً آگے آ کر بولی۔

''آپ تو اتنا غصہ نہ کریں' چلیں میں آپ کو اچھی سی چائے پلاتی ہوں۔ لیجیے امی چائے لے بھی آئیں۔''

''ناحق تکلیف کی آنٹی! میں ابھی جلدی میں ہوں۔ چائے نہیں پی سکتا۔'' فواد اٹھ کھڑا ہوا تو وہ جلدی سے امی کے ہاتھوں سے ٹرے لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

''چائے پینے میں کیا دیر لگتی ہے فواد بھائی! بس دو منٹ۔''

''ہاں بیٹا! چائے تو پی لو۔'' امی نے کہا تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

''سوری آنٹی! دیر ہو جائے گی۔ چلتا ہوں اور ہاں اسے سمجھا کر رکھیے' میں پرسوں اتوار کو اسے لینے آؤں گا۔'' فواد نے زینی کی طرف اشارہ کر کے کہا پھر جاتے جاتے اسے دیکھا تو وہ نخوت سے سر جھٹک کر منہ موڑ گئی۔

''تم بہت غلط کر رہی ہو زینی! مرد کے ساتھ اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی۔ پھر تم اسے طیش بھی دلاتی ہو اگر اس کے منہ سے کچھ الٹا سیدھا نکل گیا تو ساری زندگی سر پکڑ کر روتی رہو گی۔'' امی نے قدرے درشت لہجے میں زینی کو لتاڑا تو وہ ہنوز نخوت سے بولی۔

''میں نہیں وہ خود روئے گا۔''

''زینی! آخر تم چاہتی کیا ہو؟''

''ہزار بار تو بتا چکی ہوں کہ میں فواد کے گھر والوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی وہ میرے لیے الگ گھر کا انتظام کرے گا تو میں اس کے ساتھ جاؤں گی۔ ورنہ نہیں۔'' زینی کے دوٹوک انداز پر امی کو اور غصہ آ گیا۔

''کہاں سے کرے وہ الگ گھر کا انتظام اتنی آمدنی ہے اس کی؟''

''نہیں ہے تو پیدا کرے اور یہ آپ اس کی طرف داری کیوں کر رہی ہیں وہ آپ کی اولاد ہے یا میں؟''

''میں تمہارے بھلے کو ہی اس کی طرف داری کر رہی ہوں اور اسے اتنا عاجز مت کرو کہ وہ متنفر ہو جائے اور اس کی ماں بہنیں اتنی بری نہیں ہیں جتنا تم ان کے خلاف بولتی ہو۔ یہ تمہارے ابو ہی ہیں جو تمہاری باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور تم بھی ان ہی کی شہہ پر اتنا اکڑتی ہو۔'' بولتے ہوئے امی کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تو اس نے جلدی سے اٹھ کر انہیں کندھوں سے تھام لیا اور زینی کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''آپ کیوں اتنا غصہ کر رہی ہیں' چلیں اپنے کمرے میں ابو آئیں گے تو وہی آپی کو سمجھائیں گے۔''

''ان سے پہلے تم اسے سمجھا دو کہ تیاری رکھے۔ پرسوں فواد لینے آئے گا اسے۔'' امی نے یوں کہا جیسے اسے ہر صورت فواد کے ساتھ جانا ہے پھر کمرے سے نکل گئیں تو اس نے کچھ دیر بعد زینی کی طرف رخ موڑا اور اسے روتے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

''اب تمہیں کیا ہوا آپی؟''

''ٹھیک ہے نہیں رہوں گی میں یہاں' چلی جاؤں گی اسی جہنم میں' امی کو ساری خامیاں مجھ میں نظر آتی ہیں۔ میں ہی بری ہوں فواد اور اس کی ماں بہنیں بہت اچھی ہیں۔ جس دن مجھ پر تیل چھڑک کر آگ لگا دیں گی تب پتہ چلے گا امی کو۔''

زینی روتی ہوئی جو منہ میں آیا بولتی گئی۔

''اُفوہ آپی!'' اس نے آ کر زینی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ''تم ہمت سے کام لو امی تمہاری دشمن نہیں ہیں۔ اور خدا کے لیے رونا بند کرو' تم روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔''

''میرا ہنسنا بھی کسی کو اچھا نہیں لگتا۔'' زینی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے روٹھے لہجے میں بولی۔

''کوئی نہیں فواد بھائی تمہاری ایک مسکراہٹ پر......''

''نام مت لو اس کا۔'' زینی نے فوراً ٹوکا تو وہ کندھے اچکا کر اٹھتے ہوئے بولی۔

''چلو چھوڑو یہ سب' ہم چائے پیتے ہیں لیکن یہ تو ٹھنڈی ہو گئی خیر میں اور بنا لاتی ہوں۔''

وہ ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔ اصل میں وہ زینی کے پاس سے ہٹنا چاہ رہی تھی کیونکہ اس کے منہ سے مسلسل فواد اور اس کے گھر والوں کی برائیاں سن سن کر وہ تنگ آ گئی تھی۔ امی کی طرح اس کا بھی یہی خیال تھا کہ زینی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتی ہے ورنہ فواد کی ماں بہنیں

اتنی بری نہیں ہیں۔ تھوڑا بہت لڑائی جھگڑا تو ہر گھر میں ہوتا ہے زینی کو کمپرومائز کرنا چاہیے اور شاید وہ کر بھی لیتی لیکن جس طرح ابو اس کی ہر بات کا یقین کر کے اس کے ساتھ مل جاتے اس سے وہ اور خودسر بھی ہو گئی تھی اور فواد سے ہر جائز و ناجائز منوانا چاہتی تھی۔ حالانکہ اس کی شادی کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا اور بس شروع کے چند دن وہ خوش نظر آئی تھی۔ اس کے بعد جب بھی آتی سسرال والوں کے خلاف زہر اُگلتی تھی۔ اور ادھر تین مہینوں سے تو مستقل یہیں ڈیرہ جما لیا تھا کہ اب فواد اسے الگ گھر لے کر دے گا تب ہی جائے گی' جس پر ابو نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا تھا۔

''بالکل ٹھیک' میری بیٹی ظلم و ستم سہنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی۔''

اور ان تین مہینوں میں فواد کتنی بار آیا تھا' ہر طرح سے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی ضد پر اول روز کی طرح قائم تھی۔ اب پرسوں پھر فواد نے آنے کو کہا تھا اور جس انداز میں وہ کہہ گیا تھا اس کا زینی پر تو کچھ اثر نہیں ہوا تھا لیکن وہ اور امی خائف ہو گئی تھیں۔

رات میں کھانے کے دوران امی نے فواد کا ذکر چھیڑ کر جب یہ کہا کہ وہ پرسوں زینی کو لینے آئے گا تو ابو فوراً پوچھنے لگے۔

''کیا اس نے الگ گھر کا انتظام کر لیا ہے؟''

''نہیں اتنی جلدی وہ یہ سب کیسے کر سکتا ہے۔ کچھ وقت لگے گا اور تب تک میں زینی کے یہاں بیٹھنے کے حق میں نہیں ہوں۔'' امی نے کہا تو زینی اندر ہی اندر تلملا کر بولی تھی۔

''امی نے تو میری شادی بھی مجھ سے جان چھڑانے کے لیے کی تھی اس کے بعد چاہتی ہیں میں یہاں سے سارے تعلق توڑ لوں ٹھیک ہے میں چلی جاؤں گی یہاں سے کہیں اور اپنا انتظام کر لوں گی لیکن فواد کے گھر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

اس کے ساتھ ہی وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ گئی تو اس سے پہلے کہ ابو اسے روکتے امی نے انہیں بولنے سے روک دیا اور زینی کے جاتے ہی کہنے لگیں۔

''اس کے ساتھ ہمدردی کر کے آپ اچھا نہیں کر رہے احسان صاحب! اگر آپ کو اس

سے محبت ہے تو اسے اس کے گھر میں آباد کریں۔ وہ نادان ہے ہم تو نادان نہیں' ہمارے آگے ایک اور بیٹی بھی بیٹھی ہے۔ اسے گھر بٹھا لیا تو اس کا کیا ہوگا' اس سے کہیں جائے اپنے گھر۔''

''زبردستی کیسے بھیج دوں۔ تم نے سنا نہیں کیا کہہ گئی ہے وہ کہ کہیں اور اپنا انتظام کر لے گی۔'' ابو پتہ نہیں سمجھ نہیں رہے تھے یا سمجھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

''کچھ نہیں کر سکتی وہ' بس آپ اپنا رویہ تھوڑا سا سخت کر لیں' سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اس کے سسرال والوں کا رویہ کم سخت ہے جو اب میں بھی' نہیں میں یہ نہیں کر سکتا۔ اور پھر وہ کوئی ناجائز مطالبہ نہیں کر رہی' اس کا حق ہے۔''

''حق منوانے کے لیے پہلے فرائض نبھانے پڑتے ہیں۔ آپ کی بیٹی نے اب تک کیا کیا سوائے ساس' نندوں کی برائیوں کے' انہوں نے تو کبھی آ کر اس کی شکایت نہیں کی نہ فواد نے کچھ کہا۔ یہ اس کے منہ پر اس کی ماں' بہنوں کو برا کہتی ہے تب بھی وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمیشہ تو وہ خاموش نہیں رہ سکتا۔ کسی دن طیش میں آ گیا تو......'' امی قصداً خاموش ہو گئیں۔

''میں کیا کروں بتاؤ۔'' ابو نے خود کو بے بس ظاہر کیا۔

''کرنا کیا ہے۔ زینی کو سمجھائیں۔ زیادہ غصہ اچھا نہیں ہوتا اور ایسی صورت میں کہ وہ ماں بھی بننے والی ہے اسے حالات سے سمجھوتا کرنا چاہیے۔ فواد کی بہنیں ہمیشہ تو اس گھر میں نہیں بیٹھی رہیں گی۔'' امی نے دھیرج سے کہا تو ابو جیسے موضوع ختم کرنے کی غرض سے بولے تھے۔

''ٹھیک ہے' میں سمجھاؤں گا اسے۔''

اور ابو کا سمجھانا بھی پتہ نہیں کیسا تھا کہ تیسرے دن جب فواد آیا تو اسے دیکھتے ہی زینی پہلے کمرے میں بند ہو گئی پھر ابو کے منت کرنے پر نکلی تھی تو فواد کے ساتھ جانے کو کیا اس کی کوئی بات سننے کو بھی تیار نہیں تھی۔ بس ایک ہی بات کی رٹ لگائے جا رہی تھی۔ کہ اس گھر میں نہیں جاؤں گی' الگ گھر لے کر دو' جب امی نے ڈانٹ کر خاموش کرایا تو بلک بلک کر رونے لگی اور اس کا

رونا ہی تو ابو سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ فوراً فواد کو جانے کا کہہ دیا جس پر وہ انتہائی ضبط سے بولا تھا۔

''جانے سے پہلے میں آخری بار زینی سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ زینی! تم ابھی میرے ساتھ چلو گی کہ نہیں۔''

''نہیں ہرگز نہیں جب تک تم......'' زینی کے تنفر کے آگے اس نے بند باندھ دیا۔

''بس مجھے اور کچھ نہیں سننا۔'' اس کے ساتھ ہی وہ تیز قدموں سے باہر نکلتا چلا گیا۔ تو امی نے بہت دکھ اور تاسف سے باپ بیٹی کو دیکھا پھر وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''امی! ابو! امی کو دیکھیں!'' وہ بھاگ کر امی کے پاس آئی اور ان کے قریب گھٹنے ٹیکتے ہوئے تشویش سے ابو کو پکارا تو انہوں نے زینی کو اندر جانے کا اشارہ کیا پھر آگے آ کر کہنے لگے۔

''تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔ دیکھنا اب فواد کتنی جلدی الگ گھر کا انتظام کرے گا۔''

''ہونہہ۔'' امی نے ہاتھ نیچے گرا کر سر جھٹکا پھر مزید کچھ کہنے سے پہلے اس سے بولیں۔ ''تم اپنے کمرے میں جاؤ رومی! بڑوں کی باتوں میں تم مت آیا کرو۔''

''ہاں بیٹا! تم جاؤ زینی کے پاس۔ اور اسے گلوکوز وغیرہ بھی پلا دینا۔'' ابو کو ابھی بھی زینی کی فکر تھی۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر پہلے کچن میں گئی اور ایک گلاس ٹھنڈے پانی میں گلوکوز ملا کر کمرے میں لے کر آئی۔ تو زینی تکیے میں منہ چھپائے پڑی تھی۔

''تم سو رہی ہو' چلو سو جاؤ۔ یہ میں پی لیتی ہوں۔'' وہ بڑے آرام سے بیٹھ کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

پھر رات میں ابو زبردستی زینی کو کمرے سے نکال کر کھانے کی ٹیبل پر لے آئے اور اپنے پاس بٹھا کر بہت اصرار سے کھانا کھلانے لگے کیونکہ وہ یوں پوز کر رہی تھی جیسے اس کے ساتھ بڑی زیادتی ہو رہی ہو۔ امی نے بس ایک نظر باپ بیٹی کو دیکھا تھا پھر یکسر نظر انداز کر دیا تو کچھ دیر بعد ابو انہیں مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"زینی! بہت کمزور ہوگئی ہے اس کی خوراک اور دوا کا خیال رکھا کرو جب تک یہ یہاں ہے۔ اسے خوش رہنا چاہیے اس کی صحت اچھی ہوگی تب ہی اکیلے گھر کا انتظام سنبھال سکے گی۔ میرا خیال ہے فواد ہفتہ دس دن میں گھر کا انتظام کرے گا۔"

امی ان کی خوش فہمی پر حیران ہوگئیں۔ لیکن بولیں کچھ نہیں تو اس سے پہلے کہ ابو ان کی محسوس کی جانے والی خاموشی پر ٹوکتے وہ بول پڑی۔

"اکیلے گھر میں تم سارا دن کیا کرو گی آپی؟"

"اکیلے گھر میں سارے کام بھی تو مجھ اکیلی ہی کو کرنے ہوں گے، یوں دن گزرتے پتہ ہی نہیں چلے گا۔" زینی کو اب کام کرنے پر اعتراض نہیں تھا جب کہ ساس نندوں کے ساتھ ایک کام بھی بھاری لگتا تھا جسے یوں آ کر بیان کرتی تھی جیسے اس سے ہل چلوایا گیا ہو۔

"ویسے دو آدمیوں کا کام زیادہ تو نہیں ہوتا پھر بھی فواد بھائی سے کہنا تمہیں نوکرانی رکھ کر دیں۔" اس نے کہا تو امی تیز لہجے میں ٹوکتی ہوئی بولیں۔

"روبی! کھانا کھاؤ آرام سے۔"

"جی!" وہ فوراً اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

پھر کھانے کے بعد کمرے میں آتے ہی زینی امی کے رویے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا امی یہ کیوں چاہتی ہیں کہ میں ساری زندگی ساس، نندوں کی زیادتیاں برداشت کرتی رہوں جہاں الگ گھر کی بات کرتی ہوں ان کا منہ بن جاتا ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں وہ فواد بھائی کے حالات دیکھ رہی ہیں اور ان ہی کے پیش نظر نہیں چاہتیں کہ تم ان پر پریشر ڈالو ہاں اگر وہ حیثیت والے ہوتے تب وہ ضرور تمہارا ساتھ دیتیں۔" اس نے امی کے رویے کی وضاحت کرتے ہوئے ایک طرح سے اس پر بھی جتایا تھا۔

"جی نہیں، وہ صرف مجھے بوجھ سمجھ رہی ہیں اور بس۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے۔ خیر چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ کیا تمہیں یقین ہے کہ فواد بھائی جلد گھر کا انتظام کرلیں گے؟" اس نے امی کی طرف سے اس کا دھیان ہٹانے کی خاطر پوچھا۔

"بالکل اب تو فواد کو یہی کرنا ہے۔" زینی کے پریقین لہجے پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر سوچتے ہوئے انداز میں بولی۔

"لیکن آپی! آج تو وہ بہت غصے میں گئے ہیں۔"

"ارے اس کا غصہ بس تھوڑی دیر کا ہوتا ہے۔ یہاں سے نکلتے ہی اس نے سوچنا شروع کردیا ہوگا کہ اب میرے لیے وہ خوشخبری لے کر ہی آئے گا۔"

زینی اس خیال سے ہی خوش ہورہی تھی اس نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اور اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی لیکن اس کا دل بالکل بھی پڑھنے میں نہیں لگا۔ تھوڑی کوشش کے بعد آخر اس نے اکتا کر لائٹ آف کردی اور زینی کے برابر لیٹتے ہوئے سوچا کہ کچھ دنوں میں زینی چلی جائے گی تب پھر وہ اکیلی ہوجائے گی لیکن نہ وہ اکیلی ہوئی نہ زینی کو اکیلا گھر ملا، کہ اگلے ہی دن فواد نے طلاق بھجوا کر یہ قصہ ہی ختم کردیا۔ زینی کو غالباً اس انتہائی اقدام کی امید نہیں تھی جب ہی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اور امی اس کو کے آنسوؤں سے زیادہ اس کی بربادی رلا رہی تھی۔ کہ کچھ بھی سہی، تھی تو ان کی بیٹی، چاہنے کے باوجود ملامت کا ایک لفظ ان کی زبان پر نہیں آیا تھا۔

پھر گھر کے ماحول میں عجیب سی سوگواری کے ساتھ کشیدگی بھی محسوس ہونے لگی تھی۔

زینی امی کا سامنا کرنے سے کترانے لگی تھی حالانکہ انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا تھا نہ کوئی الزام دیا لیکن شاید اس کے اندر اب یہ احساس جاگا تھا کہ ان کی بات نہ ماننے کا نتیجہ ہے۔ وہ اگر ضد چھوڑ دیتی تو فواد یہ انتہائی قدم کبھی نہ اٹھاتا۔ اس روز اس نے ابو کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگے۔

"تمہاری غلطی نہیں ہے بیٹا! تم نے کوئی اتنا بڑا مطالبہ نہیں کیا تھا جسے پورا کرنے کے لیے فواد کو سات سمندر پار جانا پڑتا۔ وہ اگر چاہتا تو دو کمرے کا فلیٹ افورڈ کرسکتا تھا لیکن اس نے

انتہائی کمینگی کا ثبوت دیا' بہر حال تم فکر نہیں کرو۔ تمہارے لیے زندگی ختم نہیں ہو گئی۔ میں اپنے ٹرانسفر کے لیے کوشش کر رہا ہوں پھر انشاء اللہ...... کراچی جا کر تم پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا۔''

ابو نے منٹوں میں نہ صرف اس کے اندر کی پشیمانی کو ختم کر دیا بلکہ اسے نئی سوچ بھی دے دی تھی۔ اور ایسا انہوں نے ایک تو اس کی محبت میں کیا تھا' دوسرے مجبوری بھی تھی ورنہ اس کی طرح انہیں بھی اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑتی۔

☆☆☆

''آخر میں نے سیٹنگ کر ہی لی۔'' اس نے کمرے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد مطمئن ہو کر کہا تو محض اس کے تاثرات جاننے کے لیے زینی قصداً نظریں چرا کر بولی۔

''یوں کہو آخر میرے لیے گنجائش نکال ہی لی' کتنی پریشانی ہوئی تمہیں بلکہ اب تو میں تمہارے لیے مستقل پریشانی بنی رہوں گی۔''

''آپی پلیز' ایسی باتیں نہیں کرو' اس گھر پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا میرا۔'' اس نے آگے آ کر زینی کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا تو وہ افسردگی سے مسکرائی۔

''نہیں رومی! میرا حق اسی روز ختم ہو گیا تھا جب......''

''بس آگے کچھ نہیں کہنا۔'' وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگی۔

''اور اب یہاں سے تم نئی زندگی شروع کرو گی۔ یاد نہیں ابو نے کیا کہا تھا کہ پہلے تمہیں اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔''

''ہاں یہ کرنے دے گا ناں۔'' زینی نے بے اختیار اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ بھی بے ساختہ ہنسی پھر بہت اشتیاق سے بولی۔

''مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں آپی! کتنی رونق ہو جائے گی گھر میں' میں اسے اپنے پاس سلایا کروں گی۔''

''صرف سلانے کے لیے نہیں دوں گی' اس کے سارے کام بھی کرنے پڑیں

گے۔'' زینی کی شرط اس نے بڑی خوشی سے مان لی تھی۔

پھر کتنے دن گزر گئے' وہ تھرڈ ائیر میں ایڈمیشن لے کر کالج آنے جانے لگی۔ جب کہ زینی ڈلیوری تک پابند تھی۔ آدھا دن امی کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتی پھر جب وہ کالج سے آ جاتی تو امی خود ہی زینی کو روک دیتی تھیں' یوں بھی ان دنوں اس سے زیادہ چلا پھرا نہیں جاتا تھا۔ کچھ کمزور بھی ہو گئی تھی حالانکہ اب امی اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ لیکن وہ شاید ڈلیوری سے خوفزدہ تھی جس میں ڈاکٹر نے دو ہفتے بتائے تھے جو گزرتے پتہ بھی نہیں چلا' اور زینی بیٹے کی ماں بن گئی۔

ایک طویل عرصے بعد گھر میں بچے کی آمد ہوئی تھی۔ امی' ابو کو جیسے کھلونا مل گیا تھا اور وہ کالج سے آنے کے بعد سارا وقت اسی کے ساتھ لگی رہتی جس سے زینی لاپروا ہوتی گئی۔ یوں بھی وہ کچھ آزاد خیال تھی بچہ دو مہینے کا ہوا تو اس نے بجائے یونیورسٹی جوائن کرنے کے جاب کے لیے ویکنسیز دیکھنی شروع کر دیں۔ جب امی کو معلوم ہوا تو انہوں نے پہلے اعتراض کیا لیکن پھر اس کی مرضی پر چھوڑ دیا کیونکہ جان گئی تھیں کہ ان باپ بیٹی کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ وہی کرتے ہیں جو سوچ لیتے ہیں۔ البتہ رومیلہ ابھی ان کے کہنے میں تھی اور مزید وہ اس پر اپنی گرفت مضبوط کرنے لگیں کہ کہیں وہ بھی ان باپ بیٹی کی طرح نہ سوچنے لگے۔ اس کے لیے وہ اسے بات بے بات ٹوکنے لگی تھیں۔

''یہاں کیوں کھڑی ہو' کالج سے آنے میں دیر کیوں ہوئی' صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے' جلدی سویا کرو وغیرہ وغیرہ۔''

اور رومیلہ کوئی بچی نہیں تھی جو اس اچانک روک ٹوک کو محسوس نہ کرتی۔ چند دنوں ہی میں پریشان ہو گئی۔ لیکن اسے کیونکہ زینی کی طرح امی سے الجھنے اور بحث وغیرہ کرنے کی عادت نہیں تھی اس لیے الجھتی رہی کہ امی اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہیں جب کہ زینی کو تو کچھ نہیں کہتیں جو اب ہر انٹرویو کال پر صبح سے نکلتی تو دوپہر کے بعد ہی لوٹتی تھی۔ آج بھی وہ کیونکہ شدید

بھوک لگی تھی اس لیے اس کا انتظار کرنے کے بجائے کھانا کھالیا۔ پھر اس کے بچے طلحہ سے اسی کی زبان میں باتیں کرنے لگی' پانچ مہینے میں طلحہ ماشاءاللہ کافی صحت منداور پیارا ہو گیا تھا۔ وہ بار بار اس کا گال چوم لیتی پھر اسے گدگدا کر ہنساتی پھر شاید طلحہ تھک گیا یا بھوک سے رونے لگا تو وہ جلدی سے اس کی فیڈر بنا لائی جسے پیتے پیتے ہی بچہ سو گیا تھا۔ اس نے آہستگی سے اس کے منہ سے فیڈر نکال کر ایک طرف رکھا پھر اٹھ کر پردے برابر کر رہی تھی کہ زینی آ گئی کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اونچی آواز میں کچھ کہنا چاہا تھا لیکن اس نے فوراً ہونٹوں پر انگلی رکھ کر طلحہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ ابھی سویا ہے۔ جس سے زینی ایک دم خاموش ہو گئی اور احتیاط سے بیڈ پر بیٹھ کر پہلے سینڈلز اتاریں پھر دھیمی آواز میں اسے پکار کر بولی۔

''سنو' مجھے ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں بہت اچھی جاب مل گئی ہے۔''

''سچ مبارک ہو' تنخواہ کتنی ملے گی؟'' اس نے خوش ہو کر مبارکباد دینے کے ساتھ پوچھا۔

''اسٹارٹ پانچ ہزار۔'' زینی نے بتایا تو وہ اور خوش ہو کر بولی۔

''ہائے آپی! تم تو بہت جلد بہت امیر ہو جاؤ گی۔''

''میں نے پانچ ہزار کہا ہے پانچ لاکھ نہیں اور آج کل پانچ لاکھ کی بھی کوئی ویلیو نہیں ہے۔'' زینی کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی پھر واش روم کی طرف جاتے جاتے رک کر بولی۔

''تم نے تو کھانا کھا لیا ہوگا۔ پلیز میرے لیے گرم کر دو۔ میں جب تک منہ ہاتھ دھو لوں۔''

''پہلے وعدہ کرو' پہلی تنخواہ پر مجھے دو سوٹ دلا دو گی۔'' اس نے موقع جانے نہیں دیا اور زینی کے اثبات میں سر ہلانے پر ہی اٹھی تھی۔

پھر رات میں کھانے کے بعد وہ جب ابو کے لیے چائے لے کر آئی تو زینی انہیں اپنی جاب کی ساری تفصیلات بتا رہی تھی جو ابو تو پوری توجہ اور دلچسپی سے سن رہے تھے جب کہ امی بظاہر لا

تعلق سی ہو کر طلحہ میں مصروف نظر آ رہی تھیں لیکن اس نے بیٹھتے ہی محسوس کر لیا کہ لاتعلقی ظاہر کرنے کے باوجود ان کا دھیان زینی ہی کی طرف ہے جواب کہہ رہی تھی۔

''مجھے بوجھ نہیں بننا ابو! میں بہت محنت کروں گی طلحہ کے لیے' اسے زندگی میں کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دوں گی۔''

''یہ اچھی بات ہے بیٹا! لیکن تم بوجھ نہیں ہو۔ میں نے تمہیں جاب کی اجازت صرف تمہاری خوشی کی خاطر دی ہے ورنہ تمہارے اور طلحہ کے لیے میرے پاس کمی نہیں۔'' ابو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں جانتی ہوں پھر بھی مجھے احساس ہوتا ہے کہ......''

''نہیں نہیں۔ تمہیں بالکل کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ابو نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ٹوک دیا تھا۔

☆☆☆

زینی اپنی جاب سے مطمئن اور خوش تھی اور پتہ نہیں اب اپنے بارے میں کچھ سوچتی تھی کہ نہیں جب کہ امی نئے سرے سے اس کے بارے میں سوچنے کے ساتھ فکر مند بھی رہنے لگی تھیں گو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن اس کے ماتھے پر جو طلاق کا لیبل لگ چکا تھا' اس سے اس کے لیے اچھا رشتہ ملنا اگرچہ ناممکن نہیں تھا مشکل ضرور تھا۔ پھر کراچی میں امی کی کسی سے زیادہ کیا معمولی سی جان پہچان بھی نہیں تھی۔ جو اس کے رشتے کے لیے کسی سے کہہ سن سکتیں۔ اور پھر ایک وہی نہیں تھی' آگے رومیلہ بھی گریجویشن کرنے والی تھی۔ انہوں نے کئی بار ابو کو احساس دلانے کی کوشش کی اور وہ بس سن لیتے تھے۔ نہ کوئی مشورہ نہ کوئی تسلی کے بول' یہی کہہ دیتے کہ جب اللہ کو منظور ہو گا' حالانکہ بیٹیوں کے دوسرے معاملات میں ان کی دلچسپی ہنوز تھی۔ اور اسی معاملے میں ان کی بے حسی امی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اور وہ کڑھنے لگی تھیں۔ اس وقت انہوں نے زینی کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے بعد اپنے آپ بڑبڑانے لگی تھیں کہ وہ طلحہ کو ہاتھوں پر اچھالتی ہوئی

آ گئی جس سے ان کا دھیان زینی کی طرف سے ہٹ گیا۔

''تم آج کالج نہیں جا رہیں؟'' انہوں نے اسے گھر کے کپڑوں میں دیکھ کر پوچھا تو وہ طلحہ کو ان کی گود میں ڈالتے ہوئے بولی۔

''نہیں آج کوئی خاص پیریڈ نہیں ہے۔ آپ بتائیے کوئی خاص کام ہو تو آج کی تاریخ میں نبٹا دوں کیونکہ چھٹی کے دن مجھے اپنے بہت کام ہوتے ہیں۔''

''نہیں۔ کوئی ایسا کام نہیں ہے۔ ذرا دیر بیٹھو میرے پاس۔''

''ذرا دیر کیوں سارا دن آپ کے ساتھ ہوں' البتہ شام میں آپی کے ساتھ بازار جاؤں گی۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا تو امی ناگواری سے بولیں۔

''تمہاری آپی کو تو ہوس ہو گئی ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے تو اتنی شاپنگ کی ہے اس نے۔''

''وہ تو اپنی کی تھی۔ اب طلحہ اور میری باری ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں تمہیں زینی سے کچھ لینے کی' جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہو یا اپنے ابو سے اور اس سے کہو پیسے جمع کرے۔ کل کو اس کے کام آئیں گے۔'' امی نے اسے تنبیہہ کرنے کے ساتھ کہا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

''میں خود سے تو کچھ نہیں کہتی آپی سے' وہ اپنی خوشی سے دلا دیتی ہیں۔ ٹھیک ہے میں منع کر دوں گی۔ لیکن ان کے ساتھ جا تو سکتی ہوں ناں انہیں طلحہ کے لیے گرم کپڑے لینے ہیں۔ کہہ رہی تھیں اچانک سردی شروع ہو گئی تو پھر پریشانی ہو جائے گی۔''

''میں جانے کو منع نہیں کر رہی۔'' اس کے منہ بسورنے پر امی نرم پڑ گئیں' پھر قدرے توقف سے جس مقصد سے اسے پاس بٹھایا تھا اسی طرف آتی ہوئی کچھ رازداری سے پوچھنے لگیں۔

''سنو' زینی نے تم سے اپنے آئندہ کے بارے میں کچھ کہا ہے؟''

''آئندہ کے بارے میں کیا؟'' وہ سمجھی نہیں۔

''یہی کہ وہ کب تک نوکری کرے گی۔ گھر بسانے کا ارادہ ہے کہ نہیں۔''

''یعنی شادی آپ کا مطلب ہے آپی کی دوبارہ شادی!'' اس کے اچھلنے پر امی پیشانی پر بل ڈال کر بولیں۔

''تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟''

''میں حیران نہیں خوش ہو رہی ہوں امی! یہ بتائیں کوئی رشتہ آیا ان کے لیے؟'' اس نے فوراً حیرت چھپا کر اشتیاق سے پوچھا تو امی مایوسی سے کہنے لگیں۔

''رشتے ہی کی فکر ہے مجھے' سمجھ نہیں آتا کس سے کہوں تمہارے ابو تو کچھ سنتے ہی نہیں ہیں۔''

''سن بھی لیں گے تو کیا کریں گے؟''

''یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ خیر پہلے زینی سے پوچھنا۔ اس کا کیا ارادہ ہے۔ پھر میں آس پڑوس سے میل ملاپ بڑھا کر کوشش کروں گی۔'' امی سوچتے ہوئے انداز میں بولنے لگی تھیں۔

''ابھی اس کی شادی ہو جائے تو اچھا ہے کیونکہ طلحہ ابھی چھوٹا ہے' ناسمجھ ہے۔''

''تو کیا آپی طلحہ کو اپنے ساتھ لے جائیں گی؟'' اس نے پوچھتے ہوئے طلحہ کو یوں گود میں لیا جیسے وہ ابھی جا رہا ہو۔

''نہیں یہ ہمارے پاس ہی رہے تو اچھا ہے۔ تم زینی کو یہی سمجھانا' بچے کو مسئلہ نہ بنائے اور نہ اس کی وجہ سے خود کو پابند کرے۔'' امی نے کہا تو وہ طلحہ کو بازوؤں میں چھپاتی ہوئی بولی۔

''میں تو صرف آپی سے بات کر سکتی ہوں۔ باقی سمجھانا وجھانا آپ کا کام ہے بلکہ ابو سے کہیے گا' ان کی بات مانتی ہیں وہ۔''

''ہوں۔'' امی نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر گہری سانس کھینچتی ہوئی بولیں۔ ''اچھا لاؤ' بچے کو مجھے دو اور جا کر کچن دیکھو' ناشتے کے برتن بھی ویسے ہی رکھے ہوئے ہیں۔''

''وہ تو منٹوں میں ڈھل جائیں گے۔اس کے بعد بتایئے کیا پکانا ہے۔'' اس نے طلحٰہ کو ان کی گود میں ڈال کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''فریزر میں دیکھو گوشت ہوگا' اس میں لوکی ڈال لینا' دونوں وقت ہو جائے گا۔''

''یہ ٹھیک ہے رات میں پھر پکانے کا جھنجھٹ نہیں ہوگا۔''

وہ کہتی ہوئی کچن میں آ گئی اور برتن دھونے کے بعد کھانا پکاتے ہوئے اس کا ذہن زینی کے بارے میں سوچنے لگا یعنی اس کی دوسری شادی اور یہ کہ وہ اس پر آمادہ ہوگی کہ نہیں۔اس کا خیال تھا پہلی شادی کی ناکامی سے وہ اگر خوفزدہ نہیں تو دل گرفتہ ضرور ہوگی اور شاید اسی لیے منع کرے یا پھر طلحٰہ کی وجہ سے' بہرحال یہ تو اس سے بات کرنے پر ہی معلوم ہو سکتا تھا۔لیکن وہ اپنے طور پر بہت کچھ قیاس کرتی رہی تھی۔

پھر دوپہر میں کھانے کے بعد وہ معمول کے مطابق طلحٰہ کو ساتھ لے کر سو گئی۔چار بجے زینی نے آ کر اسے اٹھاتے ہوئے بازار جانے کا یاد دلایا تو وہ آنکھیں ملتی ہوئی بولی۔

''مجھے یاد ہے' تم کچھ دیر آرام کر لو۔اتنے میں میں نہا کر تیار ہو جاتی ہوں۔''

''ہاں جلدی کرو' میں بھی شاور لوں گی۔'' زینی اپنے بیڈ پر نیم دراز ہو گئی تو اس نے ایک نظر طلحٰہ کو دیکھا پھر اٹھ کر واش روم کا رخ کیا۔کپڑے اس نے دوپہر کو ہی لٹکا دیئے تھے۔کچھ دیر بعد جب وہ نہا کر نکلی تو طلحٰہ اوندھا ہو کر اپنی فیڈر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور زینی پتہ نہیں کہاں چلی گئی تھی۔اس نے فوراً بڑھ کر فیڈر طلحٰہ کو تھمائی لیکن وہ اسے دیکھ کر مچل گیا۔

''چلو تمہیں بھی آج باہر کی سیر کرا دیں۔'' اس نے طلحٰہ کو گود میں لے کر پہلے بہلایا۔پھر اس کا منہ دھلا کر کپڑے تبدیل کرنے لگی تب ہی زینی تولیے سے بال رگڑتی ہوئی آئی اور اسے طلحٰہ کے ساتھ مصروف دیکھ کر کچھ جھنجھلا کر بولی۔

''اب اس کے ساتھ کیا لگی ہوئی ہو۔''

''اسے بھی ساتھ لے چلیں گے آپی! بہت خوش ہوگا۔''

''پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔اسے کہاں اٹھائے پھریں گے' چھوڑ دو اسے امی کے پاس' مجھے بچہ اٹھا کر چلنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''تم مت اٹھانا۔میں اٹھاؤں گی بس یہ بھی چلے گا۔'' وہ جلدی جلدی طلحٰہ کو کپڑے پہناتی ہوئی بولی۔تو زینی سر جھٹک کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

پھر انہیں نکلتے نکلتے پانچ بج گئے تھے۔زینی نے کہا تو یہ تھا کہ اسے طلحٰہ کے لیے گرم سوٹ لینے ہیں لیکن جہاں لیڈیز سوٹ کے نئے ڈیزائن دیکھتی وہیں رک جاتی اور پہلے اس نے اپنے لیے ہی تین سوٹ لیے جس پر اسے امی کی بات یاد آئی کہ زینی کو ہوس ہو گئی ہے اور واقعی یہی لگ رہا تھا۔اس نے ٹوکا یوں نہیں کہ کہیں اس کا موڈ خراب ہو جائے اور قصداً اس کی طرف سے دھیان ہٹا کر طلحٰہ کو دیکھنے لگی۔جس کا معصوم چہرہ کبھی حیران اور کبھی خوشی سے دمکنے لگتا۔پھر ایک جگہ کھلونے دیکھ کر وہ زور زور سے ہاتھ چلانے لگا تو وہ زینی کا کندھا ہلا کر بولی۔

''آپی! طلحٰہ کو وہ بھالو لے دو۔دیکھو کتنا خوش ہو رہا ہے اسے دیکھ کر۔''

''نہیں' میرے پاس ایسی فضول خرچیوں کے لیے پیسے نہیں ہیں۔'' زینی صاف منع کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو وہ دانت پیس کر بولی۔

''اب تک جو تم کر رہی ہو' وہ فضول خرچی نہیں ہے۔بچے کو ایک کھلونا نہیں دلا سکتیں۔''

''ابھی اسے سمجھ کہاں ہے۔''

''سمجھ آ جائے گی تب یہ کھلونوں سے نہیں کھیلے گا۔'' وہ ناراضگی سے کہہ کر اسی دوکان میں چلی گئی اور طلحٰہ کے لیے بھالو کے ساتھ ایک دو اور کھلونے خرید کر دوکان سے نکلی تو زینی جانے کس کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔وہ پہلے ٹھٹکی۔پھر قریب جا کر بولی۔

''چلو آپی۔''

''ہیں۔'' زینی نے چونک کر اسے دیکھا۔''خرید لیے کھلونے؟''

''ہاں!''

"اچھا ان سے ملو یہ عفان صاحب ہیں میرے باس۔" زینی باس کہہ کر جانے کیوں
ہنسی پھر اسے دیکھ کر بولی۔"اور عفان! یہ میری سسٹر ہے۔"

"ہیلو!" وہ پہلے ہی اسے دیکھ رہا تھا' اس نے دیکھا تو مسکرا کر بولا۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"شکریہ۔" وہ اسی قدر کہہ کر طلحہ کو سنبھالنے لگی جو اچانک مچلنے لگا تھا۔

"آپ کا بچہ ماشاءاللہ بہت کیوٹ ہے۔" اس نے طلحہ کا گال چھو کر کہا تو وہ چونک کر
بولی۔

"جی۔"

"ہاں' شرارتی بھی بہت ہے۔" زینی فوراً بولی تھی۔

"اچھی بات ہے۔ شرارتی بچے ذہین بھی بہت ہوتے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر ہی بول رہا
تھا۔

"ویسے یہ کہیں سے بھی آپ کا بچہ نہیں لگ رہا۔"

"میرا.....؟" وہ کہنے جا رہی تھی کہ میرا ہوتو لگے لیکن زینی پھر فوراً بول کر اسے اپنی
طرف متوجہ کر گئی۔

"ہاں عفان! میں نے نئے کانٹریکٹ کے تمام پیپرز بلال صاحب کو دے دیئے
تھے۔ آپ تک پہنچ گئے؟"

"ہوں' لیکن میں نے ابھی دیکھے نہیں ہیں' صبح چیک کروں گا۔"

وہ اس گفتگو سے اکتا کر آہستہ قدموں سے آگے چل پڑی اور کچھ دور جا کر زینی کو
اشارے سے بلایا' تب وہ آئی ورنہ اطمینان سے کھڑی تھی۔

"تم اس طرح کیوں چلی آئیں' عفان نے مائنڈ کیا ہوگا۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی
زینی نے اسے ٹوکا تو وہ قدرے بے نیازی سے بولی۔

"میں کیا کروں' طلحہ کو نہیں دیکھ رہیں۔ کیسے مچل رہا ہے۔"

"تمہیں ہی شوق تھا اسے ساتھ لانے کا۔ خوش ہوگا' ہوگیا خوش؟"

زینی جانے کیوں الجھنے لگی تھی۔ وہ یوں خاموش ہوگئی کہ پھر گھر آنے تک کچھ نہیں بولی
تھی صرف اس لیے کہ راستے میں زینی کا ٹوکنا اور الجھنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا حالانکہ پہلے تو وہ
ایسی نہیں تھی اب تو لگتا تھا جیسے اسے کسی کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ بہرحال گھر آتے ہی اس کی خاموشی
ٹوٹ گئی اور راستے بھر جو سوچتی آ رہی تھی وہی بات کہہ دی۔

"عجیب آدمی تھے تمہارے باس۔ بار بار طلحہ کو میرا بچہ کہے جا رہے تھے۔"

"ہاں۔" زینی کا انداز بات کو اڑانے والا تھا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

"ویسے مجھ سے زیادہ تم ہی اس کی اماں لگتی ہو' ہر وقت چمٹائے جو رکھتی ہو اور یہ بھی
تمہیں زیادہ پہچانتا ہے' مجھے تو لفٹ ہی نہیں کراتا۔"

"سارا دن تو تم آفس میں ہوتی ہو اور آنے کے بعد بھی اسے نہیں پوچھتیں پھر یہ تمہیں
کیوں لفٹ کرائے گا۔ اسے وقت دو گی تب ناں۔" وہ طلحہ کو بیڈ پر لٹا کر اس کی پیکنگ کھولتی ہوئی
بولی۔

"کیا کروں آفس میں اتنی مغز ماری کے بعد ہمت ہی نہیں رہتی جو آنے کے بعد اس
کے ساتھ لگ سکوں اور پھر میں اسی کے لیے تو کر رہی ہوں۔"

زینی پل میں مظلومیت کی تصویر بن گئی۔ انداز میں تھکن' لہجے میں آزردگی جسے محسوس
کر کے وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگئی پھر طلحہ سے فارغ ہو کر کہنے لگی۔

"اس کے لیے تو کر رہی ہو آپی اور اپنے لیے میرا مطلب ہے اپنے لیے تم نے کیا سوچا
ہے۔ شادی وادی کا پروگرام ہے کہ نہیں؟"

"شادی۔" زینی کی ذرا سی ہنسی میں دکھ تھا۔

"اب میری کیا شادی ہوگی۔ طلاق یافتہ بچے کی ماں سے کوئی رنڈوا جس کے پہلے

سے چار بچے ہوں گے وہی شادی پر تیار ہوگا جو مجھے منظور نہیں۔"

"ارے آپی! اب ایسا بھی اندھیر نہیں مچا۔ تم اتنی پیاری اتنی سمارٹ ہو۔ تمہیں اچھا رشتہ مل سکتا ہے۔ پتہ ہے امی کو آج کل یہی فکر ہے کہ جلد سے جلد تمہاری شادی ہو جائے۔"

"اچھا!" زینی نے چونک کر پوچھا۔ "کچھ کہا امی نے تم سے؟"

"ہاں بس یہی کہہ رہی تھیں کہ طلحہ کے سمجھدار ہونے سے پہلے تمہاری شادی ہو جائے تو اچھا ہے اور یہ کہ طلحہ کو وہ اپنے پاس رکھیں گی اسی لیے تو تمہیں ٹوکتی نہیں ہیں کہ تم بچے سے دور رہتی ہو۔" زینی اس کی بات سن کر جانے کس سوچ میں ڈوب گئی تھی کہ اس کے پکارنے پر بھی متوجہ نہیں ہوئی تب وہ طلحہ کو اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ امتحانوں میں مصروف ہوئی تو کچھ دونوں کے لیے اسے کسی اور بات کا ہوش ہی نہیں رہا۔ امی نے بھی گھر کے کام کاج سے اسے چھوٹ دے دی اور طلحہ کو بھی اپنے پاس لے لیا تھا تاکہ وہ یکسوئی سے امتحان دے سکے۔ اور اس کے تو پیپرز اچھے ہو گئے' لیکن امی بیمار پڑ گئیں۔ گھر کا سارا کام اس پر بچے کو سنبھالنا اور ان کا بلڈ پریشر ویسے ہی کبھی بہت لو' کبھی بہت ہائی ہو جاتا تھا یوں وہ امتحانوں کی مصروفیت سے نکلی تو ایک دن آرام نہیں ملا۔ گھر داری کے ساتھ امی کی تیمارداری جب کہ زینی نے اپنی روٹین میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ چھٹی کا دن بھی اس کا آدھا گزشتہ ہفتے کی تھکن اتارنے اور باقی آدھا اگلے ہفتے کی تیاری میں گزر جاتا تھا۔ لیکن ادھر تین' چار دنوں سے پتہ نہیں کیسے وہ آفس سے جلدی آنے لگی تھی۔ کافی دیر امی کے پاس بیٹھتی پھر رات کا کھانا بھی پکاتی' البتہ طلحہ کو دیکھتے ہی کہہ دیتی کہ یہ تو میرے پاس آئے گا ہی نہیں یعنی اسے نہ لینے کا الزام بھی اسی کے سر' جس پر اس وقت وہ کہنے لگی۔

"کیوں آئے گا تمہارے پاس' تم اس کی ہو کون؟"

"ماں....." زینی نے گردن اکڑا کر کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

"ہونہہ ماں! صرف جنم دینے والی' کبھی جو ممتا نچھاور کی ہو اس پر۔"

"وہ تم جو کرتی ہو بہت ہے اگر میں بھی کرنے لگی تو بیچارہ بوکھلا جائے گا۔ ہاں جس دن تم اسے نظر انداز کرنے لگیں تب....."

"ارے واہ۔" زینی کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ بول پڑی۔

"میں کیوں نظر انداز کروں گی اسے' یہ تو میری جان ہے۔"

"بس جان پر اتنی نہ جان نچھاور کیا کرو کہ بعد میں نہیں پریشانی ہو۔ کیوں امی! یہ شادی ہو کر چلی جائے گی تو ہم کیسے بہلائیں گے بچے کو۔"

زینی نے اس سے بات کرتے ہوئے آخر میں امی کو مخاطب کر کے کہا تو وہ اس کا گال تھپک کر بولیں۔

"اس سے پہلے اللہ چاہے گا تو تمہاری ہو جائے گی۔"

"میری شادی میں بہت مسئلے ہوں گے امی! اس کے بعد بھی پتہ نہیں ہوتی ہے کہ نہیں۔ اس لیے آپ میری بات تو رہنے ہی دیں اور بس روی کی فکر کریں۔" زینی نے کہا تو امی سے پہلے وہ بول پڑی۔

"جی نہیں' میں پہلے ایم اے کروں گی' اور تم خوامخواہ امی کو پریشان نہیں کرو۔ تمہاری شادی میں کوئی مسئلے نہیں ہوں گے۔ میں نے اپنی ایک دوست سے تمہارا ذکر کیا تھا جس پر اس نے بتایا کہ اس کے ایک کزن ہیں جن کی بیوی پانچ سال پہلے بچے کی ولادت پر انتقال کر گئی تھیں۔ اس کے بعد اب وہ دوسری شادی پر آمادہ ہوئے ہیں۔ میں امی کو ساری تفصیل بتا چکی ہوں۔ اب کسی دن بھی وہ لوگ آئیں گے بس تم اپنا بوریا بستر باندھ رکھو۔"

"ایسے ہی باندھ رکھوں۔ ایک بار دھوکہ کھا لیا ہے اب تو پوری چھان بین کے بعد ہی بات چلے گی۔" زینی نے بمشکل اپنی ناگواری چھپا کر کہا پھر یوں رونے لگی جیسے پہلے ڈھائے جانے والے مظالم یاد آ گئے ہوں تو امی نے کچھ پریشان ہو کر پہلے اسے خاموش رہنے کا اشارہ ہی

کیا پھر زینی کو ساتھ لگا کر تسلی دیتی ہوئی بولیں۔

"بیٹا جو ہو گیا سو ہو گیا۔ بھول جاؤ سب۔"

"کیا بھول جاؤں کتنا بھروسہ تھا مجھے فواد پر لیکن اس نے میری نہیں مانی وہی کیا جو اس کی ماں بہنیں چاہتی تھیں، برباد کر دیا مجھے۔" زینی اس طرح روتے ہوئے بولی۔

"ایسے نہیں کہتے۔ کوئی بربادی نہیں ہوئی۔ اللہ چاہے گا تم پھر اپنے گھر کی ہو جاؤ گی۔ چلو اٹھو منہ دھوؤ تمہارے رونے سے دیکھو بچہ بھی پریشان ہو رہا ہے۔" زینی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی اٹھی اور امی کے کمرے سے نکل گئی تو اس نے اشارے سے امی سے اس کے پیچھے جانے کا پوچھا اور ان کے منع کرنے پر وہیں بیٹھ گئی تھیں۔

پھر رات میں اس نے دیکھا، زینی چھت پر نظریں جمائے جانے کن سوچوں میں گم تھی کہ اس کے چہرے پر ایک کے بعد ایک تاثر ابھر رہا تھا۔ وہ کتنی دیر طلحہ کو کندھے سے لگائے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلنے کے ساتھ زینی کو دیکھتی رہی، لیکن ٹوکا نہیں اور نہ ہی زینی خود سے اس کی طرف متوجہ ہوئی یہاں تک کہ طلحہ کو سلانے کے بعد وہ خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی اور نیند آنے تک انتظار کرتی رہی کہ زینی جو کچھ بھی سوچ رہی ہے کسی نتیجے پر پہنچ کر اسے پکارے گی لیکن ایسا نہیں ہوا یا شاید اسے نیند آ گئی تھی۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر اچانک اسے یاد آیا تو اس نے فوراً زینی کو دیکھا جس کی آنکھوں کی سرخی رات دیر تک جاگنے کی چغلی کھا رہی تھی۔ اور وہ کچھ سست بھی ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود ناشتہ کرتے ہی آفس چلی گئی، اور وہ سارا دن اپنے طور پر اس کے بارے میں جانے کیا کیا قیاس کرتی رہی تھی۔ کبھی سوچتی فواد کے ذکر نے اس کی رفاقت یاد دلائی ہو گی اور کبھی خیال آتا، وہ دوسری شادی کا سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ اب پتہ نہیں اصل بات کیا تھی۔ وہ بہرحال زینی کو سست اور پریشان نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ جب ہی اس کے آفس سے آتے ہی چائے کے ساتھ کباب تل کر لے آئی۔ ساتھ کچھ بسکٹ بھی تھے۔

"کوئی آیا تھا؟" زینی واش روم سے نکلی اور ٹرے پر نظر پڑتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔ کیوں؟" اس نے بے دھیانی میں کہہ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا لیکن زینی نظر انداز کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے قریب رک گئی اور بالوں میں برش کرنے کے بعد آ کر بیٹھتے ہی چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تو اس نے فوراً ٹوکا۔

"ارے آپی! یہ کباب میں نے خاص تمہارے لیے بنائے ہیں۔"

زینی نے سرسری انداز میں کہہ کر بیڈ کی بیک سے یوں ٹیک لگا لی جیسے اس کا بات کرنے کا بھی موڈ نہ ہو، جس پر وہ تشویش میں گھر کر پوچھنے لگی۔

"آپی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"ہوں۔" زینی پھر سوچوں میں گم ہو گئی تھی شاید اس کی بات بھی نہیں سنی اور یونہی ہوں کی آواز نکال دی، تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آپی! کیا پریشانی ہے، مجھے بتاؤ۔" زینی نے نظریں اس کے چہرے پر جما دیں لیکن بولی کچھ نہیں۔

"بتاؤ ناں آپی! مجھے الجھن ہو رہی ہے۔" اس نے واقعی الجھ کر زینی کا بازو ہلایا تب وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"کیا بتاؤں۔ میں خود الجھ رہی ہوں۔" پھر ایک دم سیدھی ہو کر رازدارانہ انداز میں کہنے لگی۔ "سنو وہ جو عفان ہیں ناں، میرے باس انہوں نے مجھے پرپوز کیا ہے۔"

"ارے تو اس میں الجھنے والی کیا بات ہے؟" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "اتنا ہینڈسم بندہ تمہیں پرپوز کر رہا ہے اور تم پریشان ہو رہی ہو۔"

"پریشانی کی بات یہ ہے کہ اسے نہیں معلوم کہ میں طلاق یافتہ ہوں اور میرا بچہ بھی ہے۔" زینی نے سبب بتایا تو وہ لاپرواہی سے بولی۔

''تو کیا ہوا اب بتا دو انہیں۔''

''تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے وہ سن کر بہت خوش ہوں گے یا مجھے مظلوم سمجھ کر کہیں گے'اپنے دکھ مجھے دے دو۔ میں تلافی کر دوں گا۔ جی نہیں! مردوں میں اتنا ظرف نہیں ہوتا جس محبت کا وہ اب دعویٰ کر رہے ہیں وہ بھی جھاگ کی طرح اڑ جائے گی۔'' زینی اس کی بات پر بری طرح سلگ گئی تھی جس سے وہ قدرے خائف ہو کر بولی۔

''پھر تم کیا چاہتی ہو؟''

''میں چاہتی ہوں'انہیں کبھی معلوم نہ ہو۔'' زینی فوراً کہہ کر دوبارہ بیک سے لگ گئی یوں جیسے اس کی اصل پریشانی یہی تھی جسے بیان کر کے وہ قدرے ہلکی ہو گئی ہو جب کہ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''یہ کیسے ممکن ہے آپی! اتنی بڑی حقیقت چھپ نہیں سکتی پھر وہ تو طلحہ کو دیکھ بھی چکے ہیں۔''

''دیکھا تھا لیکن سمجھا تو کچھ اور تھا۔'' زینی کی بھٹکتی ہوئی نظریں اچانک اس پر یوں ٹھہریں کہ وہ اندر ہی اندر دہل گئی۔

''کیا کہہ رہی ہو آپی تم! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''انجان مت بنو رومی! تم سمجھ گئی ہو لیکن میرا ساتھ نہیں دینا چاہتیں۔'' زینی ایک دم نڈھال سی ہو کر بولنے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے میں منع کر دوں گی عفان کو کہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتی اور تم امی کو منع کر دو۔ میری فکر چھوڑ دیں'میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آپی! کیا میں تمہارا ساتھ اسی طرح دے سکتی ہوں کہ طلحہ کو اپنا بچہ کہہ دوں۔ اس کے بعد کیا ہو گا'یہ تو سوچو۔'' وہ بہت عاجزی سے بولی تھی۔

''بعد کی فکر نہیں کرو۔ میں عفان کو اعتماد میں لے کر ساری حقیقت خود ہی بتا دوں

گی۔'' زینی کو اس کی عاجزی سے پھر حوصلہ ہوا جب ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''یہ تمہیں اب کرنا چاہیے۔ بعد میں خود تمہارے لیے زیادہ مشکل ہو گی۔''

''تم سمجھ نہیں رہی ہو رومی! خیر چھوڑو مجھے نہیں کرنی شادی۔'' زینی پہلے زچ ہوئی پھر ایک دم بات ختم کر دی'تو کچھ رک کر اس نے چائے کی ٹرے اٹھائی اور کمرے سے نکلتے ہی سوچا۔

''اف آپی کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہیں'امی نے سن لیا تو کتنا ڈانٹیں گی۔ انہیں طلحہ کو چھپانا ہی ہے تو اس کے باپ کے پاس بھیج دیں۔''

آخری خیال پر وہ خود ہی اچھل پڑی جیسے منہ جل ہو گیا ہو۔ ''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ تم طلحہ کو فوراً فواد بھائی کے پاس بھیج دو۔ اس کے بعد چاہے ساری زندگی عفان کو حقیقت نہ بتانا۔''

''تم.....'' زینی کی ذرا سی ہنسی میں طنز آمیز تلخی تھی۔

''واہ رومی خوب حل نکالا تم نے'میں تو سمجھتی تھی تمہیں واقعی طلحہ سے بہت پیار ہے۔ مجھ سے زیادہ تم اسے چاہتی ہو۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے آپی! میں واقعی تم سے زیادہ چاہتی ہوں اسے اور وہ بھی مجھ سے زیادہ مانوس ہے۔'' وہ زینی کے طنز پر چیخ گئی تھی۔

''پھر کیوں اس جہنم میں بھیجنے کی بات کی تم نے۔''

''تمہارے لیے ہو گا جہنم۔ طلحہ کے لیے نہیں ہو سکتا۔ فواد بھائی کبھی اپنے بچے پر ظلم نہیں ہونے دیں گے۔''

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ظلم کرنے والوں میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو چکا ہے وہاں یعنی فواد دوسری شادی کر چکا ہے۔'' زینی خود اندر سے تلملا رہی تھی۔ انداز دل جلانے والا تھا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟'' اس نے رک کر پوچھا تو زینی نخوت سے بولی۔

''ابھی پچھلے ہفتے اپنی بیوی کے ساتھ صدر کے اسٹاپ پر کھڑا نظر آیا تھا میں اس وقت

عفان کے ساتھ اس کی گاڑی میں تھی ورنہ رک کر مبارکباد ضرور دیتی۔'' پھر کچھ توقف کے بعد کہنے لگی۔

''پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ طلحہ کو فواد کے پاس بھیج دوں گی لیکن جب سے فواد کو اس کی بیوی کے ساتھ دیکھا ہے' میرا دل نہیں مانتا۔ میں خود پر زندگی کے راستے بند کر دوں گی لیکن بچے کو سوتیلی ماں کے حوالے نہیں کروں گی۔''

آخر میں زینی کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

''تمہیں خود پر راستے بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپی! طلحہ میرا ہے۔''

☆☆☆

وہ نادان تھی یا زینی کی محبت میں اس کی بات مان گئی تھی۔ لیکن امی ابو نادان نہیں تھے اور محبت انہیں دونوں بیٹیوں سے ایک جیسی تھی جب ہی جب زینی نے ان کے سامنے بات کی تو ابو تو ایک دم خاموش ہو گئے جب کہ امی بتھے سے اکھڑ گئی تھیں۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ اپنا بچہ چھوٹی کے سر تھوپ رہی ہو' یہ بھی نہیں سوچا' کل کو جب اس کی شادی کا وقت آئے گا تب کیا ہوگا۔''

''ہوگا کیا تب میں بچہ اپنے پاس لے لوں گی۔'' زینی کے اتنے آرام سے کہنے پر امی کو مزید غصہ آ گیا۔

''جو بات اب تم سے نہیں ہو سکتی' وہ بعد میں بھی ممکن نہیں ہے۔ میں ہرگز تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی کہ تم اپنی زندگی بنانے کے لیے چھوٹی کی زندگی خراب کرو۔ بچہ اگر تمہارے لیے مسئلہ بن رہا ہے تو اسے فواد کے پاس بھیج دو۔ اس کے بعد بھی یہ سوچ لینا کہ اس حقیقت پر ہمیشہ پردہ نہیں پڑا رہے گا۔''

''کون اٹھائے گا پردہ آپ! ہاں آپ ہی میری سب سے بڑی دشمن ہیں۔ پہلے بھی

مجھے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا تھا اور ابھی بھی نہیں چاہتیں کہ میرے ساتھ کچھ اچھا ہو۔''

زینی چیخ کر کہتی ہوئی کمرے میں بند ہو گئی تو ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ ابو کچھ کہنا بھی چاہتے تو انہیں الفاظ نہیں مل رہے تھے اور امی میں تو مزید کچھ سننے کی سکت ہی نہیں تھی۔ نہ اپنے لیے ہمدردی نہ زینی کے لیے ملامت۔ کتنی دیر بعد طلحہ کے رونے کی آواز سناٹے میں گونجنے لگی تو ابو نے بے اختیار اسے پکار کر کہا۔

''روبی! دیکھو بچہ کیوں رو رہا ہے۔'' وہ کچن سے بھاگتی ہوئی آئی اور لابی میں اوندھے گرے طلحہ کو دیکھ کر وہ بھی بے اختیار بولی تھی۔

''ہائے میرا بچہ کیسے گر گیا۔'' پھر اسے کندھے سے لگا کر چپ کرانے لگی۔ ساتھ ساتھ بولتی بھی جا رہی تھی۔ میرا بیٹا بہت بہادر ہے' روتا نہیں ہے' شاباش طلحہ اچھا بچہ۔''

کچھ دیر بعد طلحہ کی معصوم ہنسی کے ساتھ اس کی کھلکھلاتی ہنسی خاموشی میں جلترنگ بجانے لگی تھی۔ ابو نے کن اکھیوں سے امی کو دیکھا پھر کہنے لگے۔

''کیا تم نہیں چاہتیں کہ زینی بھی یونہی کھلکھلا کر ہنسے۔ فواد سے شادی کے بعد کیا ملا اسے' ہمیشہ روتی ہوئی آئی اور اب جب خوشیاں اس کے دروازے پر دستک دے رہی ہیں تو اسے دروازہ کھولنے دو۔''

''اسے کھولنے دوں اور روبی پر سارے دروازے بند کر دوں۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ زینی اتنی خود غرض ہو گئی ہے کہ صرف اپنے لیے سوچ رہی ہے اور آپ اس کی محبت میں روبی کو نظر انداز کر رہے ہیں یوں جیسے وہ آپ کی بیٹی ہی نہ ہو۔'' امی نے دکھ اور تاسف سے کہا تو وہ قدرے جھنجھلا گئے۔

''یہ محض تمہاری سوچ ہے۔ میرے لیے دونوں بیٹیاں برابر ہیں' اس وقت اگر میں زینی کی طرف داری کر رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ وہ بہت دکھی ہے۔''

''اس کے دکھ دور کرنے کے لیے روبی کو داؤ پر......''

''نہیں۔''ابو فوراً بولے تھے۔''روی کو کچھ نہیں ہوگا۔تم زینی کو غلط سمجھ رہی ہو۔وہ اپنی بہن کی دشمن نہیں ہوسکتی۔ابھی اندر سے خائف ہے'اس لیے اس لڑکے کو حقیقت نہیں بتانا چاہتی'بعد میں کہہ تو رہی ہے کہ سب ٹھیک کرلے گی۔''

''میرا دل پھر بھی نہیں مانتا۔آپ جانیں آپ کی بیٹی ہے۔''امی کہتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں تو کچھ دیر سوچنے کے بعد ابو زینی کے پاس آئے اور اسے روتا دیکھ کر بولے تھے۔

''بیٹا!تمہیں پتہ ہے ناں'مجھے کیا بات سب سے زیادہ تکلیف دیتی ہے۔''

''رونا تو میری تقدیر میں لکھا ہے۔''زینی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

''جب تم تدبیر سے تقدیر بدل سکتی ہو تو پھر مایوس کیوں ہوتی ہو'چلو پہلے منہ ہاتھ دھو کر آؤ پھر مجھے اس لڑکے' کیا نام بتایا تھا تم نے ہاں عفان کے متعلق سب کچھ تفصیل سے بتاؤ تاکہ میں مزید چھان بین کر کے اپنا اطمینان کرسکوں۔''ابو نے اپنے تئیں اسے خوش کرنا چاہا لیکن وہ منہ بنا کر بولی۔

''کوئی فائدہ نہیں۔امی کبھی نہیں مانیں گی۔''

''ان کی فکر نہیں کرو'میں ہوں ناں تمہارے ساتھ اور بیٹا ہمیں کون سا باقاعدہ اعلان کرنا ہے کہ یہ بچہ زینی کا نہیں بلکہ......''ابو خود بھی روی کا نام لیتے ہوئے ہچکچا گئے اور چند لمحے توقف سے بولے تھے۔''کوئی پوچھے گا تب بھی بات بنائی جاسکتی ہے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں لیکن امی......''

''تمہاری امی کے خدشات بھی اپنی جگہ صحیح ہیں۔بیٹا'خیر انہیں میں سمجھالوں گا تمہیں بس اب رونا نہیں ہے چلو اٹھو۔''ابو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا تھا۔

☆☆☆

اور پھر آناً فاناً زینی کی شادی طے پاگئی۔عفان کے گھر والے جیسے ہتھیلی پر سرسوں

جمائے بیٹھے تھے۔زیادہ تیاری کی مہلت ہی نہیں دی اور اسے بیاہ کر لے گئے۔پہلی بار اسے رخصت کرتے ہوئے امی نے اپنی ساری دعائیں اس کے ساتھ کی تھیں اور اس بار ان کے ہونٹوں پر صرف اپنی عزت کی سلامتی کی دعائیں تھیں اور دل تھا کہ اندیشوں سے نکل ہی نہیں رہا تھا۔اگلے روز ولیمے کی تقریب میں جانے کو وہ تیار ہی نہیں ہوئیں کہ جانے آگے کیا کچھ سننے کو ملے۔ابو نے بہت اطمینان دلانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانیں اور طلحہ کو بھی ساتھ لے جانے سے منع کردیا۔وہ کیونکہ تیار ہوچکی تھی اس لیے زیادہ پس وپیش نہیں کی ورنہ امی کے بغیر جانے کو اس کا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا'بہر حال ابو کے ساتھ جب وہ میرج ہال میں پہنچی تو عفان کی والدہ نے چھوٹتے ہی اس سے امی کا پوچھا۔

''امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔بہت معذرت کررہی تھیں۔''اس نے سنبھل کر جواب دیا پھر اسٹیج کی طرف دیکھنے لگی جہاں عفان کے پہلو میں بیٹھی زینی آف وائٹ شرارہ سوٹ میں بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔مووی کیمروں کی تیز روشنی میں اس کے ہونٹوں پر کھلتی مسکراہٹ دور سے نظر آرہی تھی۔

''چلو ادھر دلہن کے پاس چلو۔''عفان کی والدہ نے اسے ادھر متوجہ دیکھ کر کہا تو وہ مسکراتی ہوئی اسی طرف چل پڑی لیکن اسٹیج پر نہیں گئی کیونکہ فوٹوگرافر صرف دولہا دلہن کی تصویریں بنا رہا تھا۔وہ ایک طرف کھڑی ہوکر دیکھنے لگی تب ہی قریب سے گزرتی ہوئی ایک خاتون نے رک کر اسے متوجہ کیا۔

''تم دلہن کی بہن ہو ناں۔''

''جی!''وہ ٹھٹک کر مسکرائی۔

''بچے کو نہیں لائیں؟''اس اچانک اور غیر متوقع سوال سے وہ واقعی گھبرا گئی۔

''جی'جی نہیں۔''

''کس کے پاس چھوڑ کر آئی ہو؟''خاتون کو جانے کیا دلچسپی تھی۔

''وہ امی ہیں ناں۔'' اس نے جز بز ہو کر اسی قدر کہا اور بغیر خاتون سے معذرت لیے اسٹیج پر چڑھ آئی تھی۔

''ارے ارے.....'' عفان اسے دیکھتے ہی شرارت سے بولا ''تم نے باہر بورڈ نہیں پڑھا' یہاں سالیوں کا داخلہ منع ہے۔''

''واقعی.....'' گھبراہٹ میں اس کے منہ سے یہی نکلا جس پر عفان زور سے ہنسا تب وہ اسے گھورتی ہوئی زینی کے پاس آ بیٹھی اور اس کے کان کے قریب سرگوشی میں بولی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو' پہلے سے زیادہ۔'' زینی نے اسے کہنی ماری تب ہی عفان نے اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

''امی کہاں ہیں اور وہ تمہارا شرارتی بچہ؟''

''امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' اس لیے وہ نہیں آ سکیں اور طلحہ بھی ان کے پاس ہے۔''

''ارے تمہیں فون کر کے بتانا چاہیے تھا' میں گاڑی بھجوا دیتا۔'' عفان کے سرزنشی انداز پر وہ خاموش ہو رہی تھی۔

• پھر تقریب کے اختتام پر عفان اور زینی خاص طور سے امی کی مزاج پرسی کے لیے وہیں سے ابو اور اس کے ساتھ آئے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر پہلے تو امی واقعی بوکھلا گئیں لیکن جب زینی کے کھلتے ہوئے چہرے پر نظر پڑی تو کچھ اطمینان سا ہوا۔

''دیکھو' بچے تمہاری طبیعت کا سن کر پریشان ہو گئے اور دیکھنے چلے آئے۔'' ابو کا ہلکا پھلکا انداز ایسا تھا جیسے تم ناحق متوحش تھیں۔

''بس بیٹا! اس وقت اچانک بلڈ پریشر بہت لو ہو گیا تھا' اب ٹھیک ہوں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔'' امی نے زینی کے چہرے سے نظریں ہٹا کر عفان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اسے چائے لانے کا اشارہ کیا تو اس نے جاتے جاتے بلا ارادہ رک کر پوچھا۔

''طلحہ سو گیا کیا؟''

''ہاں ابھی سویا ہے۔ اٹھانا نہیں۔'' امی کا جواب سن کر وہ کچن میں آ گئی۔

پھر چائے پیتے ہی عفان زینی کو لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد کتنی دیر تک امی اور ابو اس کی تعریفیں کرتے رہے تھے۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ شامل رہی پھر سونے کا کہہ کر اٹھی تو امی کے کمرے سے طلحہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

زینی کے جانے سے اب اسے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ جیسے پہلے وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔ اب شاید طلحہ اس کے پاس تھا اس لیے پھر زینی جاب کی وجہ سے سارا دن باہر بھی رہتی تھی۔ ہر وقت کا ساتھ ہوتا تب یقیناً اس کی کمی محسوس ہوتی۔ بہرحال اسے اب اپنے رزلٹ کا انتظار تھا جس کے بعد وہ ایم اے میں ایڈمیشن لے کر کچھ مصروف ہونا چاہتی تھی۔

اور پہلے تو امی اس کے مزید پڑھنے کے خلاف تھیں لیکن اب پتہ نہیں کیوں وہ بھی یہی چاہتی تھیں۔ ہر دوسرے دن اس سے رزلٹ کا پوچھتیں اس وقت بھی پوچھنے کے بعد انہوں نے جیسے اپنے آپ سے کہا تھا۔

''اچھا ہے دو سال اس طرح نکل جائیں گے۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے امی کی خود کلامی سن کر پوچھا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر بظاہر سرسری انداز میں بولی تھیں۔

''تمہاری شادی کے لیے اتنا ہی وقت چاہیے ہمیں اور زینی بھی ابھی فوراً عفان کو کچھ نہیں بتا سکتی۔''

''بتانا بھی نہیں چاہیے۔ آپ سختی سے منع کر دیجیے گا آپی کو' اتنے اچھے ہیں عفان بھائی' کہیں حقیقت سن کر ان کا دماغ الٹ جائے۔'' اس نے فوراً کہا تو امی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ہر ویک اینڈ پر زینی اور عفان سرِ شام آ جاتے تو ہر طرف زینی کے قہقہے ہی گونجتے وہ حقیقتاً بے انتہا خوش تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے سب کچھ پا لیا

ہو، اور پتہ نہیں اتنی پر اعتماد کیسے تھی۔ یعنی حقیقت کھل جانے کا مبہم سا خدشہ بھی نہیں تھا۔ اس روز پہلی بار اس نے اس نہج پر سوچا تھا اور اس کا دل چاہا زینی سے پوچھے کہ وہ اتنی مطمئن کیسے ہے لیکن موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ زینی جہاں جاتی عفان اس کے پاس پہنچ جاتا۔ تب اس نے زینی سے رات رکنے پر اصرار کیا تو وہ بے نیازی سے بولی۔

''عفان سے پوچھ لو۔''

''کیوں عفان بھائی! آپ منع کریں گے۔'' اس نے فوراً عفان کو دیکھا تو وہ رُک کر بولا۔

''منع تو نہیں کروں گا لیکن.....''

''لیکن کا مطلب ہے انہیں ساری رات نیند نہیں آئے گی۔'' زینی اس کی بات مکمل کر کے کھلکھلا کر ہنسی۔

''تو کیا ہوا..... جاگ لیں گے ایک رات۔'' اس نے کہا تو زینی، عفان کو دیکھنے لگی۔

''بس عفان بھائی! کچھ نہیں کہیے گا۔ زینی یہیں رہے گی۔'' اس نے خود ہی فیصلہ صادر کر دیا تو عفان ڈھیلے ڈھالے انداز میں کندھے اُچکا کر بولا۔

''چلو! آج تمہاری بات رکھ لیتا ہوں۔ او کے زینی پھر میں چلوں۔''

زینی اسے سی آف کرنے گیٹ تک چلی گئی تو وہ طلحہ کی فیڈر دھونے اور دودھ بنانے کی غرض سے کچن میں آ گئی۔ کچھ برتن رکھے تھے، پہلے وہ دھوئے۔ پھر فیڈر بنا کر آئی تو زینی امی کے سامنے اپنے سسرال کے ایک ایک فرد کی تعریف کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے سب طلحہ کو اٹھا کر اُنے کمرے میں آ گئی۔ اور جب طلحہ کو سلا چکی تب زینی آئی اور تکیے پر سر رکھتے ہی جمائی لے کر بولی۔

''سخت نیند آ رہی ہے۔''

''جی نہیں، میں نے تمہیں صرف سونے کے لیے نہیں روکا۔'' وہ فوراً اصل موضوع کی طرف آئی۔

''پتہ ہے تمہارے جانے کے بعد میں کتنی بور ہو گئی ہوں۔''

''ہائیں! میں کون سا سارا وقت تمہارے ساتھ ہوتی تھی جو تمہیں میری کمی محسوس ہو رہی ہے۔'' زینی نے تعجب کے ساتھ کہا۔

''سارا وقت نہیں لیکن رات میں تو سونے تک ہم کتنی باتیں کیا کرتی تھیں اور اسی وقت مجھے تم بہت یاد آتی ہو تو میں تمہارے بارے میں پتہ نہیں کیا کیا سوچنے لگتی ہوں تم..... تم خوش ہو نا آپی عفان بھائی کے ساتھ۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے۔'' زینی ایکدم اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئی تھی۔

''مجھے لگتا ہے جیسے تم نے سب کچھ پا لیا ہو تمہارے انگ انگ سے جھلکتی خوشی میں کہیں کسی خدشے کا شائبہ تک نہیں ملتا' کیا واقعی تمہیں کوئی خدشہ نہیں۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ تو زینی اٹھ کر بیٹھ گئی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگی۔

''خدشہ ہے رومی! لیکن میں نے بہت کوشش سے فی الحال سمجھو اس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں' کیونکہ میں نے جو اتنا کچھ پایا ہے عفان کی طبیعت کے ساتھ زندگی کی آسائشیں تو میں اتنی جلدی انہیں کھونا نہیں چاہتی ظاہر ہے ایک نہ ایک دن تو عفان کو معلوم ہوگا اس کے بعد پتہ نہیں ان کا رد عمل کیا ہو' شاید مجھے گھر سے ہی نکال دیں' اور وہ دن آنے سے پہلے یہ ابھی جو وقت میری دسترس میں ہے' اسے میں اس خدشے کی نذر کیوں کروں یا تم کہو کہ مجھے خوش رہنے کا کوئی حق نہیں تو میں ابھی عفان کو ساری حقیقت بتا دوں۔''

''ارے نہیں آپی! میں یہ کب کہہ رہی ہوں بلکہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم ہمیشہ عفان بھائی کے ساتھ اسی طرح خوش رہو۔'' اس نے بہت خلوص سے کہا تو زینی نے گہری سانس کھینچی۔

''ہمیشہ..... پتہ نہیں میری قسمت میں کیا ہے۔ کاش حقیقت معلوم ہونے کے بعد عفان مجھ سے منہ نہ موڑیں۔ ان کی محبت نے ہی تو مجھے پھر سے زندہ کیا ہے۔ اگر یہ چھن گئی تو میں

جی نہیں پاؤں گی۔'' زینی کے لہجے کی آزردگی پر وہ تڑپ گئی۔

''ایسا نہیں ہوگا آپی! عفان بھائی بہت اچھے ہیں۔''

''ہوں۔'' زینی نے بے دھیانی میں ہوں کی آواز نکالی اور کچھ دیر بعد دوبارہ تکیے پر رکھتی ہوئی بولی۔

''بہرحال تم اطمینان رکھو۔ تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''میرے لیے۔'' وہ حیران ہوئی۔

''میرے لیے کیا مسئلہ ہے۔''

''کیوں جب تک میں طلحہ کو اپنا بیٹا نہیں کہوں گی' تمہارے لیے مسئلہ ہوگا کہ نہیں۔''

''پتہ نہیں مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگتا' شاید اس لیے کہ......''

''طلحہ تمہارا بیٹا ہے ہی نہیں۔'' زینی فوراً بولی تھی۔

''اور تم جب چاہو یہ بات علی الاعلان کہہ بھی سکتی ہو ہے ناں۔''

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا لیکن پھر یکدم ہونٹ بھینچ گئی تھی۔

وہ یونیورسٹی جوائن کر کے خوش تھی کہ ایک تو بوریت کے دنوں کا اختتام ہوا تھا' دوسرے بیلا کی صورت بہت اچھی دوست مل گئی تھی وہ پیاری سی ہنستی کھلکھلاتی ہوئی قدرے لاپرواسی لڑکی بہت جلد سب میں مقبول ہوگئی تھی اور خود آ کر اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا جسے تھامنے سے پہلے وہ بولی تھی۔

''سوچ لو مجھ سے دوستی کر کے تمہیں اگر نقصان نہیں تو کوئی نفع بھی نہیں ہوگا۔''

''نو پرابلم۔'' بیلا نے زبردستی اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''مجھے نفع ہو نہ ہو تمہیں ضرور ہوگا۔''

''مثلاً کیا؟''

''مثلاً یہ کہ میں اپنی پاکٹ منی بڑی فراخدلی سے تم پر خرچ کروں گی دوسرے اگر

تمہارے پاس اپنی کنوینس نہیں ہے تو میں تمہیں ڈراپ بھی کر دیا کروں گی اور۔''

''بس۔'' وہ فوراً ٹوک کر بولی۔ ''میں ایسے نفع کی بات نہیں کر رہی۔ میں نے یونہی بات کی تھی۔ تم نے پتہ نہیں کیا سمجھ لیا' میں دوستی میں نفع نقصان نہیں دیکھتی بس خلوص ہونا چاہیے۔'' اس نے کہا تو بیلا کھلکھلا کر بولی۔

''وہ تو میرے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔''

''لگ رہا ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا تھا۔

یوں چند دنوں میں وہ بیلا کی اتنی عادی ہوگئی کہ اگر کچھ دیر کو وہ ادھر ادھر ہو جاتی تو وہ پریشان ہو کر اسے ڈھونڈنے لگتی تھی اور گھر آ کر امی کے سامنے اور جب زینی آتی تو اس کے ساتھ بھی بس بیلا ہی کی باتیں کرنے لگتی تھی۔ جس پر اس روز زینی نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بس بھی کرو۔ تمہارے پاس اور کوئی موضوع نہیں ہے بیلا بیلا' میرے تو کان پک گئے ہیں۔'' پھر اس کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

''پاگل لڑکی! یونیورسٹی گئی ہو کوئی اور چکر چلاؤ ناں کہ امی کو تمہارے رشتے کے سلسلے میں تردد نہ کرنا پڑے۔''

''اف توبہ آپی! میں وہاں پڑھنے جاتی ہوں۔''

''پڑھائی کے ساتھ یہ کام بھی ہو جائے تو کیا برا ہے۔'' زینی کا مشورہ اس نے سختی سے رد کر دیا۔

''جی نہیں' مجھے یونیورسٹی کے اسکینڈل سے بہت خوف آتا ہے۔ میں تو اپنی کلاس میں بھی کسی لڑکے سے کام کی بات بھی نہیں کرتی اور نہ کبھی کروں گی۔''

''ہاں بس بیلا بیلا کرتی رہنا۔'' زینی نے یوں سر جھٹکا جیسے اس جیسا احمق کوئی نہیں۔

''وہ ہے ہی اتنی پیاری' کاش ہمارا کوئی بھائی ہوتا۔'' اس کے اشتیاق پر زینی فوراً بولی۔

''شکر ہے نہیں ہے۔''

''کیا نہیں ہے؟'' امی نے لاؤنج میں آتے ہوئے زینی کی بات سن کر پوچھا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

''بھائی' ورنہ رومی زبردستی اس کے سر بیلا تھوپ کر رہتی۔''

''تم تو بس ایسے ہی ہو۔'' وہ برا مان کر زینی کے پاس سے اٹھ کر امی کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''آپ دیکھیے گا امی! میں کسی دن بیلا کو لے کر آؤں گی۔ آپ اس سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔''

''اور اگر نہ ہوئیں تو۔'' زینی کا انداز اب چھیڑنے والا تھا۔ وہ سمجھ کر وہاں سے اٹھ گئی۔

پھر اگلے دن ہی وہ بیلا کے پیچھے پڑ گئی کہ آج اس کے ساتھ گھر چلے اور بیلا پہلے تو ٹالتی رہی پھر اس شرط پر ہامی بھر لی کہ وہ اسے زیادہ دیر رکنے کو نہیں کہے گی۔ کیونکہ وہ گھر میں کہہ کر نہیں آئی۔ اور یہ وعدہ بھی کیا کہ پھر کسی دن وہ اپنی امی کو بتا کر آئے گی تب شام تک اس کے ساتھ رہے گی۔ جس پر وہ بے اختیار بولی تھی۔

''اس روز تو میں اپنی آپی کو بھی بلوا لوں گی تا کہ وہ بھی تم سے مل سکیں۔''

''تمہاری وہ آپی کہاں رہتی ہیں؟''

''اپنے گھر' ان کی شادی ہو چکی ہے' اصل میں کل میں ان سے تمہارا ذکر کر رہی تھی جس پر انہوں نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔'' اس نے آپی کا بتا کر بات بنائی تو بیلا ایکدم قدم روک کر بولی۔

''یہ بتاؤ' تم نے میرا ذکر اچھے لفظوں میں کیا تھا یا......''

''اچھے' بہت اچھے۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

پھر یونیورسٹی کے بعد وہ بیلا کے ساتھ اس کی گاڑی میں گھر آئی تو پہلے مقام پر طلحہ سامنے آ گیا۔ امی یقیناً کچن میں مصروف تھیں کیونکہ ایسے ہی وقت میں وہ طلحہ کو لابی میں چھوڑ دیتی تھیں جہاں اس کے گرنے یا کسی چیز سے ٹکرانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔''

''ہاؤ کیوٹ! کس کا بچہ ہے؟'' بیلا نے بے اختیار طلحہ کو اٹھا کر پوچھا مگر وہ مسکرا کر بولی۔

''اگر میں کہوں میرا تو......؟''

''تو میں یقین نہیں کروں گی۔'' بیلا طلحہ کے گالوں پر پیار کرتی ہوئی بولی پھر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ ذرا سا ہنسی۔

''بھانجا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہاری آپی آئی ہوئی ہیں۔''

''نہیں۔ وہ تو کل چلی گئی تھیں۔'' اس نے جواب دے کر امی کو پکارا پھر اس کی گود سے طلحہ کو لے کر بولی۔ ''چلو ادھر بیٹھو' امی آ رہی ہیں۔''

''جی نہیں۔ میں بیٹھوں گی نہیں۔'' بیلا نے فوراً کہا اور امی کو آتے دیکھ کر انہیں سلام کیا۔

''امی' یہ بیلا ہے' بڑی مشکل سے آئی ہے اور اب بیٹھ بھی نہیں رہی۔''

''کیوں بیٹی؟''

''بس آنٹی! ابھی تو میں یونہی آپ سے ملنے چلی آئی پھر کسی دن باقاعدہ پروگرام کے تحت آؤں گی تو بہت دیر تک رکوں گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹی! لیکن اس طرح کھڑے کھڑے جانا تو اچھی بات نہیں ہے۔ جاؤ رومی! اسکوائش ہی بنا لاؤ۔'' امی نے بیلا کو بیٹھنے کا اشارہ کرنے کے ساتھ اس سے کہا۔

''نہیں نہیں۔ اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' بیلا فوراً اسے روک کر بولی۔

''سوری آنٹی! اصل میں ڈرائیور کو مجھے گھر چھوڑ کر آفس جانا ہوتا ہے اگر وہ دیر سے گیا تو بھائی جان بہت ناراض ہوں گے۔ اس پر انہیں اس وقت گاڑی کی ضرورت ہوتی ہے۔''

بیلا نے جلدی بات ختم کر کے طلحہ کو پیار کیا پھر اسے دیکھا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑی اور اسے گیٹ سے رخصت کر کے واپس آئی تو امی سے جانے کا پوچھا پھر خود ہی نکالنے کے

ارادے سے کچن کا رخ کیا۔

''اچھی لڑکی ہے۔'' کھانے کے دوران امی نے بیلا کی تعریف کے ساتھ پوچھا۔

''کہاں رہتی ہے؟''

''ڈیفنس۔''

''اتنی دور سے یہاں آئی۔'' امی نے تعجب سے کہا۔

''جی اور کہتی ہے روز مجھے گھر چھوڑ دیا کرے گی جب کہ میرا گھر اس کے راستے میں بھی نہیں پڑتا۔'' اس کا انداز دوستی کے جذبے کو سراہنے والا تھا۔ امی خاموش ہوگئیں۔

پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ بیلا خود ہی اس کے ساتھ آنے کو تیار ہوگئی' شاید وہ باقاعدہ پروگرام کے تحت اپنے گھر میں بتا کر آئی تھی۔ اس لیے شام تک اس کے ساتھ رہی۔ اور اس روز امی بھی اس کی گرویدہ ہوگئی تھیں۔ کیونکہ اس کے ہر انداز میں اپنائیت تھی یوں جیسے اس کا ہمیشہ سے یہاں آنا جانا رہا ہو۔ کوئی تکلف بھی نہیں' شام کی چائے بھی اسی نے بنائی تھی۔ امی نے ٹوکا تو ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی تھی۔

''کیوں آنٹی! میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔''

''کیوں نہیں۔'' امی نے پیار سے اس کا گال تھپکا۔

''پھر آپ نے منع کیوں کیا بلکہ آپ کو تو خود مجھ سے کہنا چاہیے تھا۔''

''کوئی بات نہیں اگلی بار آؤ گی تو امی تم سے کھانا پکوالیں گی۔'' اس نے فوراً کہا تو بیلا ہامی بھرنے کے ساتھ بولی۔

''ضرور لیکن اب پہلے تم آؤ گی میرے گھر۔''

''نہیں میرا آنا مشکل ہے۔'' اس نے قدرے مایوسی سے سر ہلایا تو بیلا زور دے کر بولی۔

''کوئی مشکل نہیں ہے۔ یونیورسٹی سے میرے ساتھ چلنا پھر شام میں' میں خود تمہیں

یہاں چھوڑ جاؤں گی۔ ٹھیک ہے ناں آنٹی! آپ منع تو نہیں کریں گی ناں۔''

بیلا نے اس سے کہہ کر امی کو دیکھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا جس پر وہ خوش ہو کر لی تھی۔

''آنٹی نے اجازت دے دی ہے۔ بس اس ویک اینڈ پر تم میرے ساتھ چلو گی۔''

☆☆☆

بیلا نے اسے بتایا تھا کہ اس کی طرح وہ بھی اپنی امی کے ساتھ سارا دن اکیلی ہوتی ہے۔ اس کے والد کا چند سال پہلے انتقال ہو چکا تھا اور ایک بڑے بھائی تھے جو صبح کے گئے شام اور ھی رات میں آتے تھے۔ اس لیے امی نے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن ساتھ میں م سے پہلے واپسی کی تاکید بھی کر دی تھی جو اس نے بیلا کے ساتھ جاتے ہوئے راستے میں ہی ے باور کرا دیا اگر اس نے شام سے پہلے اسے گھر نہیں پہنچایا تو آئندہ امی کبھی اس کے ساتھ نے کی اجازت نہیں دیں گی۔ جس پر بیلا نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

''نو پرابلم یار! جب کہو گی چھوڑ آؤں گی۔''

پھر بیلا کی امی سے ملتے ہوئے وہ کچھ نروس اور کچھ خائف ہوگئی تھی۔ کیونکہ ان کے از میں وہ گرم جوشی نہیں تھی جو بیلا کو اس کی امی کی طرف سے ملی تھی۔ حالانکہ دیکھنے میں وہ بہت وہ خاتون تھیں لیکن انداز خاصا لیا دیا اور نظریں چبھتی ہوئی یا شاید اسے محسوس ہوئی تھیں' گفتگو تھی ارسی سی اس کے بعد اپنے کمرے میں جو گئیں تو کھانے کی ٹیبل پر بھی نہیں آئیں۔ اس نے بیلا ے پوچھا تو وہ لاپرواہی سے بولی۔

''ممی دوپہر کا کھانا نہیں کھاتیں۔ اصل میں وہ ناشتہ بہت دیر سے کرتی ہیں' چلو تم ع کرو۔''

''ہاں!'' اس نے پلیٹ اپنے سامنے رکھی پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔

''بہت خاموشی ہے تمہارے گھر میں۔''

"جناب! تمہارے گھر میں بھی ایسی ہی خاموشی ہوتی اگر جو تمہارا بھانجا تمہارے پاس نہ ہوتا۔ ساری رونق اسی کی وجہ سے ہے۔" بیلا نے کہا تو وہ ذرا سا سر ہلا کر بولی۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ طلحہ ہمارے پاس نہ ہوتا تو سارا دن امی اور میں......"

"اچھا پہلے کھانا کھاؤ۔" بیلا نے ٹوک کر اسے کھانے کی طرف متوجہ کیا۔

پھر کھانے کے بعد بیلا اسے اپنے کمرے میں لے کر آئی تو نیم خوابیدہ سے ماحول میں اس کا دل چاہا لمبی تان کر سو جائے اور اپنی اس خواہش پر وہ ذرا سا ہنسی تو بیلا نے متوجہ ہو کر پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" وہ کچھ انجان سی بن گئی اور چادر اتار کر تہہ کرنے لگی، تو بیلا نے اے سی آف کرتے ہوئے پوچھا۔

"چائے پیو گی؟"

"نہیں۔" وہ منع کرتی ہوئی بیلا کے بیڈ پر قدرے نیم دراز ہو گئی۔ پھر ایک دم خیال آنے پر اٹھتے ہوئے بولی۔ "سنو! یہاں کوئی آئے گا تو نہیں۔"

"نہیں۔ تم آرام سے لیٹو اور اگر نیند آئے تو سو بھی جانا۔ کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔" بیلا نے اس کے برابر لیٹتے ہوئے کہا۔

"سوؤں گی تو نہیں کیونکہ میں پھر اٹھتی بہت دیر سے ہوں اور مجھے گھر جلدی جانا ہے۔" وہ دوبارہ لیٹتی ہوئی بولی۔

"اچھا سنو، تمہارا ایم اے کے بعد کیا ارادہ ہے۔ جاب کرو گی یا شادی وادی کا پروگرام ہے۔" بیلا نے موضوع بدل کر پوچھا تو اس نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

"اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جیسا امی ابو چاہیں گے۔"

"کہیں انگیج ہو؟" بیلا کی سوالیہ نظروں کے جواب میں اس نے نفی میں سر ہلا کر پوچھا۔

"اور تم؟"

"ہاں میں اپنے چچازاد سے منسوب ہوں وہ ہائر اسٹڈیز کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے اور بس اس کی واپسی تک میں یونیورسٹی میں نظر آؤں گی۔"

"اور اس کی واپسی کب تک ممکن ہے۔"

"زیادہ سے زیادہ ایک سال۔"

"پھر تو تمہارا ایم اے ادھورا رہ جائے گا یا شادی کے بعد مکمل کرو گی۔"

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتی جیسے عمران چاہے گا۔" بیلا نے اس کی بات اپنے منگیتر سے منسوب کر کے دہرائی تو وہ ہنس پڑی۔

"ہم لڑکیاں ہر حال میں دوسرے کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔"

"اچھا اپنے منگیتر کی کوئی تصویر دکھاؤ۔" اس نے اشتیاق سے کہا تو بیلا اٹھتی ہوئی بولی۔

"کوئی ایک تصویر، بہت تصویریں ہیں۔" پھر اٹھ کر الماری میں سے البم نکال لائی اور اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"تم دیکھو میں چائے کا کہہ آؤں اور بھائی جان کو فون بھی کر دوں کہ پانچ بجے تک گاڑی بھجوا دیں۔"

"پانچ نہیں چار۔" اس نے فوراً ٹوکا۔

"جی نہیں، چار تو ابھی بج جائیں گے۔"

بیلا کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو کچھ دیر اس کے پیچھے دیکھنے کے بعد اس نے اپنے سامنے البم کھول دیا۔ شروع کے صفحات پر بیلا کی اپنی سہیلیوں کے ساتھ تصویریں تھیں۔ کہیں اسکول اور کہیں کالج یونیفارم میں۔ جو اس نے سرسری نظر سے دیکھیں۔ پھر جہاں منگنی کی تصویریں تھیں وہاں اس کی نظریں ٹھہر گئیں۔ پنک شرارہ سوٹ میں بیلا اتنی حسین لگ رہی تھی کہ وہ بڑی فراخدلی سے دل ہی دل میں سراہنے لگی تب ہی آہٹ پر بے اختیار بولی۔

’’ہائے بیلا یہ تم ہو۔‘‘ سر اٹھانے کے ساتھ الفاظ اس کے ہونٹوں میں رہ گئے۔ کیونکہ سامنے بیلا نہیں کوئی اور تھا اور بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ گھبرا کر بیڈ کے دوسری طرف اتر کر کھڑی ہوگئی تو معذرت کے ساتھ بولا۔

’’سوری۔ وہ بیلا نہیں ہے یہاں۔‘‘ وہ جواب دینے کے بجائے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

تب ہی بیلا اندر آئی اور اسے دیکھ کر تعجب سے بولی۔

’’ارے بھائی جان! آپ یہاں میں ادھر آپ کے آفس فون کر آئی ہوں۔‘‘

’’خیریت؟‘‘ وہ بیلا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

’’جی، پانچ بجے گاڑی چاہیے تھی، رومیلہ کو اس کے گھر.....‘‘ بیلا نے بولتے ہوئے اسے دیکھا تو بات ادھوری چھوڑ کر باقاعدہ تعارف کروانے لگی۔

’’یہ میری دوست ہے رومیلہ! اس روز یونیورسٹی سے اس کے گھر گئی تھی اور رومیلہ! یہ میرے بھائی جان ہیں۔‘‘ وہ کیا کہتی بس سر جھکا لیا۔ جس پر وہ کہنے لگا۔

’’تمہاری دوست کو رسماً بھی خوشی نہیں ہوئی۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ بیلا سمجھی نہیں یا ٹھیک سے سنا نہیں تھا۔

’’وہ جو کسی سے مل کر اگر خوشی نہ بھی ہو تب بھی رسماً کہا جاتا ہے کہ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔‘‘ آخری جملے پر وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

’’جناب! میری دوست رسمی جملے نہیں بولتی۔‘‘

’’اچھی بات ہے اور ہاں تم گاڑی کا کہہ رہی تھیں۔ پانچ بجے مجھے خود ایک میٹنگ میں جانا ہے۔‘‘ اس نے بیلا کو گاڑی دینے سے معذوری ظاہر کی تو وہ بے اختیار فوراً بول پڑی۔

’’پھر مجھے ابھی چھوڑ آؤ بیلا۔‘‘

’’جی نہیں، پانچ بجے ہم بھائی جان کے ساتھ ہی نکلیں گے۔ ٹھیک ہے ناں بھائی جان.....؟‘‘ بیلا نے اس سے کہہ کر بھائی کو دیکھا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

’’مجھے کوئی اعتراض نہیں۔‘‘ اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گیا تو بیلا اس کے پاس آتے ہوئے بولی۔

’’کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ چلو بیٹھو آرام سے۔ یہ البم دیکھ لیا۔‘‘

’’ہاں، نہیں دیکھ رہی تھی۔‘‘ وہ بیٹھ کر پھر البم پر جھک گئی۔ تو نظروں کے عین سامنے اس کی تصویر تھی جو ابھی یہاں سے گیا تھا۔ اس نے قدرے ٹپٹا کر البم بند کر دیا اور اپنی اس حرکت کو چھپانے کی خاطر جلدی سے بولی۔

’’تمہاری تصویریں بہت خوبصورت ہیں۔‘‘

’’ہیں ناں اور وہ عمران کا بچہ کہتا ہے بالکل چڑیل لگ رہی ہوں۔ وہ خود جو چڑیل جیسا ہے۔‘‘ بیلا نے منہ بنا کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنسی۔

’’مذکر بھی چڑیل ہوتے ہیں۔‘‘

’’عمران ہے ناں۔‘‘ بیلا کو خود بھی ہنسی آ گئی۔ تب ہی ملازمہ چائے لے آئی تو وہ گھڑی پر نظر ڈال کر بولی۔

’’بس چائے پیتے ہی چلنا ہے۔‘‘ ادھر طلحہ نے امی کو پریشان کر رکھا ہوگا۔

’’تمہاری بہن کے اور کتنے بچے ہیں؟‘‘ بیلا نے ٹی پاٹ میں چمچ چلاتے ہوئے پوچھا۔

’’ابھی کہاں ابھی تو ان کی شادی کو.....‘‘ وہ بے دھیانی میں بولتی ہوئی ایک دم خاموش ہوگئی۔ پھر بہت سنبھل کر کہنے لگی۔

’’میرا مطلب ہے بس طلحہ ہی ہے اور دوسرے کے فی الحال کوئی آثار نہیں۔‘‘

’’ایک ہی بچہ ہے ان کا اور وہ بھی تمہارے پاس چھوڑ دیا۔ کیوں؟‘‘ بیلا نے تعجب سے دیکھا تو وہ بمشکل بات بنا سکی۔

’’وہ کہاں چھوڑ رہی تھیں۔ میں نے زبردستی رکھ لیا۔‘‘ پھر فوراً موضوع بدل گئی۔

"تمہاری امی سے بس رسمی سی بات ہوئی ہے۔ وہ سو رہی ہیں کیا؟"

"نہیں، چائے پی لو پھر ان کے کمرے میں چلیں گے۔" بیلا کپ سیدھے کر کے چائے بنانے لگی تو وہ اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرنے لگی تھی۔

پھر چائے پیتے ہی اس نے گھر جانے کی رٹ لگا دی۔ جبکہ ابھی ساڑھے چار ہی ہوئے تھے۔ بیلا نے مجبوراً جا کر اپنے بھائی کو اٹھایا پھر اسے امی کے کمرے میں لے گئی۔ جہاں وہ تھوڑی دیر بیٹھی کیونکہ وہ فوراً تیار ہو کر آ گیا تھا۔

"انہیں چھوڑنے کے بعد مجھے دوبارہ آنا پڑے گا۔" اس نے بیلا کو ساتھ جانے پر تیار دیکھ کر پوچھا تو وہ سوالیہ نشان بن گئی۔

"پھر؟"

"پھر یہ کہ میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے۔ تم یا تو ان کے گھر رک جانا میں میٹنگ سے واپسی پر تمہیں پک کر لوں گا یا پھر یہیں سے انہیں خدا حافظ کہہ دو۔ بلکہ یہی ٹھیک ہے۔ میں رات میں پتہ نہیں کب فارغ ہوں گا اور تب تک ممی اکیلی رہیں گی۔"

اس کا کہنا ٹھیک تھا۔ بیلا معذرتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو اس نے ذرا سا یوں سر جھٹکا جیسے اس کی معذرت قبول کرنے کے ساتھ ناراض بھی ہو۔

"او کے خدا حافظ۔" بیلا نے کھلکھلا کر اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی سعی کی لیکن وہ ایسے ہی روٹھی روٹھی سی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"آپ کہاں گلشن جائیں گی؟" گاڑی گیٹ سے نکالتے ہی اس نے پوچھا تو وہ جو گردن موڑ کر بیلا کو دیکھ رہی تھی۔ فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔

"جی۔"

"اس سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ آئی مین بیلا کی فرینڈز تو اکثر آتی رہتی ہیں۔" کچھ دیر کی ڈرائیو کے بعد اس نے غالباً یونہی بات کرنے کی غرض سے کہا تو اس نے سادہ

جواب دیا۔

"بیلا اور میں کالج سے ساتھ نہیں ہیں۔"

"یعنی یونیورسٹی میں دوستی ہوئی ہے۔ حیرت ہے۔"

"حیرت کس بات پر؟" وہ بلا ارادہ اسے دیکھنے لگی۔

"اتنے کم وقت میں اتنی دوستی۔" اس نے کہا تو وہ خاموش رہی جیسے اس نے بے معنی بات کی ہو۔ اس کے بعد اس نے مزید کوئی بات نہیں کی۔ اس کے اشاروں پر گاڑی موڑتا رہا اور جب وہ گھر کے سامنے اترنے لگی تب اسے متوجہ کر کے بولا۔

"میں یہ رسماً نہیں کہہ رہا حقیقتاً آپ کی ہم سفری اچھی لگی۔"

"اف پتہ نہیں کیا کہہ رہا ہے۔" وہ جلدی سے اتر کر گیٹ میں داخل ہو گئی اور تیز قدموں سے اندر آئی تو آگے زینی موجود تھی۔ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

"تمہاری بیلا کہاں ہے؟"

"وہ......وہ چلی گئی۔ اصل میں اسے کہیں اور بھی جانا تھا۔" وہ اس اچانک سوال پر گھبرا گئی تھی۔

"لو میں اس انتظار میں بیٹھی تھی کہ آج میری بھی ملاقات ہو جائے گی اس سے اور تم نے اسے باہر سے روانہ کر دیا۔"

"مجھے کیا پتہ تھا۔ خیر تم کب آئیں اور وہ عفان بھائی کہاں ہیں؟" اس نے بات کا رخ زینی کی طرف موڑ دیا۔ "میں آج دوپہر میں آ گئی تھی اور عفان جب آفس سے نکلیں گے تو مجھے یہاں سے لیتے ہوئے جائیں گے۔"

"اچھا میں ذرا چینج کر لوں۔ پھر عفان بھائی تو آتے ہی فرمائشیں کرنے لگیں گے۔ چائے کے ساتھ یہ بھی ہو وہ بھی ہو۔" وہ کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''سنو، تمہیں میرے بھائی جان کیسے لگے؟'' اگلے روز بیلا نے اس سے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تو وہ اچھل پڑی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''ارے میں نے کوئی مشکل بات تو نہیں پوچھی سیدھے سادے سوال کا سیدھا سادہ جواب دو۔ اچھے یا برے۔'' بیلا نے ٹوکتے ہوئے کہا تو اس نے بھی خفگی سے ٹوکا۔

''فضول باتیں نہیں کرو۔''

''یہ فضول بات نہیں ہے اور نہ ہی میں کوئی مذاق کر رہی ہوں۔ بہت سنجیدہ ہوں میں، اس لیے تم بھی پورے دھیان سے میرے بات سنو۔ اس کے بعد چاہو تو ابھی جواب دینا یا سوچ کر لیکن سوچنے کے لیے میں زیادہ وقت نہیں دوں گی۔ صرف تین دن۔ سمجھیں۔''

بیلا ایک دم سنجیدہ ہو کر دھونس سے بول رہی تھی۔

''نہیں، میں کچھ نہیں سمجھی۔'' اس نے قدرے اکتاہٹ کا مظاہرہ کیا تو بیلا اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

''میں سمجھاتی ہوں۔ اصل قصہ کچھ یوں ہے کہ تمہیں پہلی نظر دیکھ کر ہی بھائی جان نے مجھ سے کہا تھا کہ انہیں جس لڑکی کی تلاش تھی وہ تم ہو۔ اور وہ تم سے شادی کریں گے اور یہ کل کی بات نہیں ہے بلکہ اس روز کی جب تم ایڈمیشن فارم جمع کروانے آئی تھیں۔ اس روز میرے ساتھ بھائی جان تھے انہوں نے تمہیں دیکھا پسند کیا پھر مجھ سے کہا کہ میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤں اور اس طرح تمہارے گھر تک پہنچوں جو کہ میں پہنچ گئی اور کل تمہیں اپنے گھر لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو تم بھائی جان کو دیکھ لو دوسرے وہ تم سے ملنا چاہتے تھے۔ اب بتاؤ وہ تمہیں کیسے لگے؟''

آخر میں بیلا نے پھر وہی سوال دہرایا۔ لیکن اس کا ذہن درمیان ہی میں کہیں بھٹک گیا تھا۔ جب ہی کچھ گم صم سے انداز میں بولی تھی۔

''لیکن وہ تو کہہ رہے تھے اس سے پہلے انہوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا۔''

''اب پہلی ملاقات میں وہ یہ ساری باتیں کیسے کہہ دیتے اور گو کہ انہوں نے مجھے بھی ابھی یہ سب کہنے سے منع کیا تھا لیکن میں مزید صبر نہیں کر سکتی تھی۔ اتنے دن بلکہ مہینوں تو صبر کیا ہے اور اب خدا کے لیے تم نہ میرے صبر کو آزمانا۔ مجھے فوری جواب چاہیے تاکہ میں کل ہی امی کے ساتھ تمہارے گھر پر دھاوا بول سکوں۔'' بیلا پھر شوخ ہو گئی۔ تو وہ نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''جی نہیں، میں کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ ابھی نہ سوچنے کے بعد۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ یہ کام میرے والدین کا ہے۔'' اس نے دامن نہیں بچایا تھا بلکہ وہ ایسا ہی سوچتی تھی۔

''تو مائی ڈیئر! ہم کون سا تمہارے والدین کی مرضی کے خلاف تمہیں اٹھا لے جائیں گے۔ ظاہر ہے بات تو ان ہی سے کرنی ہے اور کیا وہ تمہاری مرضی معلوم نہیں کریں گے؟''

''ضرور کریں گے اور میں شاید خاموشی سے سر جھکا دوں گی۔'' اس نے بے ساختہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر کہا۔

''پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ میں آج شام میں ہی ممی کو لے کر آ جاؤں گی اور کل تمہاری امی تم سے تمہاری مرضی معلوم کریں گی اور تمہارے سر جھکاتے ہی شادی۔'' بیلا کے پرجوش انداز پر اس کے ہونٹوں میں دبی ہنسی باہر آ گئی۔

''تم نے تو بیٹھے بیٹھے میری شادی کرا دی۔''

''اور بھی بہت کچھ کرا سکتی ہوں یہیں بیٹھے بیٹھے۔''

بیلا نے گردن اکڑائی تو وہ اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بس زیادہ اتراؤ نہیں۔ میری مرضی کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتیں۔''

''تمہاری مرضی مجھے پتہ ہے۔'' بیلا نے اپنا کندھا سہلاتے ہوئے شریر نظروں سے

اسے دیکھا تو وہ تیز قدموں سے کلاس روم کی طرف چل پڑی۔ حالانکہ جانتی بھی تھی کہ اب ادھر جانا بے کار ہے۔

☆☆☆

پھر یونیورسٹی کے بعد گھر جاتے ہوئے بیلا بار بار یہی کہتی رہی تھی کہ وہ آج شام میں اپنی ممی کے ساتھ ضرور آئے گی۔ اس لیے اس نے دوپہر میں اپنا سونا ملتوی کر دیا اور طلحہ کو سلا کر ڈرائنگ روم کی صفائی میں لگ گئی۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن وہ بیلا کا گھر دیکھ چکی تھی اور اس کے مقابلے میں اب اسے اپنا گھر چھوٹا اور کچھ میلا میلا سا لگ رہا تھا اور چھوٹے گھر کو بڑا کرنا تو اس کے اختیار میں نہیں تھا البتہ ہر شے چمکانے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر امی کے اُٹھنے سے پہلے اس نے نہا کر اپنا حلیہ بھی ٹھیک کر لیا۔ اس کے بعد بظاہر خود کو کچن میں مصروف کر لیا۔ لیکن اس کا سارا دھیان باہر کی طرف تھا اور کسی وقت اس شخص کو سوچنے لگتی جس نے اسے اپنی تلاش کا حاصل کہا تھا اور اس بات پر وہ حیران بھی ہو رہی تھی کیونکہ وہ خود کو عام سی لڑکی سمجھتی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کے مقابلے میں زینی بے انتہا حسین تھی اور اکثر اس کی موجودگی میں وہ پسِ منظر میں چلی جاتی تھی۔ لیکن اب اسے لگ رہا تھا جیسے ڈھونڈنے والے نے پسِ منظر سے اسے کھینچ لیا ہو۔ کتنا دلفریب تھا یہ خیال جس میں کھو کر اسے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ بیلا نے شام میں آنے کو کہا تھا اور اِدھر شام رخصت ہو رہی تھی۔ جب امی کے پکارنے پر وہ چونکنے کے ساتھ ہی بھاگتی ہوئی ان کے پاس آئی تھی اور بے اختیار پوچھا۔

''کون آیا ہے امی؟''

''کوئی نہیں...... میں کہہ رہی تھی تمہارے ابو کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔ روٹی ڈال لو۔'' امی نے کہا تو وہ کچھ مایوس سی ہو کر واپس کچن میں آ گئی لیکن اس کا انتظار ختم نہیں ہوا تھا۔ رات دیر تک وہ طلحہ کو کندھے سے لگا کر برآمدے میں ٹہلتی رہی اور باہر گزرنے والی ہر گاڑی کی آواز پر اس کا دل بے قابو ہوتا رہا۔ جب ٹہلتے ٹہلتے اس کی ٹانگیں شل ہونے لگیں' تب (اپنے کمرے میں

آتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے پوچھا تھا۔

''بیلا نے میرے ساتھ ایسا مذاق کیوں کیا۔'' پھر دیر تک کڑھنے کے بعد آخر میں اس نے سوچ لیا کہ وہ بیلا پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دے گی۔

اور اگلے روز وہ واقعی یوں انجان بن گئی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ جس پر بیلا پہلے حیران ہوئی' پھر اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''میرا خیال تھا تم مجھ سے ناراض ہو گی۔''

''کیوں بھئی؟'' اس نے بیلا سے زیادہ حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''وہ کل میں نے آنے کو کہا تھا۔''

''میں تو سمجھی یونہی مذاق کے موڈ میں آ کر پتہ نہیں کیا بکواس کر گئی ہو۔'' اس نے ہنس کر بیلا کی بات اڑائی تو وہ چیخ پڑی۔

''میں نے کوئی بکواس نہیں کی تھی۔ سچ کہا تھا۔''

''ارے ارے تو اُس میں خفا ہونے والی کیا بات ہے۔ میں نے مان لیا تم نے سچ کہا تھا۔'' اس نے بیلا کو ریلیکس کرتے ہوئے آخر میں بے اختیار پوچھا تھا۔

''پھر تم آئیں کیوں نہیں؟''

''میں اور ممی تو آنا چاہ رہی تھیں لیکن بھائی جان نے ہمیں روک دیا' اصل میں وہ......'' بیلا نے رُک کر یوں دیکھا کہ کہیں وہ خفا تو نہیں ہو گی۔ پھر قدرے خائف سے انداز میں بولی۔

''بھائی جان پہلے تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''کیوں؟'' اس کی پیشانی پر ہلکی ہلکی لکیریں نمودار ہو گئیں۔

''مجھے کیا پتہ...... تم خود ہی ان سے پوچھ لینا۔'' بیلا نے یوں کہا جیسے وہ ملنے کو تیار کھڑی ہو۔ جس پر وہ چیخ کر بولی۔

''جی نہیں! مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے ان سے ملنے کی نہ کچھ پوچھنے کی۔ اور تم مجھ سے

آئندہ اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا۔ سمجھیں!''

''میں تو سمجھ گئی ہوں لیکن بھائی جان کو کون سمجھائے۔'' بیلا بے بسی سے کہہ کر اس کی منتیں کرنے لگی۔ ردی پلیز تم ہامی بھرلو۔ یہ کوئی ایسی معیوب بات تو نہیں ہے۔ پتہ ہے امی پچھلے چار سالوں سے بھائی جان کو شادی پر آمادہ کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ خاندان میں' خاندان سے باہر کتنی لڑکیاں دکھائیں لیکن انہیں کوئی پسند ہی نہیں آتی۔ تم پہلی لڑکی ہو جس کے لیے خود انہوں نے کہا ہے۔ اب اگر تم ان کی یہ ذرا سی بات مان لوگی تو میری اور ان کی دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔ پلیز ردی میری خاطر......!''

''تمہاری خاطر۔'' وہ پرسوچ انداز میں بیلا کو دیکھنے لگی۔ پھر یوں نفی میں سر ہلایا جیسے اس کا دل اس بات پر آمادہ نہ ہو رہا ہو۔

''اس کا مطلب ہے تمہیں میری کوئی پروا نہیں۔'' بیلا کے روٹھے لہجے پر وہ زور دے کر بولی۔

''ہے......لیکن اس سے زیادہ مجھے اپنی عزتِ نفس کا پاس ہے اور ویسے بھی بیلا مجھے تمہارے بھائی کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ پہلے شادی کا فیصلہ' اس کے بعد ملنے کی شرط اور ملنے کے بعد پتہ نہیں کیا کہیں گے۔''

''نہیں! تمہیں انہیں غلط نہیں سمجھو۔ وہ بہت اچھے ہیں۔''

''میں ان کے اچھے ہونے پر شبہ نہیں کررہی بیلا اور نہ ہی انہیں غلط سمجھ رہی ہوں۔ مجھے صرف ان کی بات سے اختلاف ہے اور بس۔'' اس کا انداز بات ختم کردینے والا تھا اور بیلا نے سمجھ کر فوراً موضوع بدل دیا کیونکہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اور وہ ناراض کیا ہوتی بلکہ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس شخص نے ایسی شرط کیوں رکھی جسے مان کر اس کا جتنا نقصان ہوتا' اتنا ہی نہ مان کر ہوا تھا۔ بہرحال پھر دو دن نہیں گزرے تھے کہ بیلا نے دوبارہ اس موضوع کو چھیڑ دیا اور اس کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر روزانہ اسے قائل کرنے کی

سر توڑ کوشش کرتی۔ لیکن اسے بھی غالباً ضد ہو گئی تھی جو مسلسل نفی میں گردن ہلاتی رہتی۔ کتنے دن گزر گئے اس کی ناں' ہاں میں نہیں بدلی۔ تب اس روز بیلا ہی ناراض ہو کر چلی گئی تھی اور اس نے زیادہ پروا یوں نہیں کی کہ جانتی تھی کہ وہ زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی۔

اگلے روز جب آئے گی تو اسے یاد بھی نہیں ہوگا کہ کل وہ روٹھ کر گئی تھی کیونکہ اس سے پہلے کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ مطمئن تھی لیکن اگلے دن جب بیلا یونیورسٹی آئی ہی نہیں تب اسے کچھ تشویش ہوئی کہ کہیں وہ سچ مچ تو ناراض نہیں ہوگئی اور گو کہ وہ اس کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال سکتی تھی لیکن اس کی ناراضگی بھی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اور مشکل یہ تھی کہ اسے منانے کے لیے اب وہ اس کے گھر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ سارا وقت سوچنے کے بعد آخر وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ گھر جاتے ہی وہ پہلے فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرے گی۔ ہو سکتا ہے' اس کی طبیعت خراب ہو اور وہ اس لیے یونیورسٹی نہ آئی ہو اور اگر ناراضگی والی بات ہوئی تب پھر وہ اسے منانے کی کوئی اور ترکیب کرے گی۔ یہی سب سوچتے ہوئے وہ یونیورسٹی سے نکلی تھی کہ سامنے گاڑی میں بیلا کے بھائی کو دیکھ کر وہ یوں پریشان ہوئی کہ فوراً واپس پلٹ کر تیز تیز قدموں سے چلنے لگی تھی۔ لیکن چند لمحوں بعد ہی بالکل قریب گاڑی کے تیز ہارن نے اس کے قدم روک لیے۔

''میرے خدا!'' اس نے اپنے سینے پر جمی فائل کو بازوؤں سے دبا کر ایک طرح سے زور زور سے دھڑکتے دل پر قابو پانے کی کوشش کی۔ پھر قدرے ناگواری سے اسے دیکھا جو اتر کر اس کی طرف آرہا تھا۔ پھر بغیر کچھ کہے اس کے سامنے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تو وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔

''جی نہیں شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔''

''میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا پلیز۔'' وہ اس کی بات یکسر نظر انداز کر کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا تو وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

''میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے کہ میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر......''

"آپ چاہتے کیا ہیں؟" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے گھبرا کر بولی تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

"یہی تو بتانا ہے آپ کو کہ میں کیا چاہتا ہوں اور یہ میں یہیں کھڑے کھڑے بھی بتا سکتا ہوں لیکن....." وہ خاموش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم اس پر نظریں جما کر بولا۔

"نہیں! میرا خیال ہے یہاں مناسب نہیں ہے۔ آپ کے لیے مشکل ہو گی۔ چلیں بیٹھیں! میں آپ کے لیے بالکل اجنبی نہیں ہوں۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن پھر کسی خیال کے تحت خاموشی اختیار کر کے بیٹھ گئی تھی۔

"شکریہ!" اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ پھر ایک نظر اس پر ڈال کر کہنے لگا۔

"بیلا نے آپ سے میرے بارے میں جو کچھ کہا' اسے میں چند لفظوں میں یوں دہراؤں گا کہ میں نے آپ کو دیکھا اور پسند کرنے کے ساتھ ہی شادی کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ جبکہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ آپ کون ہیں' کہاں رہتی ہیں اور آیا کہیں انگیج تو نہیں وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال پھر بیلا کے ذریعے یہ ساری باتیں بھی معلوم ہو گئیں۔ اس کے بعد آپ کہیں گی کہ سیدھا سادا طریقہ یہ تھا کہ میں پرپوزل بھیج دیتا۔ یقیناً میں ایسا ہی کروں گا لیکن اس سے پہلے مجھے آپ کی طرف سے یقین چاہیے۔"

"کیسا یقین؟" اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"پہلے مجھے آپ ہی کی بات دہرانی پڑے گی جو آپ نے بیلا کے پوچھنے پر کہی تھی کہ آپ کے والدین پرپوزل کے بارے میں آپ کی مرضی معلوم کریں گے تو آپ خاموشی سے سر جھکا دیں گی۔ اس کا مطلب ہے کسی بھی پرپوزل پر آپ کا جواب یہی ہو گا۔" اس نے کہہ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ البتہ اندر ہی اندر الجھنے لگی تھی کہ جانے وہ کیا چاہتا ہے۔

"آپ نے جواب نہیں دیا۔" کچھ دیر انتظار کے بعد اس نے پوچھا تو وہ چونک کر

بولی۔

"کس بات کا؟" پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگی۔

"آئی ایم سوری۔ میں آپ کی باتیں سمجھ نہیں پائی۔ پتہ نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں آپ کے منہ سے یہ سننا چاہتا ہوں کہ آپ صرف میرے پرپوزل پر سر جھکائیں گی اور بس۔"

"اچھی زبردستی ہے۔" اس نے سوچا اور گردن موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی جانے پہچانے راستوں پر دوڑ رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں آپ کیا سوچ رہی ہیں۔ میں زبردستی نہیں کر رہا۔" وہ اسے متوجہ کیے بغیر کہنے لگا۔

"یعنی ضروری نہیں ہے کہ آپ یہی کہیں جو میں چاہتا ہوں۔ آپ اس کے برعکس بھی کہہ سکتی ہیں۔"

وہ بظاہر اس کی طرف متوجہ نہیں تھی لیکن اس کی ایک ایک بات سن رہی تھی۔ پھر بھی اس کے جواب میں کچھ نہیں بولی اور قدرے توقف سے گردن سیدھے رُخ پر موڑ کر پوچھنے لگی۔

"بیلا! آج یونیورسٹی کیوں نہیں آئی؟"

"آج ممی کو اسلام آباد جانا تھا' اس لیے اس نے چھٹی کر لی حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی لیکن اسے بس موقع چاہیے ہوتا ہے چھٹی کرنے کا۔" اس نے بتایا تو وہ بس یونہی کہہ گئی۔

"آپ کی ممی اسلام آباد گئی ہیں؟"

"ہوں اور انہیں آنے میں کچھ دن بلکہ ہفتے لگیں گے۔" اس نے کہہ کر یوں ہونٹ بھینچے جیسے خود کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا ہو۔

"تو کیا اتنے دن بیلا یونیورسٹی نہیں آئے گی؟"

"پتہ نہیں۔" وہ جیسے اس کے غیر ضروری سوالوں سے اتنا تپا تھا جس کا اظہار اس کے

لہجے سے ہوا تو اس نے سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی اور بقیہ راستہ اسی خاموشی میں طے ہوا۔ پھر اس کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر وہ قصداً سگریٹ سلگانے میں لگ گیا تو وہ نیچے اُتر کر اسے دیکھنے لگی اور جیسے ہی اس نے سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر انگلیوں میں دبایا' وہ شیشے پر جھک کر کہنے لگی۔

''جس شخص نے مجھے دیکھتے ہی پسند کرنے کے ساتھ شادی کا فیصلہ بھی کر لیا گو کہ میں اس شخص کا نام تک نہیں جانتی' پھر بھی صرف اسی کے پروپوزل پر سر جھکاؤں گی اور بس۔''

اس کی آنکھیں یکبارگی چمکنے لگی تھیں اور ایسی ہی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''عازم آفندی۔''

☆☆☆

وہ اپنی زندگی میں آنے والے اس نئے موڑ پر بہت خوش تھی اور چاہتی تھی کہ زینی کو عازم کے بارے میں بتائے لیکن ان دنوں زینی عفان کے ساتھ اس کے آفس جانے لگی تھی۔ اس لیے یہاں اس کی آمدورفت کم ہو گئی تھی اور آتی بھی تھی تو شام میں بس تھوڑی دیر کے لیے اور عفان بھی اس کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ جب ہی اسے موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ دونوں آئے تو بہت عجلت میں تھے۔ وہ چائے بنانے کے لیے اُٹھی تو عفان کو ابو کے ساتھ باتوں میں مصروف دیکھ کر چپکے سے زینی کو اشارہ کرتے ہوئے کچن میں آ گئی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' کچھ دیر بعد زینی نے اس کے پیچھے آ کر پوچھا تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

''اتنی سی دیر کے لیے کیوں آتی ہو تم؟ کوئی بات ہی نہیں ہو سکتی تم سے۔''

''آ جاتی ہوں یہ بھی بہت ہے ورنہ آفس کے بعد کہاں ہمت ہوتی ہے کہیں جانے کی۔'' زینی نے اسٹول کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کس نے کہا تھا تم سے آفس جوائن کرو۔ آرام سے گھر نہیں بیٹھ سکتیں۔''

''کوئی آرام سے بیٹھنے دے تب ناں!'' زینی نے تلخی سے کہا تو وہ کچھ ٹھٹک گئی۔

''کیوں......؟ تمہاری ساس اور نندیں تو بہت اچھی ہیں۔''

''ہاں! سب اچھے ہیں۔ بس ایک میں بری ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ ان کے گھر کے آنگن میں اب تک کوئی پھول نہیں کھلا سکی۔ اس لیے اُٹھتے بیٹھتے یہی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ شادی کو ایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔ وہ تو شکر ہے عفان اچھے ہیں جو ان باتوں پر دھیان نہیں دیتے۔ لیکن کب تک......؟ آخر ایک دن وہ بھی ان ہی کی زبان بولنے لگیں گے۔ ایک روز دبے لفظوں میں کہا بھی تھا کہ میں اپنا چیک اپ کرا لوں۔''

آخری بات کہہ کر زینی ایک لحظہ کو خاموش ہوئی۔ پھر سر جھٹک کر بولی۔

''چیک اپ کی ضرورت مجھے نہیں انہیں ہے۔''

''اُفوہ آپی! اب انہیں پتہ تھوڑی ہے کہ......'' کوریڈور میں عفان کی آواز سن کر وہ ایک دم خاموش ہو گئی اور جلدی جلدی ٹرے میں کپ رکھنے لگی۔ تبھی عفان دروازے میں آ کر بولا۔

''آج چائے بننے میں اتنی دیر......! اچھا زینی یہاں موجود ہے۔ پھر تو آج کی تاریخ میں چائے نہیں ملے گی۔''

''بس تیار ہے عفان بھائی! آپ چلیں' میں لے کر آتی ہوں۔'' اس نے ٹی پاٹ میں چائے دم کرتے ہوئے کہا تو عفان جاتے جاتے پھر پلٹ آیا اور زینی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''سنو! تم نے رومی کو اس پروپوزل کا بتایا ہے؟'' اس نے چونک کر دیکھا تو زینی اس سے نظریں چرا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''کیوں نہیں بتایا' اتنا اچھا پروپوزل ہے۔'' عفان نے زینی کو ٹوکا۔ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

''رومی! میرا ایک دوست ہے۔ ابھی دو مہینے پہلے ایک ایکسیڈنٹ میں اس کی بیوی

کا انتقال ہو گیا تھا۔ دو بچے ہیں' ایک دو سال کا اور دوسری بچی بہت چھوٹی ہے' شاید چار پانچ مہینے کی اور اسی کی خاطر وہ جلدی شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے تمہارا ذکر کیا تو......"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ بنا سوچے سمجھے ایک دم بگڑ گئی۔

"میں دو بچوں کے باپ سے' آخر آپ نے کیا سوچ کر......"

"یہی کہ تمہارا ابھی ایک بچہ ہے۔" عفان نے بڑے آرام سے اسے زلزلوں کی زد میں دھکیل دیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے زینی کو دیکھنے لگی جو سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کھیل رہی تھی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کہا رومی! تم اچھی طرح سوچ لو اور ذرا جلدی ہے۔" عفان سمجھانے کے انداز میں کہتا ہوا کچن سے نکل گیا تو وہ ایک دم ہوش میں آ کر زینی کے قریب آ گئی۔

"سنا تم نے عفان بھائی کیا کہہ گئے ہیں اور یہ تم اتنے اطمینان سے کیسے بیٹھی ہو۔ اب تک انہیں بتایا کیوں نہیں کہ طلحہ میرا نہیں......" زینی نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور آواز دبا کر بولی۔

"یہ تمہارا نہیں میرا مسئلہ ہے۔ میں چاہے ساری زندگی نہ بتاؤں عفان کو۔ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق نہیں پڑتا......! وہ جو دو بچوں کے باپ سے......"

"صرف کہا ہے ناں انہوں نے۔ زبردستی کرا تو نہیں دی تمہاری شادی اور نہ کرا سکتے ہیں۔ آج تم صاف انکار کر دو گی تو آئندہ وہ تمہارے بارے میں سوچیں گے بھی نہیں۔" زینی نے اس کی بات کاٹ کر الٹا اس پر بگڑتے ہوئے کہا۔

"تم خود منع کر دینا انہیں اور یہ چائے تیار ہے' لے جاؤ۔" وہ بری طرح سلگ رہی تھی۔

زینی نے اسٹول چھوڑ کر چائے کی ٹرے اٹھائی اور جاتے جاتے بولی تھی۔

"تم بھی آ جاؤ۔"

"ہونہہ......!" وہ سر جھٹک کر زینی کے پیچھے نکلی ضرور لیکن اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ عفان سے زیادہ اب اسے زینی پر غصہ آ رہا تھا۔ جو بجائے اسے تسلی دینے کے الٹا بگڑ رہی تھی۔ گویا کہ اس کے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں تھی۔ کتنی دیر وہ اس کے رویے پر کڑھتی رہی۔ جب امی نے پکار کر زینی کے جانے کا بتایا تب بھی وہ منہ پھلائے ہوئے کمرے سے نکلی تھی۔

"پاگل مت بنو' کچھ دنوں میں سب ٹھیک کر لوں گی۔" زینی نے اس کے گلے لگتے ہوئے سرگوشی میں کہا اور فوراً اس سے الگ بھی ہو گئی تو وہ بس اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"اچھا ہوا' ابھی عازم کے ہاں سے باقاعدہ پرپوزل نہیں آیا ورنہ کتنی مشکل ہو جاتی۔" اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ یہ معاملہ کتنا سنگین ہے۔ جب ہی بہت سنجیدگی سے اس نہج پر سوچنے لگی تھی کہ جب تک طلحہ زینی کے پاس نہیں چلا جاتا تب تک وہ عازم کو روکے رکھے گی اور اس کے لیے سیدھا سادا بہانا یہی ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے ایم اے کرنا چاہتی ہے۔

☆☆☆

"تمہاری ممی اسلام آباد سے آ گئیں؟" اگلے روز بیلا سے یونہی باتوں کے درمیان اس نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا لیکن وہ اچھل کر چیخی۔

"اچھا' تمہیں ممی کا انتظار ہے۔"

"کیا مطلب......؟" وہ یکسر انجان بن گئی۔

"یعنی اب مطلب بھی میں سمجھاؤں۔ بھائی جان سے پوچھنا جن کے ساتھ ریستوران میں آئس کریم کھانے گئی تھیں۔"

"ہاں گئی تھی پھر۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" وہ بھی ڈھیٹ بن گئی۔

"نہیں' بلکہ مجھے خوشی ہے اور تمہاری طرح میں بھی ممی کا شدت سے انتظار کر رہی ہوں۔ کل ان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھیں ایک دو دن میں آ جاؤں گی۔" بیلا نے لہک کر اپنی امی کی آمد کا بتایا پھر کہنے لگی۔

"بس تم تیاری کر رکھو۔ ہم چٹ منگنی پٹ بیاہ کریں گے۔"

"جی نہیں، میں ایم اے کرنے کے بعد ہی شادی کا سوچوں گی، اس سے پہلے نو..... نیور۔" اس نے نفی میں گردن ہلانی شروع کی تو بیلا اس کی چوٹی کھینچ کر بولی۔

"بکو مت، کوئی ایسی پڑھاکو نہیں ہو تم۔"

"پھر بھی میں یہ دو سال پورے کروں گی۔ اگر تمہیں اپنے بھائی کی شادی کی زیادہ جلدی ہے تو ان کے لیے کوئی اور....." وہ خود ہی ایک دم خاموش ہوگئی تو بیلا زور سے ہنسی تھی۔

پھر آخری کلاس اٹینڈ کر کے بیلا کے ساتھ باہر نکلی تو اسی وقت عازم نے گاڑی ان کے قریب روکی تھی۔ اس روز کے بعد سے ہر دوسرے دن وہ ڈرائیور کو بھیجنے کی بجائے خود آنے لگا تھا۔ اور اب اسے کہنا نہیں پڑتا تھا، وہ خود بیلا کے ساتھ بیٹھ جاتی تو وہ پہلے بیلا کو گھر اتارتا۔ اس کے بعد اس کے گھر تک کے راستے میں وہ ان چند دنوں ہی میں کتنی منزلیں طے کر چکے تھے۔ جن میں اب تک تو کوئی رکاوٹ نہیں آئی تھی لیکن کل عفان کی بات سے وہ اتنی خائف ہوگئی تھی کہ آج اپنا شفاف راستہ اسے دھندلا لگ رہا تھا۔ حسب سابق اپنے گھر آنے تک صرف بیلا ہی بولتی رہی اور پھر اسے وش کرتی ہوئی اتری تھی۔

"بہت فضول بولتی ہے، تم اسے ٹوکتی نہیں ہو۔" عازم نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا پھر جواب کے لیے اسے دیکھا لیکن اس کا دھیان کہیں اور تھا تب بھی کچھ نہیں بولی۔ تو قدرے توقف سے وہ اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگا۔

"سنو، تم نے اپنے گھر میں میرا ذکر کیا ہے؟"

"ابھی نہیں۔"

"کیوں، میرا مطلب ہے ممی آنے والی ہیں اور ان کے آتے ہی....."

"نہیں عازم!" وہ فوراً بول پڑی۔ "ابھی آپ اپنی ممی کو نہیں بھیجے گا۔ کیونکہ دو مہینے بعد امتحان ہیں پھر ایک سال رہ جائے گا وہ بھی میں چاہتی ہوں مکمل کرنے کے بعد....."

"اوہ نو۔" اس نے ٹوک دیا۔ "اتنا انتظار کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ممی تو کسی صورت نہیں مانیں گی۔ میں زیادہ سے زیادہ ان ہی امتحانوں تک انہیں روک سکوں گا۔"

"اس کے بعد بھی آپ کو روکنا ہے کیونکہ میں پڑھائی درمیان میں نہیں چھوڑنا چاہتی۔ آپ کو اندازہ نہیں، مجھے کتنا شوق ہے۔"

"تم اپنا شوق ضرور پورا کرنا، بلکہ ایم اے کے بعد بھی چاہو گی تو میں تمہیں پڑھنے سے نہیں روکوں گا اور اب پلیز اس موضوع کو ختم کردو میں پتہ نہیں آج کیا کیا سوچ کر آیا تھا۔"

آخر میں عازم نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ خاموش ہوگئی۔ یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ کیا سوچ کر آیا تھا۔ کیونکہ اس کا ذہن اپنے مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور کوئی دوسری بات سمجھ میں ہی نہیں آرہی تھی۔

گھر آکر وہ کتنی دیر الجھتی رہی اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسے عازم کو اصل بات بتا دینی چاہیے کہ اس طلحہ اس کی آپی کا بیٹا ہے اور یہ کہ ان کے شوہر کو اس کا علم نہیں ہے اور نہ ہی انہیں معلوم ہونا چاہیے۔ اس کے بعد اسے یقین تھا کہ عازم عفان کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کرے گا۔ جس سے اسے کوئی شبہ ہو۔ بہرحال عازم کو ہم راز بنانے کا سوچ کر وہ کافی مطمئن ہوگئی تھی اور اگلے روز جب وہ یونیورسٹی جانے کے لیے گھر سے نکلنے والی تھی اسی وقت بیلا کا فون آگیا۔

"سنو، یونیورسٹی جانا ملتوی کردو۔" بیلا نے چھوٹتے ہی کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ میں کہہ رہی ہوں اور فوراً تیار ہو جاؤ۔ میں ابھی تمہیں لینے آرہی ہوں۔" بیلا نے خاصے شاہانہ انداز میں اس پر رعب جمایا تو وہ قدرے جھنجھلا کر بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ ہے کہ آج میری برتھ ڈے ہے اور میں ہمیشہ کی طرح سب کو بلا چکی ہوں۔ لیکن ابھی تک انتظام کچھ بھی نہیں ہوا۔ اصل میں ممی نہیں ہیں ناں، سارا انتظام تو وہی کرتی

ہیں' میں تو بس......''

''ہاں' تم تو بس دیکھنے کی ہو اور یہ ممی کے بغیر برتھ ڈے منانے کا کیا تک ہے۔ دو دن انتظار نہیں کر سکتی تھیں۔'' اس نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''بالکل کر سکتی تھی۔ لیکن ممی کا پروگرام اب کچھ لمبا ہو گیا ہے۔ وہ جو دو دن میں آنے والی تھیں اب شاید دو ہفتے بعد آئیں۔ کیونکہ ادھر میری کزن کی شادی طے پا گئی ہے۔ اس کے لیے انہیں پھر جانا پڑتا۔ خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ تم بس تیار رہو۔ بھائی جان آفس پہنچتے ہی گاڑی واپس بھجوا دیں گے پھر میں تمہیں لینے پہنچ جاؤں گی' او کے۔''

بیلا نے جلدی جلدی تفصیل بتا کر فون بند کر دیا۔ تو اس نے پہلے امی کے پاس جا کر انہیں یہ ساری باتیں بتا کر بیلا کے ساتھ جانے کی اجازت لی پھر اپنے کمرے میں آ کر خصوصاً شام میں پہننے کے لیے اچھے سوٹ کا انتخاب کرنے لگی۔

پھر بیلا کے آنے تک وہ تیار تھی۔ اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھا کر امی کے پاس آئی تو بیلا انہیں بہت اصرار سے شام میں: پنے گھر آنے کو کہہ رہی تھی۔

''بیٹا! تمہاری امی یہاں ہوتیں تو میں ضرور آتی۔ اب تمہاری سہیلیوں میں' میں کیا کروں گی۔'' امی کا عذر ٹھیک تھا۔ اس نے بھی تائید کی۔

''صرف میری سہیلیاں تھوڑی ہوں گی آنٹی! اور لوگ بھی تو ہوں گے' میرے چچا' چچی' پھوپھو اور......''

''ابھی رومی جا رہی ہے ناں' میں پھر کبھی آ جاؤں گی۔ آج طلحہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہاں تنگ کرے گا۔'' امی نے بیلا کا گال تھپکتے ہوئے کہا۔

''ارے ہاں امی! طلحہ کو دوا پلا دی آپ نے؟'' اسے ایکدم خیال آیا تو فوراً بڑھ کر طلحہ کی پیشانی چھو کر دیکھی پھر جھک کر اس کے گال پر پیار کرتی ہوئی بولی۔

''اچھے بچے بیمار نہیں پڑتے اور امی کو تنگ بھی نہیں کرتے۔''

''میں اچھا!'' طلحہ ادھورے جملے بولنے لگا تھا۔

''ارے میرا بیٹا' سب سے اچھا۔'' اس نے پھر طلحہ کا گال چوما پھر امی کو جانے کا اشارہ کرتی ہوئی بیلا کے ساتھ باہر نکل آئی۔

پھر سارا دن بیلا کو ملازمین کے ساتھ مغز ماری کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پتہ نہیں وہ مطمئن کیوں نہیں ہو رہی تھی۔ ہر کام میں نقص پھر اسے دوبارہ سے کروانا۔ کتنی بار وہ ٹوکتے ٹوکتے رہ گئی کہ کہیں اسے برا نہ لگے۔ دوپہر کے کھانے پر کچھ سکون رہا۔ اس کے بعد بیلا کو اپنی شام کی تیاری کی فکر ہوئی تو وہ نیند کا بہانا کر کے تکیے میں منہ چھپا گئی اور واقعی اسے نیند تو آ رہی تھی۔ لیکن اس کا سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پھر بھی تھوڑی دیر کو آنکھ لگ گئی۔ حالانکہ سونے کے بعد وہ جلدی نہیں اٹھتی تھی لیکن اس وقت کیونکہ یہ دھڑکا تھا کہ کوئی آ نہ جائے' اس لیے کچھ دیر بعد ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بھی گئی تھی۔

پھر شام میں مہمانوں کی آمد سے پہلے اس نے پہلے بیلا کی تیاری میں مدد دی۔ اس کے بعد خود تیار ہو کر آئی تو کچھ مہمان آ چکے تھے۔ جن میں بیلا کی چچی' پھوپھو اور تین کزنز تھیں۔ بیلا نے خود اس کا تعارف کروایا اور اسے ان کے پاس چھوڑ کر خود غالباً اور مہمانوں کو ریسیو کرنے باہر نکل گئی تھی۔ وہ سب گھر کے لوگ تھے' اس لیے ان کے درمیان اپنے آپ کو بہت اجنبی محسوس کر کے وہ کچھ دیر میں ہی اٹھ گئی اور ایک ملازم سے بیلا کا پوچھ کر باہر آ رہی تھی کہ کوریڈور میں وہ اچانک نہ صرف سامنے آیا بلکہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''وہ' بیلا کہاں ہے؟'' وہ اس کی والہانہ نظروں سے بری طرح نروس ہو گئی تھی۔ اس طرح تو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا اسے' اس کی بات کا جواب ہی نہیں دیا۔

''اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں' کوئی آ جائے گا۔'' وہ نروس تو تھی پریشان بھی ہوئی۔

''تو۔'' اس نے قدم بڑھا کر درمیانی فاصلہ مزید کم کیا۔

''تو پتہ نہیں، بس آپ سامنے سے ہٹ جائیں۔ مجھے جانے دیں پلیز۔'' اس نے گھبرا کر منت کی تو وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا۔

''لاؤ ہاتھ تھماؤ' میں لے چلتا ہوں' کہاں جانا ہے؟''

''عازم پلیز' اس طرح نہیں کریں' میں بہت نروس ہو رہی ہوں۔'' وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

''بے وقوف۔'' وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہتا سامنے سے ہٹ گیا تو وہ تیزی سے اس کے قریب سے گزر کر باہر آ گئی تھی۔

پھر سارا وقت وہ اس سے چھپنے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن ہر جگہ وہ جیسے پہلے سے موجود ہوتا تھا۔ پتہ نہیں اس کے ارادے کیا تھے' یوں لگ رہا تھا اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے اپنی پسند کا اعتراف کرے گا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی ہی شوخی تھی جو اس کا دل دہلائے دے رہی تھی۔ بہت مجبور ہو کر آخر اس نے بیلا کو جا لیا۔

''یہ کیا حرکت ہے' میں پریشان ہو رہی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''کیا؟ کیا ہوا؟'' بیلا نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''کیوں پریشان ہو رہی ہو' کسی نے کچھ کہا ہے۔''

''ہاں بتاؤ' کس نے کہا ہے۔'' وہ یہاں بھی آ موجود ہوا۔

''آپ۔'' وہ روٹھے لہجے میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک خاتون درمیان میں آ گئیں۔ اسے مخاطب کر کے بولیں۔

''عازم! وہ میں نے تم سے جاوید کے لیے کہا تھا۔''

''جی آنٹی! کل آپ اسے میرے آفس بھیج دیجیے گا' اس کا کام ہو جائے گا۔''

''پکی بات؟''

''جی' میں پکی بات ہی کرتا ہوں۔'' وہ اس پر نظر ڈال کر مسکرایا تھا۔

''خوش رہو۔'' خاتون نے کہا پھر بیلا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دیکھا تو بیلا فوراً بولی۔

''آنٹی! یہ میری دوست ہے' زرمیلہ۔''

''ہاں کچھ دیکھی بھالی لگ رہی ہے۔'' خاتون نے ذرا سا ذہن پر زور ڈالا۔ پھر کہنے لگیں۔ ''ہاں عفان کی شادی میں دیکھا تھا۔ تم اس کی سالی ہو ناں؟''

''جی' آپ عفان بھائی کی کون ہیں؟'' اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

''میں اس کی خالہ ہوتی ہوں' کچھ دور کی۔ اس لیے بس خاص موقعوں پر ہی جانا آنا ہوتا ہے۔ تمہاری امی ٹھیک ہیں۔''

''جی۔'' وہ اس کی نظروں سے بچنے کی خاطر قصداً پوری طرح خاتون کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کر رہی تھی کہ ان کے اگلے سوال نے اسے چکرا کر رکھ دیا۔

''اور وہ تمہارا بیٹا' اب تو ماشاءاللہ چلنے لگا ہو گا۔''

''میرے خدا۔'' وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی لیکن نظریں اٹھ کے نہیں دیں۔

''تمہارا بیٹا.....! وہ طلحہ تمہارا.....'' بیلا نے حیرت اور بے یقینی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف موڑا۔ تو اس خاتون کی موجودگی کے باعث وہ انتہائی مشکل میں گھر گئی۔ انکار کرنے کا مطلب تھا' یہ بات زینی کے سسرال تک پہنچ جاتی اور اقرار اس کی محبت کا قاتل۔

''لیکن تم نے تو بتایا تھا' وہ تمہاری .....'' بیلا سچ کہنے جا رہی تھی کہ وہ بول پڑی۔

''نہیں۔ میرا' میرا مطلب ہے .....''

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔ بے حد گھبراہٹ میں نظریں اس کی طرف اٹھیں تو دھک سے رہ گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جن آنکھوں میں اس کے لیے وارفتگی اور والہانہ پن تھا۔ وہاں ملامت کے ساتھ جانے اور کیا کچھ تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر بول کر زینی کا گھر اجڑنے کا

سامان کر دے یا پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور اتنے لوگوں کی موجودگی میں یہ دونوں باتیں ممکن نہیں تھیں۔ تب اس نے بہت ہی بے بسی سے بیلا کو دیکھا تھا۔

"بہت دیر ہوگئی اب مجھے چلنا چاہیے۔"

"ارے ابھی تو......" بیلا کسی خاص آئیٹم کے باقی ہونے کا کہنے جا رہی تھی کہ وہ بول پڑا۔

"کچھ باقی نہیں ہے۔ جانے دو انہیں ان کا......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ خاصا جارحانہ انداز تھا۔ جسے اس کے ساتھ بیلا نے بھی محسوس کیا جب ہی معذرت کرتی ہوئی بولی۔

"سوری، تم پلیز مائنڈ نہیں کرنا بھائی جان شاید......"

"تم کیسے مجھے چھوڑنے جاؤ گی؟" اس نے بیلا کی بات ان سنی کر دی۔

"میرا مطلب ہے تمہارے مہمان موجود ہیں۔"

"ہاں تو میں کون سا تمہیں ابھی جانے دے رہی ہوں۔ آرام سے بیٹھو سب کے جانے کے بعد اطمینان سے تمہیں چھوڑ آؤں گی۔" بیلا نے دوستی پر آنچ نہیں آنے دی جب ہی مخصوص انداز میں کہا لیکن اس کے لیے اب مزید رکنا بہت مشکل تھا۔ اس لیے بہت عاجزی دکھا کر بیلا کو مجبور کر دیا۔

"چلو دیکھتی ہوں۔ ڈرائیور ہوا تو چھوڑ آئے گا تمہیں۔" بیلا اسے ساتھ لے کر باہر آئی تو عازم جانے کہاں جانے کے لیے گاڑی نکال رہا تھا۔

"لو گاڑی تو بھائی جان لے جا رہے ہیں۔"

"انہیں روکو پلیز، میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" وہ اچانک اس خیال سے کہ راستے میں اسے سب سچ بتا دے گی۔ فوراً اس کے ساتھ جانے پر تیار ہوگئی تو بیلا نے وہیں سے پکار کر عازم کو رکنے کا اشارہ کیا پھر اسے ساتھ لے کر قریب جا کر بولی۔

"روی کو گھر جانا ہے۔ آپ پہلے اسے......" وہ بیلا کو بات کرتا چھوڑ کر دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گئی۔ یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ آمادہ ہوا کہ نہیں اور نہیں ہوا تب بھی اس کے بیٹھ جانے سے مجبور ہو گیا تھا۔ جب ہی ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھائی اور پھر گیٹ سے نکلتے ہی اسپیڈ سے بھگانے لگا تھا۔ جانے یہ اس کے غصے کا اظہار تھا، ناراضگی کا یا نفرت کا۔ وہ سمجھ نہیں پائی اور بہت ڈرتے ڈرتے پہلے اسے کن اکھیوں سے دیکھا پھر ساری ہمتیں یکجا کر کے اسے مخاطب کیا۔

"عازم! اگر آپ میرے بات سن لیں تو......"

"جو بات اس وقت آپ نہیں جھٹلا سکیں، اسے اب جھٹلانے کی سعی فضول ہے اور کیوں جھٹلانا چاہتی ہیں۔ بچے کی ماں ہونا کوئی جرم تو نہیں ہے۔" اس کے چبھتے ہوئے طنز آمیز لہجے پر ایک لحظہ کو اس کا دل بری طرح کانپا تھا۔

"میں کچھ نہیں جھٹلا رہی۔ صرف آپ کو حقیقت بتانا چاہتی ہوں۔ پلیز گاڑی آہستہ کریں اور سنیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

"سوری، میرے اندر حقیقت جاننے کا کوئی اشتیاق ہے نہ تجسس۔"

اتنی سی دیر میں وہ کتنا اجنبی ہو گیا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی پھر بھی گاڑی رکنے پر اسے گھر آنے کا پتہ چلا تھا۔ اترنے سے پہلے بس ایک نظر اس پر ڈال سکی اس کے بعد اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں اور اس کے سامنے مزید بکھر کر وہ خود کو بے مایہ نہیں کر سکتی تھی اس لیے فوراً رخ موڑ کر اندر آ گئی۔ اور اپنے پیچھے گیٹ بند کر کے پہلے آنکھیں صاف کیں پھر لاؤنج تک آتے آتے کافی حد تک خود پر قابو پا لیا۔ لیکن سامنے زینی کو بیٹھے دیکھ کر اس کے چہرے پر اپنے آپ کچھ ناگواری کا تاثر ابھر آیا تھا۔ اگر زینی اس کی طرف متوجہ ہوتی تو فوراً محسوس کرتی لیکن وہ اتفاق سے طلحہ کے ساتھ مصروف تھی۔ بہت سرسری انداز میں اسے دیکھ کر طلحہ سے بولی۔

"لو آ گئی تمہاری......"

"تم کب آئیں؟" اس سے پہلے کہ زینی ماں کہتی، وہ بول پڑی۔

"دوپہر میں' عفان کو کسی کام سے لاہور جانا تھا۔ مجھے یہاں چھوڑ گئے۔"

"اس کا مطلب ہے' رہوگی۔" اس نے اپنے کمرے کا رخ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں دو تین دن۔" زینی کا جواب سن کر وہ کمرے میں آ گئی اور پہلے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے پھر امی کا خیال کر کے کچن میں آئی لیکن وہ کھانا تیار کر چکی تھیں۔ وہ زینی کو تخت ست کہتی ہوئی اپنے لیے چائے بنانے لگی۔

"چائے کیوں بنا رہی ہو' کھانا نہیں کھاؤ گی؟" امی نے ٹوکا۔

"نہیں' اتنا کچھ کھا لیا اب کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔" وہ ریک پر سے مگ اتارتی ہوئی بولی۔

"یلا بھی آئی ہے تمہارے ساتھ؟" امی نے کھانا نکالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں' میرا مطلب ہے' وہ باہر ہی سے چلی گئی کیونکہ ابھی اس کے ہاں مہمان موجود تھے۔ میں ان کے جانے تک انتظار کرتی تو بہت دیر ہو جاتی اور میں اب تھک بھی گئی تھی اس لیے اس سے کہا پہلے مجھے چھوڑ آؤ۔"

وہ اپنے کام میں مصروف رہ کر بول رہی تھی اور امی بھی کیونکہ مصروف تھیں' اس لیے "اچھا کیا" کہہ کر چلی گئیں تو اس نے گہری سانس کھینچ کر دل پر پڑے بوجھ کو سرکانے کی سعی کی پھر مگ میں چائے انڈیل کر اپنے کمرے میں آ گئی اور نئے سرے سے اس ساری صورت حال کو سوچتے ہوئے اس کی نظروں میں عازم کا تیزی سے رنگ بدلتا چہرہ آسمایا کہ پہلے ہی مقام پر اس نے سمجھ لیا تھا جیسے وہ اسے دھوکہ دیتی رہی ہو۔ جب ہی تو بعد میں بھی کچھ سننے کو تیار نہیں ہوا' کیسے کہہ رہا تھا۔

"جو بات اس وقت آپ نہیں جھٹلا سکیں۔ اسے اب جھٹلانے کی سعی فضول ہے اور کیوں جھٹلانا چاہتی ہیں۔ بچے کی ماں ہونا کوئی جرم تو نہیں۔"

"ہاں کوئی جرم نہیں پھر تم کیوں اتنے متنفر ہو گئے عازم آفندی۔" اس نے دکھ سے سوچا

تب ہی زینی سے پکارتی ہوئی آ گئی۔

"اف' ایک تو تم نے سارا دن بور کیا اور ابھی بھی چھپ کر بیٹھ گئی ہو۔"

"بس ذرا تھک گئی ہوں۔" اس نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر مگ ایک طرف رکھا پھر تکیہ سیدھا کر کے اس کے ساتھ کمر ٹکاتی ہوئی بولی۔ "تم سناؤ' آج آفس تو نہیں گئی ہو گی؟"

"گئی تھی لیکن صبح تو عفان کا لاہور جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ یا ہو سکتا ہے مجھ سے ذکر کرنا بھول گئے ہوں۔ ایک بجے ڈاکٹر کے ہاں سے نکلے تو کہنے لگے۔ فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے اور پھر وہیں سے مجھے یہاں چھوڑ دیا۔" زینی نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

"خیریت' ڈاکٹر کے پاس کیوں گئی تھیں؟"

"چیک اپ کے لیے' اس روز میں نے تمہیں بتایا تو تھا میری ساس نند بچہ بچہ کر رہی ہیں اور سارا الزام مجھ پر' اس لیے آج میں عفان کے ساتھ گائناکولوجسٹ کے پاس چلی گئی۔"

"کیا کہا اس نے......؟"

"کچھ نہیں' کوئی میڈیسن بھی نہیں دی' بس یہی بولی' اللہ کی مرضی۔" زینی نے لاپروائی سے کہہ کر سر جھٹکا' جیسے اسے معلوم تھا ڈاکٹر یہی کہے گی پھر قدرے توقف سے اپنے آپ کہنے لگی۔

"میں سوچ رہی ہوں اب مجھے عفان کو طلحہ کے بارے میں بتا دینا چاہیے۔ کیونکہ تمہارے لیے پروپوزل آنے لگے ہیں۔"

"کیا؟" وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ "کیا کہا تم نے۔ میرے لیے پروپوزل' کون آیا ہے؟"

"تو تمہیں نہیں پتہ' ایک تو اس لائن میں جو چوتھا گھر ہے وہاں سے اور ایک تیسرے بلاک سے دو خواتین آئی تھیں۔ امی بتا رہی تھیں انہوں نے تمہیں یونیورسٹی جاتے آتے ہوئے دیکھا اور تمہاری غیر موجودگی میں آئی ہوں گی۔ امی نے تمہیں نہیں بتایا؟" زینی نے پروپوزل کا بتا کر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''بہرحال پروپوزل دونوں اچھے ہیں لیکن مسئلہ وہی طلحہ کا ہے ہر کوئی پہلے اس کا پوچھتا
ہے اور امی یہ تو کہہ دیتی ہے کہ ان کا نواسا ہے اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہے لیکن جب بات آگے
بڑھے گی تو......'' زینی خاموش ہو کر سوچنے لگ گئی۔ اس کے چہرے پر تفکر کی لکیریں بننے لگی
تھیں۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر ایک دم کوئی فیصلہ کر کے بولی تھی۔

''سنو آپی! تمہیں عفان بھائی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ امی سے کہہ دو
میرے لیے جو بھی آئے اس سے پہلی بات یہی کریں۔ طلحہ میرا بیٹا ہے۔''

''نہیں روبی! اس طرح تو کہیں بات نہیں بنے گی۔''

''نہ بنے، مجھے پروا نہیں۔'' اس نے کچھ تنفر سے کہا کیونکہ ذہن میں عازم کا رویہ تھا۔
زینی کے چہرے سے تفکر کی لکیریں یک لخت غائب ہو گئیں۔ اندر اطمینان جو اتر آیا تھا۔ لیکن
بظاہر اسے ٹوکتی ہوئی بولی۔

''پاگل مت بنو، میری خاطر تم کیوں......''

''تمہاری خاطر نہیں آپی!'' وہ بے اختیار کہہ کر ایکدم خاموش ہو گئی۔ پھر سر جھٹک کر
بولی۔

''چھوڑو یہ سب باتیں، کیا ضروری ہے، ہم ہمیشہ پریشان ہوتی رہیں۔ اس موضوع
سے ہٹ کر کوئی ہنسنے ہنسانے کی بات بھی تو ہو سکتی ہے۔''

''صبح یونیورسٹی جاؤ گی؟'' زینی کو موقع مل گیا فوراً موضوع بدل گئی۔

''نہیں، تمہاری خاطر چھٹی کروں گی۔'' وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔

''یہ تم بہت اچھا کرو گی، اب بتاؤ بیلا کی برتھ ڈے کیسی رہی، زیادہ مہمانوں کو بلایا تھا
یا......''

''کافی مہمان تھے۔'' اس نے کہا اور پھر یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے دونوں
نے آدھی سے زیادہ رات بتا دی تھی۔ اور وہ کیونکہ یونیورسٹی نہ جانے کا سوچ کر سوئی تھی۔ اس لیے

اگلے دن بہت دیر سے اٹھی اور پھر اپنا دھیان بٹانے کے لیے سارا وقت کبھی کسی کام میں مصروف ہو
جاتی اور کبھی زینی کے ساتھ باتوں میں، لیکن شام ہوتے ہوتے وہ ہر بات سے عاجز آ گئی۔ دل
چاہا اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جائے اور اس کے لیے وہ کوئی بہانا سوچ رہی تھی کہ بیلا کا فون
آ گیا۔ جس پر اسے حیرت تو ہوئی لیکن ظاہر نہیں کیا کیونکہ بیلا بھی بغیر کچھ جتائے پوچھ رہی تھی۔

''آج یونیورسٹی کیوں نہیں آئیں؟''

''وہ آپی آئی ہیں بس ان کی خاطر آج چھٹی کر لی۔''

''تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔ میرا مطلب ہے صبح مجھے فون کر کے بتا دیتیں کہ تم نہیں جا
رہیں تو میں بھی چھٹی کر لیتی۔ خواہ مخواہ جا کر بور ہوئی۔'' بیلا نے کچھ خفگی سے کہا۔

''اچھا، ویسے میرا خیال تھا، تم بھی آج کل کی تھکن اتارو گی۔''

''پروگرام تو یہی تھا میرا لیکن بھائی جان نے زبردستی بھیج دیا۔'' بیلا نے پتہ نہیں بھائی
جان پر زور دیا تھا یا اسے محسوس ہوا تھا۔

''اچھا کل کا کیا پروگرام ہے؟''

''تم جاؤ گی تو جاؤں گی ورنہ نہیں اور یہ تم مجھے ابھی بتا دو تا کہ میں اس وقت سے بیماری
کا ڈرامہ شروع کر دوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے، میں جاؤں گی۔''

اس نے کہہ کر فون بند کر دیا کیونکہ اسے لگ رہا تھا جیسے بیلا خواہ مخواہ معصوم بننے کی
کوشش کر رہی ہے جو کہ اسے نہیں کرنی چاہیے۔ اگر اس کے نزدیک کل کے واقعے کی کوئی اہمیت
نہیں تب تو اسے اور حقیقت جاننے پر اصرار کرنا چاہیے تھا۔ دوسری صورت میں اسے الزام دیتی
لیکن اس کا اس طرح پوز کرنا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو اسے بری طرح کھل رہا تھا۔ دوستی کے
رشتے سے اعتماد رخصت ہو جائے تو پھر صرف بناوٹ ہو جاتی ہے جو کہ اسے بالکل پسند نہیں تھی اور
نہ ہی وہ پوز کرنا چاہتی تھی اس لیے اگلے روز بیلا کے ساتھ اس کا انداز لیا دیا تھا۔ جسے بیلا نے محسوس

تو پہلے ہی مقام پر کرلیا تھا لیکن ٹو کا بہت دیر بعد۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا' تمہیں ہوا کیا ہے۔ حالانکہ ناراض مجھے ہونا چاہیے۔''

''کیوں؟'' اس نے سمجھنے کے باوجود سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''اس لیے کہ تم نے مجھ سے اتنی بڑی حقیقت چھپائی۔ جس کا مطلب ہے تم نے شروع ہی سے مجھے دوست نہیں سمجھا۔'' بیلا کے شکوے پر وہ قدرے بے نیازی سے بولی تھی۔

''دوستوں کو بھی ہر بات نہیں بتائی جاتی۔''

''چلو مان لیتی ہوں لیکن بھائی جان سے چھپا کر کیا تم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ اگر پہلے مقام پر بتا دیتیں تو وہ اتنے شاکڈ نہ ہوتے۔ تمہیں شاید یہ خدشہ تھا کہ تمہاری طرف بڑھتے ہوئے ان کے قدم واپس نہ پلٹ جائیں۔ ہے ناں؟''

بیلا نے تاسف سے کہتے ہوئے اس سے تصدیق چاہی تو وہ کچھ ناگواری سے ہونٹ بھینچ گئی۔

''نہیں رومیلہ! تم نے سخت غلطی کی' اس وقت تمہاری سچائی ان کے دل پر گھر کر سکتی تھی اور اب تم ان کی نظروں میں صرف فریبی اور......''

''شٹ اپ بیلا!'' وہ اندر ہی اندر تلملا کر دبے لہجے میں چیخی تھی۔ ''میں تمہیں اپنے لیے ایسے گھٹیا الفاظ بولنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ ٹھیک ہے مجھ سے غلطی ہوئی' میں نے پہلے نہیں بتایا لیکن اب تو معلوم ہو گیا ہے تمہارے بھائی جان کو تو ان سے کہنا' میری حقیقت قابل شرم نہیں ہے جسے سن کر وہ اتنے شاکڈ ہوئے ہیں۔''

''شاکڈ وہ تمہاری حقیقت سے نہیں بلکہ حقیقت چھپانے سے ہوئے ہیں۔'' اس کے خاموش ہوتے ہی بیلا بھی تیز لہجے میں بولی تھی۔

''یہ محض دامن چھڑانے کا بہانہ ہے بیلا! اور بس' ورنہ تمہارے بھائی جان کا دعویٰ یہ تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پسند کرنے کے ساتھ شادی کا فیصلہ بھی کر لیا تھا جبکہ انہیں یہ بھی معلوم

نہیں تھا کہ میں کون ہوں' کہاں رہتی ہوں؟ اور اس حساب سے تو ان کے لیے ساری باتیں بے معنی ہونی چاہیے تھیں۔ تب تو ان کا دعویٰ سچ ہوتا۔ لیکن وہ بھی ایک عام سے مرد ہیں۔''

اس کے اندر کا دکھ لہجے میں اترنے لگا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ کس ناکردہ جرم کی سزا پانے جا رہی تھی۔ دل الگ احتجاج کر رہا تھا اور اس سے پہلے کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوتی۔ لائبریری کی سیڑھیاں اتر کر تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔

''ارے تو مجھ سے کہاں بھاگ رہی ہو؟'' بیلا اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔ اس نے یونہی گردن موڑ کر اسے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں۔

''میرے ساتھ چلو گی ناں؟'' بیلا نے اپنی گاڑی آتے دیکھ کر پوچھا تو اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی۔ ایک گاڑی بالکل قریب آن رکی جس سے وہ بیلا کا ہاتھ کھینچتی ہوئی پیچھے ہٹی لیکن جب عفان پر نظر پڑی تو بہت حیران ہو کر قریب جا کر بولی۔

''عفان بھائی! آپ یہاں کیسے' میرا مطلب ہے لاہور سے آ گئے؟''

''آ گیا ہوں جب ہی تو نظر آ رہا ہوں۔ چلو بیٹھو۔''

عفان نے کہہ کر دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ تو اس نے بیلا کو خدا حافظ کہنے کے لیے پلٹ کر دیکھا تو نظریں اس پر جا ٹھہریں۔ اسٹیرنگ پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے آنکھوں میں خشونت لیے وہ اسے گھور رہا تھا۔ تب وہ جلدی سے عفان بھائی کے ساتھ بیٹھ گئی اور کچھ دیر خود پر قابو پانے کے بعد عفان کو دیکھ کر کہنے لگی۔

''آپی تو بتا رہی تھیں آپ دو تین روز کے بعد آئیں گے۔''

''ہوں۔'' عفان اپنی کسی سوچ میں تھا' اسی لیے بس ہوں کر کے رہ گیا' تو قدرے توقف سے وہ پوچھنے لگی۔

''آپی کو معلوم ہے آپ آ گئے ہیں؟''

''نہیں' اور تم بھی اسے نہیں بتانا۔ میں لاہور گیا ہی نہیں' یہیں تھا۔'' عفان کا انداز ابھی

بھی سوچتا ہوا اور پراسرار تھا۔ وہ کچھ ٹھٹک گئی۔

''کیا مطلب؟''

''سب مطلب سمجھ جاؤ گی۔ بس میری ایک بات کا جواب دے دو اور دیکھو سچ بولنا۔ وعدہ کرو سچ بولو گی۔'' عفان کی حد درجہ سنجیدگی سے وہ خائف سی ہوگئی۔

''ہاں، میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گی۔''

''تو بتاؤ طلحہ کس کا بیٹا ہے؟'' عفان ایک دم گاڑی کو بریک لگا کر اسے دیکھنے لگا تو وہ چکرا گئی اور نظریں چرا کر اپنے سینے پر یوں ہاتھ رکھا جیسے کہنا چاہتی ہو 'میرا' لیکن کہہ نہیں سکی۔

''اس کا مطلب ہے تمہارا نہیں ہے۔ ورنہ تمہیں یوں سوچنا نہ پڑتا اور اب میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ کس کا ہے؟''

''میں بھی اس وقت اسی طرح چکرا گیا تھا جب زینی کے چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ پہلے ڈیلیوری کیس میں اس کے ساتھ کچھ ایسی پرابلم ہوگئی ہے کہ وہ دوبارہ ماں نہیں بن سکتی۔ میرے لیے یہ انکشاف انتہائی اذیت ناک تھا اور فوری طور پر میں کچھ سوچ بھی نہیں سکا اس لیے زینی کو تمہارے گھر چھوڑ دیا اور یہ جھوٹ بولا کہ میں لاہور جا رہا ہوں۔ یہ بہت ضروری تھا۔ ورنہ اگر وہ کچھ دیر اور میرے سامنے رہتی تو میں جانے کیا کر ڈالتا۔ ابھی بھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا۔ شاید اس لیے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن اس نے میری محبت کا یقین نہیں کیا۔ میرا اعتبار نہیں کیا' جب ہی تو مجھ سے چھپایا۔ اسے خدشہ ہوگا کہ کہیں حقیقت جان کر میں اس سے شادی سے انکار نہ کردوں۔ یہی بات ہے ناں؟''

''ہاں اسے یہی خدشہ تھا اور غلط نہیں تھا۔'' اعتراف کرتے ہی اس کے لہجے میں تنفر سمٹ آیا تھا۔ ''اس وقت آپ بڑے دعوے کر سکتے ہیں لیکن اس وقت اگر آپ کو معلوم ہو جاتا کہ وہ بچے کی ماں ہے تو اب تک اسے شادی کا بہلاوا دے رہے ہوتے اور پھر ایک وقت ایسا آتا کہ اس سے کترانے لگتے۔ تب بتائیں وہ جو آپ سے محبت کرتی تھی اس کا کیا ہوتا۔''

''محبت!'' عفان استہزائیہ ہنسا۔ ''وہ خود غرض کسی سے کیا محبت کر سکتی ہے۔ جس نے اپنے مفاد کی خاطر تمہاری زندگی داؤ پر لگا دی اور تم ابھی بھی اس کی فیور کر رہی ہو۔''

''میری بات چھوڑیں اور یہ بتائیں' اب آپ کیا چاہتے ہیں؟'' وہ اس بحث سے بچنے کی خاطر اکتا کر بولی۔

''یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں زینی کو چھوڑ نہیں سکتا اور ......''

''بس' بس عفان بھائی!'' وہ فوراً بول پڑی۔ ''جب آپ اسے چھوڑ نہیں سکتے تو اور کوئی بات نہ سوچیں۔ رہا طلحہ تو وہ تو ہے ہی میرا بیٹا۔ اس کے لیے میں آپ کو مجبور نہیں کروں گی۔''

''لیکن میں مجبور ہوں کیونکہ زینی آئندہ ماں نہیں بن سکتی اور تم' تمہیں طلحہ کے ساتھ کون قبول کرے گا؟'' عفان نے اس انداز سے طلحہ کو قبول کرنے کا اعتراف کر کے اس سے پوچھا تو وہ بے اختیار رو پڑی۔

''عفان بھائی آپ' آپ واقعی بہت اچھے ہیں' بہت عظیم ہیں۔''

''نہیں رومیلہ! میں عظیم نہیں ہوں۔ تمہاری عظمت کے سامنے ہار گیا ہوں۔ پتہ ہے پرسوں زینی کو تمہارے ہاں چھوڑتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ اب میں کبھی اس کی صورت نہیں دیکھوں گا اور گزشتہ رات میں اس کے اس فریب پر کڑھ رہا تھا کہ مجھے اچانک تمہارا خیال آیا اور پھر میں صرف تمہیں سوچتا رہا۔ بہن کے لیے تمہاری محبت اور قربانی نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ یہ کوئی وقتی معاملہ تو نہیں تھا جو چند دنوں میں تم آزاد ہو جاتیں۔ تمہارے ماں باپ نے بھی تمہارا نہیں سوچا۔''

''سوچا کیوں نہیں' بس زینی کے لیے ہم سب......'' وہ کچھ جز بز ہو رہی تھی بس اسی قدر کہہ سکی۔

''ہاں ہم سب۔'' عفان نے گہری سانس کھینچی تھی پھر کہنے لگا۔

''دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں زندگی میں کہیں مات نہیں ہوتی۔ ہیں۔ جو چاہتے ہیں پا لیتے ہیں اور ان ہی گنتی کے خوش نصیبوں میں زینی بھی شامل ہے۔ یہ اس کی خوش قسمتی ہی تو ہے کہ عین اس وقت جب میں بہت متنفر ہو کر اسے طلاق دینے کی سوچ رہا تھا' مجھے تمہارا خیال آ گیا۔ جسے جھٹکنے کی میں نے کوشش بھی کی لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ بہرحال تم اب آزاد ہو لیکن زینی کو میں اس کے خدشے سے آزاد نہیں ہونے دوں گا اور اس کے لیے تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔

''کیسا وعدہ؟'' وہ کچھ الجھ کر دیکھنے لگی۔

''یہی کہ زینی کو کبھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں اس کے ماضی سے آگاہ ہو چکا ہوں۔ اس کے اندر جو اپنا راز افشا ہو جانے کا خدشہ ہے اسے سزا کے طور پر موجود رہنا چاہیے۔ جب تک کہ اسے خود احساس نہ ہوا' اپنے ضمیر کی چبھن سے بے چین ہو کر جس روز وہ مجھے خود سے طلحہ کے بارے میں بتائے گی تب میں اسے کھلے دل سے معاف کروں گا۔ یہاں تمہیں میرا ساتھ دینا ہے۔ سمجھیں تم۔ اگر غلطی سے بھی تم نے اس پر مہربانی کرنے کی کوشش کی تو پھر سمجھ لو۔ میں تمہارا خیال بھی نہیں کروں گا۔''

عفان نے آخر میں اسے بھی وارننگ دی۔ تو وہ جو اندر سے بہت مطمئن ہو گئی تھی بظاہر منہ بنا کر بولی۔

''ابھی کون سا خیال کر رہے ہیں۔ اتنی دیر سے بس سڑکیں ناپتے پھر رہے ہیں' یہ نہیں کچھ کھلا دیں۔''

''سوری' تمہیں بھوک لگی ہو گی' چلو زبردست لنچ کراتا ہوں۔'' عفان نے ایک دم گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تو وہ گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔

''نہیں عفان بھائی! پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے بس سیدھے گھر چلیں۔''

''میں گھر کیسے جا سکتا ہوں' میرا مطلب ہے میں تو لاہور میں ہوں جہاں سے میری

واپسی کل ہو گی۔'' عفان نے کہا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔

''یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔ چلیں آپ مجھے یہیں اتار دیں۔ میں ویگن میں چلی جاؤں گی اور ہاں لنچ آپ پر ڈیو رہا پھر کسی دن۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' عفان نے اسٹاپ دیکھ کر گاڑی روک دی۔

''تھینک یو عفان بھائی! تھینک یو سو مچ۔ زینی واقعی خوش قسمت ہے۔''

وہ خلوص دل سے کہہ کر اتر آئی اور اس وقت تک عفان بھائی کی گاڑی کو دیکھتی رہی جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ اس کے بعد گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے گردن موڑی تھی کہ دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ بالکل قریب گاڑی روکے عازم آفندی جیسے اس کے متوجہ ہونے کا منتظر تھا۔ فوراً دروازہ کھول کر تحکم سے بولا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' وہ منع نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن آس پاس اتنے لوگوں کی موجودگی میں تماشا بننے کے ڈر سے اسے بیٹھنا پڑا۔

''کون تھا وہ جو گھر تک پہنچانے کی بجائے تمہیں یہاں چھوڑ گیا۔'' گاڑی آگے بڑھاتے ہی اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا' تو وہ بھی چیخ کر بولی۔

''آپ کو کیا' کوئی بھی ہو اور آپ کس حساب سے میرے جاسوسی کرتے پھر رہے ہیں۔''

''کہیں وہ بچے کا باپ تو نہیں تھا۔ آئی مین تمہارے بچے کا۔'' عازم نے اس کی بات یکسر نظرانداز کر کے کہا تو ایک لحظہ کو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر بمشکل سنبھل کر بولی تھی۔

''تھا نہیں لیکن ہو سکتا ہے۔ وہ یہی کہہ رہا تھا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا' کہیں تم نے اس سے ہامی تو نہیں بھر لی۔'' وہ اپنی بوکھلاہٹ غصے میں چھپا رہا تھا۔ لیکن وہ محسوس کر کے بولی تھی۔

''بالکل بھر لی' کیونکہ وہ بہت خوشی سے بچے کو قبول کر رہا ہے۔ البتہ ماں کے لیے تھوڑی

سزا رکھی ہے اور میں نے اس سے بھی اختلاف نہیں کیا بلکہ ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔''

''وعدہ تو تم نے مجھ سے بھی کیا تھا کہ صرف میرے پرو پوزل پر سر جھکاؤ گی۔'' اس نے طنز آمیز لہجے میں کہا تو وہ قصداً لا پروائی کا مظاہرہ کر گئی۔

''ہوں' مجھے یاد ہے۔''

''پھر؟'' وہ غالباً تلملا گیا تھا۔ سائیڈ میں گاڑی روک کر اسے دیکھتا ہوا بولا۔ ''تم ایسا کیوں کر رہی ہو' کیا صرف اس لیے کہ اس روز تمہارے بارے میں انکشاف نے مجھے چکرا دیا تھا۔ میرے جگہ کوئی بھی ہوتا اس کا فوری ردِعمل یہی ہوتا۔ اس کے بعد کوئی اتنی جلدی تمہاری طرف نہیں لوٹ سکتا تھا جیسے میں بھاگا آیا ہوں لیکن تم تو مجھ سے بھی جلد باز نکلیں۔ چند دن انتظار نہیں کیا اور اس تیسرے شخص سے......''

''بس کریں عازم!'' اس نے گھبرا کر ٹوک دیا۔

''اگر اس روز آپ میری بات سن لیتے تو خود کو دوسرا اور میرے بہنوئی کو تیسرا شخص نہ کہتے۔ میں نے بیلا سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ طلحہ میرا بھانجا ہے اور میری بہن کی دوسری شادی عفان بھائی سے ہوئی ہے جنہوں نے پہلے طلحہ کو قبول نہیں کیا تھا۔ یوں وہ بچہ میری گود میں آ گیا تو دیکھنے والے اسے میرا بچہ ہی سمجھنے لگے اور میں نے کبھی اس کی تردید کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اس لیے کہ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ مجھے ایسی کسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس روز بیلا کی برتھ ڈے میں اس خاتون نے جس طرح اچانک بات کی' اس سے آپ ہی نہیں میں بھی چکرا گئی تھی۔ لیکن پھر بھی میں نے آپ کو بتانا چاہا تھا اور آپ سننے پر تیار ہی نہیں ہوئے۔ تب مجھے بھی غصہ آ گیا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ کبھی آپ کو حقیقت نہیں بتاؤں گی۔''

''کوئی فرق نہیں پڑتا تھا مجھے' اگر وہی سچ ہوتا تب بھی تمہارے لیے میری محبت کم نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ میں نے تمہیں دیکھتے ہی پسند کرنے کے ساتھ تم سے شادی کا فیصلہ کر لیا تھا اور میرے فیصلے کمزور نہیں ہوتے۔ سمجھیں تم۔''

آخر میں وہ اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تو اس نے کچھ ٹپٹا کر پہلے نظروں کا زاویہ بدلا۔ پھر سیٹ کے پشت سے سر ٹکا کر پلکیں موندتے ہوئے سوچا تھا۔

''آج فیصلوں کا دن ہے۔ جن میں آنے والوں کا حسین تصور جوزینی کے لیے بے شک کچھ دیر سے حقیقت کا روپ دھارے گا لیکن اس کے لیے تو کوئی دیر نہیں۔''

☆☆☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com